

سدا کے جہاں و جلال

زیر سرپرستی:

عاشقِ رسول، شاہِ شاہاں، خواجہ خواجگان، قطب العالم،
فقیر بے بدل، فقیر بے مثال، فقیر محمدی، فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ

خواجہ شاہ محمد افضل

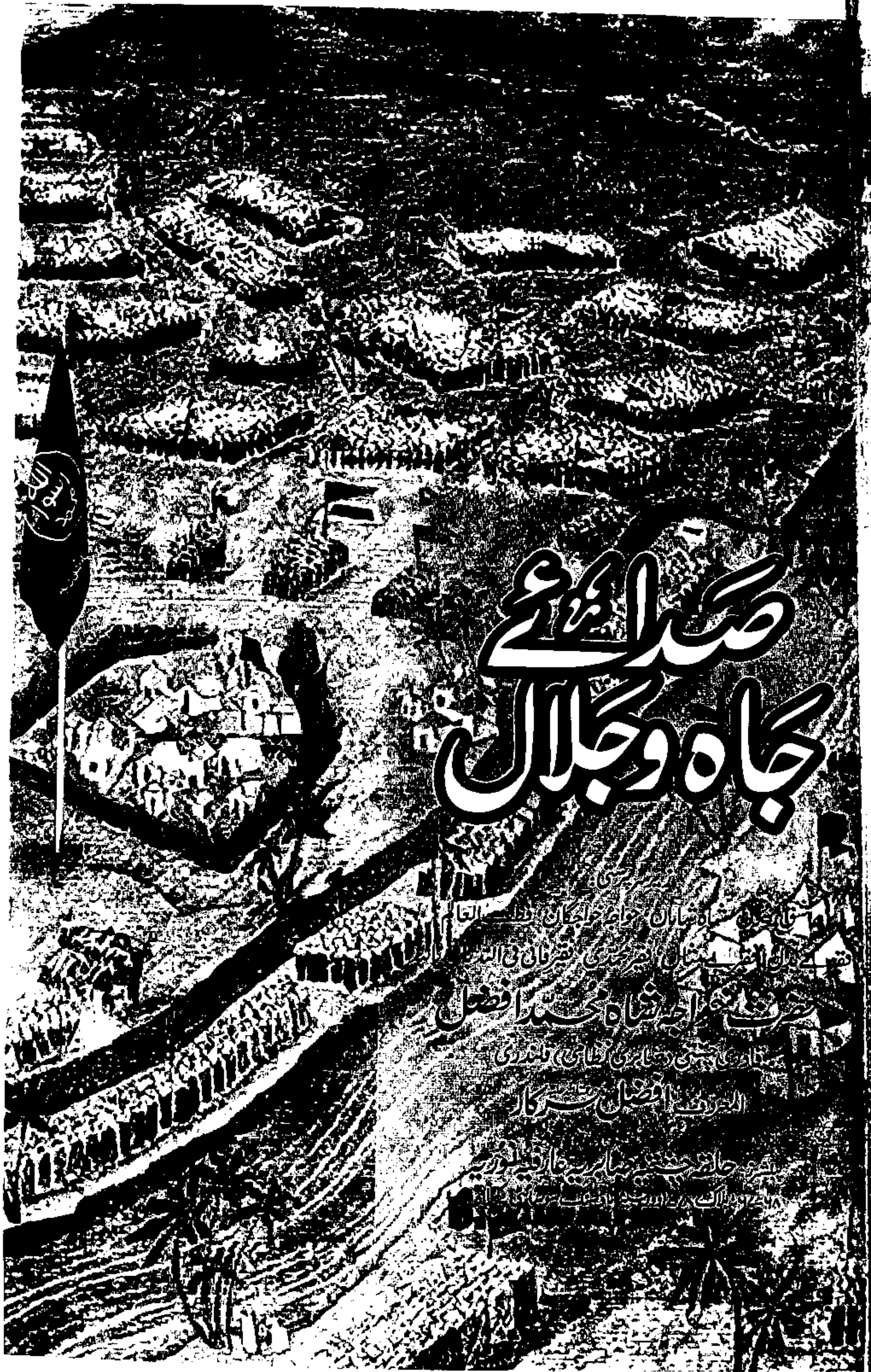
چشتی (صابری نظامی)، قلندری

وف افضل رحمۃ اللہ علیہ سرکار

فی سبیل اللہ

NOT FOR SALE

Marfat.com



مکالمے جگہ و جگاہ

المستحقون شہداء ان حواء و ابراهيم و طاب العالم
قوله ان الغرابتين امير حسبي يقربان في البر

حضرت محمد بن احمد شاہ محسن و فضل

بنامہ بنی ہاشمی (طاب العالم)

العرفت الفضل شکر

بشمول حاتم بن محمد بن ابی اسحاق
بنامہ بنی ہاشمی (طاب العالم)

نام کتاب _____ صدائے جاہ و جلال

ترتیب و پیشکش _____ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

ناشر _____ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

تعداد	تاریخ اشاعت
۵۰۰۰	جمادی الاول ۱۴۳۲ھ اپریل ۲۰۱۱ء ۲۹۷۶۴۷ ۳۱۶ ۵۶۶۲۵ ۱ ۱

E-mail: arfeen@cyber.net.pk

مناجات

اے اللہ کریم ! ہم گناہ گار و خطا کار ہیں۔ ہمیشہ تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور مشکل سے مشکل گھڑی میں تجھے ہم نے پکارا، تو نے ہماری پکار اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے میں اور وسیلہ جلیلہ، اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبول فرما کر ہمیں ہمیشہ اپنی رحمت سے نوازا اور اس مشکل سے نجات دی۔ تو کریم المعروف ہے، قدیم الاحسان ہے، حنان و منان و دیان ہے، ذو الجلال والاکرام ہے اور علیٰ کلّ شیءٍ قَدِيرٌ اور کُنْ فَبِکُونِ کی طاقت رکھتا ہے۔

تیری اس عاجز بندی نے ڈرتے ڈرتے ”صَدَائِعُ جَاهٍ وَجَلال“ کے عنوان سے اس موضوع پر اپنے مُرشد شاہ شاہاں خواجہ خواجگان قطب العالم فقیر بے بدل فقیر بے مثال فقیر محمدی فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت خواجہ شاہ محمد افضل قادری چشتی (صابری) نظامی، قلندری المعروف ”افضل سرکار“ رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سرپرستی یہ کتاب پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اب یہ تیری بارگاہ عالیہ میں نذر ہے۔ اسے شرف قبولیت عطا فرما۔ امیدوار ہوں تو مایوس نہیں فرمائے گا۔ کاش یہ تیری اور تیرے حبیب پاک ^{صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم} کی خوشنودی کا باعث بنے۔ آمین ! جو جو میری خامیاں ہیں، اُن کو درگزر فرما۔

میرے پاس کوئی عذر نہیں، صرف معافی کی طلبگار ہوں۔
 اس کے پڑھنے والے کی حاجتیں اور مرادیں پوری فرما۔ اُن کو
 دین کی بھلائی عطا فرما۔ اُن کو اپنی اور حضور صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ کی
 اور پختن پاک کی محبت عطا فرما۔ یا اللہ! جو شخص بھی حاجتمند ہے
 وہ اس کو پڑھنے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہ کر لے بلکہ اس میں ایسا
 ذوق و شوق عطا فرما کہ وہ دین کے کسی عالمِ حق کے سامنے زانوئے ادب
 تہہ کر کے کلامِ پاک کے معانی اور تفسیر غور سے پڑھے۔ اس کے بعد
 اس کو توفیق عطا فرما کہ وہ تیری اور تیرے رسول صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ
 کی اطاعت کرے تیری دی ہوئی توفیق سے۔ محض اس نیت سے کہ
 تو اور تیرے حبیبِ پاک (صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ) اُس سے راضی
 ہو جائیں۔

دُعاگو اور دُعا جو
 رابعاً ثانی

اظہارِ تشکر

میں اپنی اُن دینی بہنوں اور بھائیوں کی ممنون ہوں، جنہوں نے دلمے، درمے، سُخنے اس کام میں میری مدد کی۔ اے اللہ! اُن سب پر اپنے فضل و کرم کی بارش فرما اور انہیں ہر بلا سے ناگہانی، آفت، مصیبت، پریشانی، بدنامی، بے عزتی، مفلسی، محتاجی، بیماری، قرض داری، رُجعتِ دین، ذکر و فکر اور نماز سے غفلت سے محفوظ فرما اور انہیں اس معاونت کا اجرِ عظیم عطا فرما! آمین

دُعاگو اور دُعا جو
رابعہ ثانی

گزارش

۲۹۲۵۴
۱۱/۱۱/۱۱

اس تالیف میں اگر کہیں زیر زیر یا کتابت کی کوئی غلطی
نظر آئے تو اسے از راہ کرم اپنے قلم سے خود درست کر لیجئے گا۔
آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔

دُعاگو اور دُعا جو
والبعث ثانی

فہرست

9	باب ۱۰۸ ، ۲۔ اپریل ۲۰۱۰ء
29	باب ۱۰۹ ، ۹۔ اپریل ۲۰۱۰ء
54	باب ۱۱۰ ، ۱۶۔ اپریل ۲۰۱۰ء
73	باب ۱۱۱ ، ۲۳۔ اپریل ۲۰۱۰ء
88	باب ۱۱۲ ، ۳۰۔ اپریل ۲۰۱۰ء
104	باب ۱۱۳ ، ۷۔ مئی ۲۰۱۰ء
118	باب ۱۱۴ ، ۱۴۔ مئی ۲۰۱۰ء
131	باب ۱۱۵ ، ۲۱۔ مئی ۲۰۱۰ء
146	باب ۱۱۶ ، ۲۸۔ مئی ۲۰۱۰ء
162	باب ۱۱۷ ، ۴۔ جون ۲۰۱۰ء
177	باب ۱۱۸ ، ۱۱۔ جون ۲۰۱۰ء
192	باب ۱۱۹ ، ۱۸۔ جون ۲۰۱۰ء
214	باب ۱۲۰ ، ۲۵۔ جون ۲۰۱۰ء
234	باب ۱۲۱ ، ۲۔ جولائی ۲۰۱۰ء

- 257 — باب ۱۲۲ ، ۹ جولائی ۲۰۱۰ء
- 278 — باب ۱۲۳ ، ۱۶ جولائی ۲۰۱۰ء
- 299 — باب ۱۲۳ ، ۲۳ جولائی ۲۰۱۰ء
- 320 — باب ۱۲۵ ، ۲۶ جولائی ۲۰۱۰ء
- 337 — باب ۱۲۶ ، ۲۹ جولائی ۲۰۱۰ء
- 356 — باب ۱۲۷ ، ۳۰ جولائی ۲۰۱۰ء
- 374 — باب ۱۲۸ ، ۶ اگست ۲۰۱۰ء
- 391 — باب ۱۲۹ ، ۱۳ اگست ۲۰۱۰ء
- 410 — باب ۱۳۰ ، ۲۰ اگست ۲۰۱۰ء
- 426 — باب ۱۳۱ ، ۲۷ اگست ۲۰۱۰ء

۲ اپریل ۲۰۱۰ء

باب (۱۰۸)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو نہایت کرم والا، اور انتہائی رحم والا ہے۔ وہ جس نے ارض و سما کو پیدا کیا جس نے چمکدار کہکشاؤں کو اور جو کچھ ان میں ہے، ان سب کو تخلیق فرمایا۔ یہ سب کچھ اس نے اپنے حبیب، اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے پیدا کیا جو اس کے محبوبِ عظیم ہیں۔

درود و سلام ان پر جن کا دل سب سے زیادہ معصوم ہے، جو شب و روز اپنی امت کے لئے دعا گو ہیں، اور جو اللہ کے سب سے زیادہ برگزیدہ بندے ہیں۔

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے۔ اور آپ کے گھرانوں کے لئے۔ سلامتی ان سب کے لئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم اور ان کی رحمت کے زیر سایہ

ہیں۔ اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی ایک سے بھی ناواقف نہیں ہیں۔

کیا آپ نے کبھی اس پر غور کیا ہے کہ انسان کو کس طرح بنایا گیا؟ کیا آپ اللہ کے ہاتھوں اپنی تخلیق کاری کے عمل کو دیکھ سکتے ہیں؟ خون کا ایک لوتھڑا جو حقیر ہے، جس کی اپنی کوئی قوت نہیں ہے۔ وہ خود کو شکمِ مادر میں (بیج کی طرح) بودیتا ہے۔ بویا ہوا خون کا یہ لوتھڑا ماں کے خون سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے، یہ خون پھر ہڈیوں اور پھٹوں میں تبدیل ہوتا ہے، اور پھر ان ہڈیوں اور پھٹوں سے چہرہ اور انسانی جسم کے تمام اعضاء بن جاتے ہیں۔

سورہ مومنین میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:
”اور بے شک ہم نے آدمی کو چینی ہوئی مٹی سے بنایا۔ پھر اس کو پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں۔ پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا۔ پھر خون کے پھٹک کو گوشت کی بوٹی۔ پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے اوڑھ“

صورت میں اٹھان دی۔ تو بڑی برکت والا
ہے اللہ، سب سے بہتر بنانے والا۔

ایک مخلوق جس کی اصل اتنا اونٹنی اور عاجزانہ ہو، اس
کا طرز عمل اس کی اصل سے بالکل مختلف ہے۔ جیسے
ہی وہ بڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے بازوؤں میں طاقت
محسوس کرتے ہیں، تو وہ یہ سوچنا شروع کرتے ہیں کہ وہ
ہی اس دنیا کے مالک ہیں، اور جو کچھ بھی چاہیں وہ کر
سکتے ہیں۔

وہ ہر ایک پر اور ہر چیز پر سوال اٹھانا شروع کر
دیتے ہیں۔ وہ دوسروں کی بات آخر کیوں سنیں۔ کیا وہ
خود کوئی سوچ نہیں رکھتے؛ اور جب آپ کے بازوؤں
میں قوت ہے، تو آپ اس قوت سے کسی بھی طرح دولت
کما سکتے ہیں۔ تو پھر آپ کو دوسروں کا خیال رکھنے کی کیا
ضرورت ہے؟

یہ غرور اور گھمنڈ انسان کی ذات میں موجود اس
کے مثبت پہلو کو تباہ کرتے ہیں۔ اسے خود غرض اور تنگ
نظر بناتے ہیں۔ ایک انسان کی عاجزانہ اصلیت اُسے

عاجزانه انجام تک پہنچاتی ہے۔ جب انسان کو عدم سے پیدا کیا گیا تھا، تو اسے دوبارہ بھی عدم سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔

ہر ایک انسان جو پیدا ہوا ہے، وہ دوبارہ پیدا ہوگا۔ وہ مٹی سے بنایا گیا اور مرنے کے بعد مٹی میں بدل جائے گا۔ اور وہ دوبارہ مٹی سے ہی پیدا ہوگا۔ بھلا اللہ کو ان تمام چیزوں کو دوبارہ بنانے سے کون روک سکتا ہے؟ جو اس زمین پر آئی تھیں؛ کیا اللہ ان چہروں کو ایک بار پھر سے نہیں بنا سکتا، جو مٹ کر خاک ہو چکے ہیں؟ کیا وہ ان کو دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں کر سکتا جو کبھی ٹٹنوں مٹی تلے بے حس و حرکت پڑے تھے؛ کیا وہ ان کی بے نور آنکھوں کو دوبارہ روشنی عطا نہیں کر سکتا، یا ان کے زبانون کو گو پائی عطا نہیں کر سکتا جو عرصے سے بند تھیں اور ان اعضاء کو دوبارہ طاقت نہیں بخش سکتا جو اپنی قروں میں بے بس پڑے ہوئے تھے؛

اللہ تعالیٰ کے پاس تمام طاقتیں ہیں۔ وہ جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ کیا ایسا کوئی ہے جو اسے وہ کچھ نہ کرنے دے جو وہ کرنا چاہتا ہو؟ یہ حقیقت اس کی جملہ

مخلوقات کو معلوم ہے سوائے اس بد نصیب شخص کے ،
 جسے اس دنیا میں ناثب بنایا گیا تھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ
 جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس سے باز پرس کرنے والا کوئی
 نہیں ہے۔

وہ سمجھتا ہے کہ جو اس کے جی میں آئے ، وہ کر
 سکتا ہے۔ اُسے کوئی دیکھ نہیں سکتا، اس کا خیال ہے
 کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اسے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔
 یہ شخص خود کو سب سے بڑا اور سب سے طاقت ور
 سمجھتا ہے۔ اسے اللہ کے کسی احکام کو ماننے کی ضرورت
 نہیں۔

اگر اس کے پاس طاقت ہے تو وہ چرا سکتا ہے۔
 جھوٹ بول سکتا ہے، دوسروں کا مال کھا سکتا ہے۔ وہ
 یہاں اپنے قوانین تھوپ سکتا ہے۔ وہ اپنے قوانین
 خود بناتا ہے۔ اسے یہ سب کچھ کرنے سے کون روک
 سکتا ہے۔ مگر ایسی ایک ذات ہے جو یہ سب کچھ دیکھ
 رہی ہے۔ وہ ان تمام چیزوں پر بڑی خاموشی سے
 نظر رکھے ہوئے ہے۔

وہ ہر ایک انسان کے ہر ایک عمل پر کڑی نگاہ

رکھے ہوئے ہے۔ وہ ہر ایک آدمی کے مُنہ سے نکلنے والے ہر لفظ کو سُن رہا ہے۔ وہ ہر ایک انسان کے دل میں چھپی ہوئی ہر نیت کی جانچ کر رہا ہے۔ پھر ان ساری چیزوں کو اللہ کے بندے، یعنی اس کے فرشتے سمیٹ کر اس دن کے لئے اٹھا رکھتے ہیں جب میزان کی بات ہوگی۔

وہ دن جو جوانوں کو چند لمحوں میں بوڑھا بنا دے گا۔ وہ دن جب اللہ کے انصاف سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔ کوئی بھی اس سے نہیں بچ سکتا سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ استثنیٰ بخشے۔

آج انسان یہ بھول گیا ہے کہ اُسے مرنا بھی ہے۔ وہ یہ بھول گیا ہے کہ اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ وہ یہ بھول گیا ہے کہ اس سے باز پرس ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ کی گردنوں پر اتنا بوجھ ہے، تو پھر آپ فکر مند کیوں نہیں ہیں؟ آپ اپنے بستروں پر خاموشی سے کیوں پڑے ہوئے اپنا وقت برباد کر رہے ہیں؟ آپ آخر جاگتے کیوں نہیں ہیں؟

کیا آپ کے خیال میں آپ کی یہ زندگی ہمیشہ کے

لئے ہے؛ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے، کبھی مریں گے نہیں؟ اور اگر آپ مر بھی جائیں، تو کیا آپ کو دوبارہ کبھی زندہ نہیں کیا جائے گا؟
 ذرا اپنی تاریخ کی کتابیں تو کھولئے۔ آپ کو نظر آئے گا کہ ماضی میں آپ سے زیادہ شان و شوکت والے لوگ بہت زیادہ طاقت ور اور مضبوط لوگ یہاں موجود تھے۔ بھلا بتائیے کہ ان میں سے کتنے موت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے ہیں؛ کتنے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو دھوکہ دے سکے؛ اور خود کو قبر کی تاریکیوں سے بچا سکے؟

کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ انبیاء کرام اور اللہ کے خاص الخاص نے بھی موت کا مزہ چکھ لیا ہے۔ کوئی بھی اپنی مقررہ زندگی سے ایک لمحہ بھی زیادہ اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔ کوئی بھی خود کو حضرت عزرائیل علیہ السلام کے پنجوں سے نہیں بچا سکا ہے۔ اس کے باوجود انسان نے اس سے سبق نہیں سیکھا۔ وہ ابھی اس پُر فریب دنیا میں مگن ہے، اپنے عیش و آرام میں اور اس دنیا کو حسین تر بنانے میں۔

یہ بتائیے کہ کیا آپ نے کبھی پانی کا کوئی ٹبلہ دیکھا ہے؟ جب روشنی کی کوئی کرن اُس ٹبلے سے گزرتی ہے تو اس میں سے خوبصورت رنگ بھرتے ہیں۔ وہ چمکتا ہے، وہ جگمگاتا ہے۔ اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ مجھے ایک ہزار روپے دینے کے بدلے اس ٹبلے کو خریدیں، تو آپ میں سے کتنے اس سودے پر رضامند ہوں گے؟ بے شک کوئی بھی اسے خریدنے پر آمادہ نہیں ہو گا چاہے وہ ٹبلہ دیکھنے میں کتنا ہی دلکش اور خوب صورت کیوں نہ ہو۔ ایسا صرف اس لئے کہ ٹبلے کی زندگی چند لمحات یا ثانیوں تک کے لئے ہوتی ہے۔ کوئی بھی اپنے پسینہ کی کمانی کو ایسی ناپائیدار چیز پر خرچ کرنا نہیں چاہے گا۔

اس زمین پر انسان کی زندگی بھی اسی طرح ہے۔ اتنی ہی مختصر اور اتنی ہی ناپائیدار۔ اس کی ہر سانس اللہ کی طرف سے اس کے لئے ایک تحفہ ہے۔ اس کے نصیب میں کتنی سالیں ہیں کوئی نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آج اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہنستا اور سرگوشیاں کر رہا ہو، یا وہ گھر والوں کے ساتھ بیٹھے آئندہ

کئی سالوں کی منصوبہ بندیاں کر رہا ہو، لیکن دوسرے لمحے اس کی سائنس رُک جاتی ہے۔

وہ چاہے دوسری سائنس لینے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ لیکن اگر اس کی سائنس گنی جا چکی ہیں، تو وہ ایک بھی اضافی سائنس نہیں لے سکتا۔ کوئی بھی ہائی ٹیک طبی امداد اسے موت سے نہیں بچا سکتی۔ جب اس کا وقت ختم ہو چکا ہو، تو کوئی بھی رقم اسے اضافی سائنس نہیں دلا سکتی۔ تمام کھیل ختم ہو جاتے ہیں، تمام منصوبے ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا ہے کہ :

تیری کشتی میں ہیں سوراخ کتنے
چلا جاتا ہے جن سے تہہ میں پانی
بہت کمزور ہے مستول اس کا
ہیں اس کی رسیاں کتنی پرانی
خدا کی ناخدا کی بدولت
اُڑ جائے گی دریا کی روانی

پھر فرمایا :

سمندر میں اُسے جس وقت ڈالے
سفینہ رنگ و روغن سے سجائے
کوئی سوراخ رہ نہ جائے باقی
پرانی رسیوں کو آزمائے!
کنارا دُور اور گہرا سمندر
تیری کشتی ہے طوفاں کے حوالے
تجھے درپیش ایک لمبا سفر ہے!
سفر کے قابل تو اس کو بنالے

زندگی بے شک ایک سفر ہے۔ بہت سہولت اور
مُشکل۔ انسان کی زندگی کے دراصل دو سفر ہیں: ایک
میں اس کی مرضی شامل ہے، اسے مواقع عطا کئے جاتے
ہیں اور وہ جس طرح چاہے سفر کر سکتا ہے۔ یہ اس دنیا
کا سفر ہے۔ اس کے پاس اختیار ہے کہ وہ اپنی زندگی
کس طرح گزارے۔

اس کے پاس دوسرے سفر کے لئے زاہدِ راہ جمع کرنے
کے تمام تر مواقع ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ سفر دشوار

ہے۔ کیوں کہ اس میں اسے ہر وقت اپنے دشمن سے کا
سامنا کرنا ہے، جو ایک بھنور کی طرح ہے۔ اگر آپ اس
(گرداب) میں سے گزرتے وقت احتیاط سے کام نہیں
لیتے، تو آپ کی کشتی یقیناً الٹ کر ڈوب جائے گی۔

لیکن اللہ نے آپ کو دشمن سے بچنے کے لئے اچھی
طرح سکھلا دیا ہے کہ اس زندگی کی کشتی کو کس طرح اس
بھنور سے بچایا جائے۔ اب اس کے باوجود اگر آپ
خود کو اس تباہی سے نہیں بچا سکتے تو اس کے لئے کس
کو مورد الزام ٹھہرایا جائے؟

دوسرا سفر سفر آخرت ہے۔ جس کا انحصار زیادہ
تر اس پر ہے کہ آپ نے اپنے پہلے سفر میں اپنا وقت
کس طرح گزارا ہے۔ اگر آپ خود کو دشمن سے بچ جانے
میں بہت محتاط رہے تھے۔ اگر آپ نے وہ سیدھا راستہ
اختیار کیا تھا جو اللہ نے آپ کو دکھایا تھا اور اپنے
لئے اچھا خاصا زاویہ جمع کیا تھا، تو آپ کا یہ دوسرا
سفر یقیناً بھونچال اور طوفانوں سے محفوظ ہوگا۔

یہ دونوں سفر مختصر دورانیہ کے ہوتے ہیں۔ یہ مشکل
بھی ہیں اور ان کا ایک خاتمہ بھی ہے۔ یہ دونوں سفر آپ

کو آپ کی حقیقی منزل کی طرف لے جاتے ہیں۔ یعنی اس جگہ جہاں آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ اللہ کے عاشق، حضرت

شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا ہے :

” سب انسان دراصل ایسی کشتیوں میں سفر

کر رہے ہیں جو نہایت کمزور ہیں۔ بلاشبہ یہ آپ کے

جسم ہیں جو زود اثر لینے والے اور کمزور ہیں۔ جب آپ

کا سفر شروع ہوگا، تو ہو سکتا ہے کہ تیز ہواؤں سے اور

طوفان ان کشتیوں کے لئے خطرے کا باعث ہوں۔ یہ

آزمائشیں اللہ کی طرف سے ہیں، جو آدمی کو بہنی چاہیں۔

یہ آزمائشیں نہ صرف آپ کو یہ سکھاتی ہیں کہ کشتی کو

کس طرح چلایا جائے، بلکہ آپ کو زیادہ مضبوط بنا دیتی

ہیں۔ یہ سختیاں آپ کو یہ احساس دلاتی ہیں کہ فقط

ایک ہی واحد طاقت ہے جو سب پر حکم ران ہے۔

پھر اس سفر میں ایسے بھنور ہیں جو شیطان نے

بنائے ہیں جو آسانی سے آپ کی کشتی کو ہٹ کر سکتے

ہیں۔ یہ بھنور دراصل آپ کے ایمان پر ایک وار ہیں۔

کیوں کہ جب ایک آدمی اپنا ایمان کھو بیٹھتا ہے،

تو بلاشبہ اس کا وجود ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔
 شیطان تصورات بھی پیدا کرتا ہے، زمین کے تصورات
 جو جعلی ہوتے ہیں اور آپ کو ایسا لگتا ہے جیسے آپ
 اپنی منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ اس طرح یہ آپ کو زندگی کی
 بے معنی لذتوں میں مبتلا کرتا ہے۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے، وہ آپ کے پانچوں حواس پر
 قبضہ کرتا ہے، اور انہیں حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت
 کریں۔ ایک بار اگر آدمی اپنے قلب کو سُننا بند کر دے
 اور خود کو شیطان کے حوالے کر دے، تو اس کی آنکھوں کے
 آگے وہ نقوش اور رنگ ناچنے لگتے ہیں، جو انسان نے
 اپنی تفریح کے لئے بنا رکھے ہیں۔

اس کے کان دوسروں کی سرگوشیاں اور غیبت سُننا
 شروع کر دیتے ہیں اور ان سے لطف اٹھاتے ہیں۔ اس
 کی زبان جھوٹ اور بے معنی باتوں کا ذریعہ بن جاتی ہے۔
 اس کی لمس کو آسائش کی طلب ہوگی اور اس کی زبان دنیا
 کی عیاشیوں کی باتیں کرتے نہیں تھکتی۔

ایک بار اگر آپ کے حواس شیطان کے قابو میں آ
 گئے، تو پھر آپ دن رات انہی خرافات کے پیچھے بھاگیں

گے۔ ایک بار آپ کی توجہ آپ کے سفر سے ہٹ گئی اور جیسے ہی آپ اپنے حواس کو مطمئن کرنا شروع کریں گے، تو یہ امکان قوی ہے کہ آپ آسانی سے اپنی راہ سے ہٹ جائیں گے۔

آپ نہ صرف سیدھی راہ پر چلنا بھول جائیں گے، بلکہ ایک غلط سمت میں بھی مڑ سکتے ہیں۔ اور آپ اس بھنور میں پھنس سکتے ہیں جو شیطان نے آپ کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ اور اس طرح آپ اپنی پوری متاعِ حیات کھو سکتے ہیں۔ اگر آپ اس سفر میں ہٹ گئے جو آپ کی دنیاوی زندگی کا سفر ہے، تو یوں سمجھئے کہ دراصل آپ نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔

پھر آپ کے دوسرے سفر کا دورانیہ غم و پشیمانیوں سے پُر ہوگا۔ اور آپ کا وہ آخری ٹھکانا، جہاں آپ کو ہمیشہ رہنا ہے وہ آپ کے لئے ایک ابدی درد و عذاب بن جائے گا۔ اللہ آپ سب کو اس سے بچائے رکھے۔

اے اُمّتِ محمدی! اس بیان کی نصیحت یہ ہے کہ خدا را جاگ اُٹھیے، اور اپنی آنکھوں کو خوب اچھی طرح کھولئے۔ شیطان کی طرف سے ہونے والے وار پر نظر

رکھئے، اور اپنے اللہ سے اس کے لئے پناہ مانگئے۔ اس
 قیمتی وقت کو ضائع نہ کیجئے۔ یہ وقت ایک بار جو ہاتھ
 سے نکل گیا، تو پھر واپس کبھی نہیں آئے گا۔
 دوپل کی اندھی جوانی نادانی سے بھرپور پائی
 عمر بھلا کیوں بیتے ساری، رو رو کر بتانے میں
 اے اُمّتِ محمدی! گیا وقت کبھی واپس نہیں
 آتا۔ جو آج بویا ہے وہی کل کاٹنا ہوگا۔ اگر آج اپنے لئے
 کانٹے بوئے ہیں، تو کل یہ کانٹے چل اور پھول بن کر نہیں
 مل سکتے۔

اے اُمّتِ محمدی! آپ بہترین محفلوں میں سے
 ایک میں موجود ہیں۔ یہ محفل اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ
 وسلم اور ان کے عاشقوں کی محفل ہے، تو اس میں کیا کمی
 ہو سکتی ہے۔ یہ محفل آپ کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی
 ان کے اہل بیت کی اور ان کے عاشقوں کی محفل ہے۔
 بس اپنی جھولی پھیلائیے اور اس میں اللہ کی
 برکت اور اس کے محبوب کی رحمت سمیٹئے۔ جو بھی ان
 محفلوں میں شریک ہوتا ہے وہ اللہ کی رضا سے ہوتا ہے۔
 اور جسے جانے کے لئے کہا جاتا ہے، وہ اللہ کی رضا سے

جاتا ہے۔ کوئی بھی فرد واحد اس محفل میں نہیں آسکتا اگر
اللہ اس کی یہاں موجودگی نہ چاہتا ہو۔

اللہ نہایت ہی قدرت والا اور رحیم ہے وہ
عیبوں کو چھپانے والا اور نہایت ہی مہربان ہے۔ یہ محفلیں
نورِ ہدایت پھیلاتی ہیں۔ یہ دلوں کو مستور اور حسین بناتی ہیں۔
یہ اللہ کے ان عاشقوں کی مثالیں پیش کرتی ہیں، جنہوں
نے اپنی زندگیاں حق اور سچائی میں گزاری ہیں۔

آئیے آج ہم ایک ایسے حسین شخص کی بات کریں،
جو اپنے اللہ کے راز و نیاز کا حصہ تھے۔ ان کی آنکھیں
ایسی تھیں جو آدمی کے جسم سے پار جاسکتی تھیں۔ جن کے
دل ہر وقت ذکرِ اللہ کی تال پر دھڑکتا تھا۔ ایک پر وقار
اور خود دار انسان، لیکن اس کے ساتھ ہی عجز و انکساری
سے بھرپور انسان۔ ایک ایسا انسان جنہوں نے اپنی
اصلیت کو کبھی فراموش نہیں کیا اور اپنی کشتی کو ہمیشہ
راہِ حق پر چلایا۔

آج ہم گفتگو کریں گے قطبِ سالکین، حضرت
شاہ محمد غزن قادری سروری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے
میں جو ہمارے مرشد حضرت شاہ محمد افضل المعروف

” افضل سرکار رحمتہ اللہ علیہ کے والد گرامی اور بڑی
اہمیت کے حامل انسان تھے۔

جیسے جیسے دنیا اپنے خاتمہ کی جانب بڑھ رہی ہے،
راہِ حق پر قائم رہنا بہت مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ یہ دریا کے
بہاؤ کے خلاف تیرنے کی کوشش کے مترادف ہے۔ لیکن
اس جی وارموسن نے یہی کیا۔ انہوں نے پانی کے بہاؤ کے
خلاف تیر کر دکھایا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا آرام اور
اپنی آسائشوں کو قربان کیا، مگر ایک کوڑی بھی ایسی قبول
نہ کی جو حلال نہ ہو۔

جب آپ رحمتہ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ اس دنیا سے
رخصت ہوئیں، تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے دوسری شادی
نہیں کی، تاکہ آپ اپنی پوری توجہ اپنے بچوں کی تربیت
پر مرکوز رکھ سکیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کا مقولہ تھا کہ ”کھلاؤ
سونے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی آنکھ سے“۔

اور یہی ہے وہ طریقہ جس سے آپ رحمتہ اللہ علیہ
نے اپنے بچوں کی تربیت فرمائی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے
اپنا عشقِ الہی اور عشقِ مصطفیٰ اپنے ایک ایک بچے میں منتقل
کیا۔ اس طرح آپ نے اپنے بچوں کو ایسا مشعل بنایا

جس سے ہزاروں مشعلیں روشن ہوئیں جنہوں نے
زمانہ بھر کو منور کر دیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک قادری سہروری بزرگ
تھے، جن کا ہاتھ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک
ہاتھوں میں اور حضرت عوث پاک، شیخ عبدالفتا اور
گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں تھا۔ آپ رحمۃ اللہ
علیہ کے اپنے دن دنیاوی ذمہ داریوں کو نبھاتے گزرے
اور آپ کی راتیں رب عظیم کی حضوری میں گزرتیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ رہتے تو اس دنیا میں ہی تھے،
لیکن آپ کی نسبت دوسری دنیا سے تھی۔ یعنی اللہ کی
دنیا سے۔ اپنی ۲۳ سالہ سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ
کے بعد آپ اپنے حجرے میں مقیم ہو گئے۔ جہاں آپ بہ
مشکل دو تین گھنٹے آرام فرماتے اور باقی سارا وقت یاد
الہی میں گزارتے۔

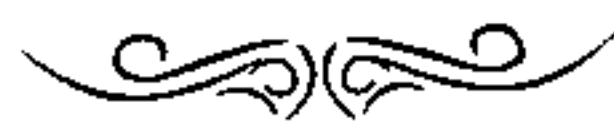
آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اوراد و وظائف کے بچد
پابند تھے اور اپنے حجرہ میں کسی بھی ایسی چیز کو داخل ہونے
نہیں دیتے تھے جو شریعت کے خلاف ہو۔ لیکن اس کا
مطلب یہ نہیں کہ آپ دوسروں کی ضروریات سے بے

خیر رہتے۔ بہت سارے عزباء، مساکین اور دوسرے
 لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے زیرِ کفالت رہتے تھے۔
 آپ رحمۃ اللہ علیہ مہمان نوازی کے تقاضوں سے
 بخوبی آگاہ تھے۔ اور کئی دنوں تک درویش اور مرید آپ
 کے ہاں قیام کرتے اور آپ سے فیضیاب ہوتے تھے۔
 حضرت شاہ غزن رحمۃ اللہ علیہ قادری سروری
 بزرگ تھے۔ اسی لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت
 عنوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا مشن اپنایا اور اسی کے مطابق
 زندگی بسر کی۔ حتیٰ کہ جب آپ کے وصال کا وقت
 قریب آیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ فراش تھے
 تو آپ گیارہ دن تک حالتِ مستغراق میں رہے۔ پھر
 ۱۲ ربیع الثانی کو آپ رحمۃ اللہ علیہ واصلِ بہ حق ہو گئے۔
 وہ دن جب اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور عنوث
 الاعظم رحمۃ اللہ علیہ خود آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اس جہان
 فانی سے لینے تشریف لائے تھے۔

اے اُمّتِ محمدی! جب آپ کے روابط ایسی
 حسین ہستیوں سے قائم ہو جاتے ہیں، تو پھر ان کی زندگیاں
 آپ سب کے لئے ایک سبق ہونی چاہئیں۔ یہ روشنی کے

وہ مینار ہیں جو زندگی بھر آپ کے ساتھ رہیں گے بس اپنی
 کشتیاں روشنی کے انہی میناروں کی رہنمائی میں چلائیں۔
 بس ان کی اتباع کریں، اور آپ اپنی حقیقی منزل تک
 پہنچ جائیں گے۔ یعنی ابدی راحت اور سکون والی جگہ پر۔
 میری دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے محبوب
 صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقین کی محبت اور نگاہِ کرم
 ہمیشہ آپ کے سروں پر سایہ فگن رہیں۔

آمین !



۹۔ اپریل ۲۰۱۰ء

باب (۱۰۹)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو بہت محبت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ وہ واحد جو سب کچھ جانتا ہے، جو دلوں میں پوشیدہ ہے۔ وہ سب کچھ جسے انسان دوسروں پر ظاہر کرتا ہے، اور وہ سب جسے وہ چھپاتا ہے، ان ساری نیتوں کو جانتا ہے جو کبھی کبھی اس سے چھپ نہیں سکتیں۔

درود و سلام اللہ کے محبوب پر، ان پر جو اس حساس دل کے مالک ہیں جو ہر ایک کے لئے کشادہ ہے اور جو اپنی اُمت کے لئے دھڑکتا ہے۔

سلام، رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے، اور آپ کے گھرانوں کے لئے، سلامتی ہو ان سب کے لئے جن کے دل ان کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نرم ہیں اور جو ایسے دلوں کے معاملات پر بات کرنا پسند

کرتے ہیں۔

یہ کتنا خوبصورت دن ہے، ایک بابرکت دن اللہ کے محبوب ولی، حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ، سلسلہ چشتیہ کے المنزل موتی و جواہرات کا دن۔ یہ انہیں یاد کرنے اور حشر منانے کا دن ہے۔ کیوں کہ یہ وہ دن تھا جب ایک محبوب اپنے محبوب سے ملے تھے اور اب وہ اسی محبوب کے ساتھ ابد تک رہیں گے۔

یہ ہے طریقہ اللہ کا اپنے لوگوں، اپنے عاشقین کو نوازنے کا، بہترین محبت اور بہترین انعامات سے۔ اللہ کے اولیاء، اللہ کے ہیرے جواہرات ہیں، جن سے یہ دنیا منور ہے۔ جو نور ان سے پھوٹتا ہے اس سے دنیا روشن ہوتی ہے۔ اور رہنے کے لئے ایک بہتر جگہ بن جاتی ہے۔

اللہ کے اولیاء خاص قسم کی ہستیاں ہیں، جو اس پرشور اور طوفانی دنیا میں جہازی سنگر کا کام کرتی ہیں۔ یہ مرد و خواتین جو ولی یا ولیہ کہلاتے ہیں۔ یہ اپنے محبوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست نمائندے ہیں۔ یہ مختلف ذرائع سے علم حاصل کرتے ہیں، لیکن

ان کا اصل معلم (استاد) اللہ ہی ہے۔ جس کی معرفت ان میں بڑی کم عمری سے ہی موجود ہے۔
یہ دنیا کی ضرورت کے مطابق بھیجے جاتے ہیں جب لوگ اللہ کی تعلیمات سے دُور ہو جاتے ہیں۔ جب وہ شیطان کے ہاتھوں میں اسیر ہوتے ہیں۔ جب اُن کو دُرس ت کرنا مقصود ہوتا ہے، تو پھر ایک ولی کو بھیجا جاتا ہے۔

ماضی میں ولیوں کی تعداد زیادہ تھی، اور لوگ انبیاء اور اولیاء کے ذریعے روحانی دنیا سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ لیکن جیسے جیسے دنیا اپنے وقت کے خاتمے کی طرف بڑھ رہی ہے، اولیاء اللہ کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ اللہ نے ان کے بھیجنے کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اب وہ خود کو دنیا سے چھپاتے ہیں۔

فقط ان چند ہستیوں کو ظاہر کیا جاتا ہے جو اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بھی دنیا والوں کے ہاتھوں مشکلات اور سختیوں کا شکار ہیں۔ اس زمانے میں ولی ہونا آسان نہیں رہا۔ مگر اب جب

کہ وقت اپنے خاتمے کے قریب ہے، یہ اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔

اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ لوگ اسلامی تعلیمات سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ اور علم کی اسی کمی کے باعث شیطانوں کی ایک بڑی تعداد نے اس سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ جعلی لوگ پیروں اور ولیوں کا لبادہ اوڑھ کر کئی لوگوں کی سادگی سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

وہ اپنی نام نہاد رو حانیت اور کرامات کے بارے میں جھوٹی باتیں اس طرح پھیلاتے ہیں جیسے کہ تمام مسائل کا حل انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ ظاہری بات ہے کہ یہ لوگ شیطان کے چیلے ہیں، اور یہ شیطان ہی ہے جو ان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ اگر ان کے پاس کوئی طاقت بھی ہے، تو ظاہر ہے وہ طاقت بھی تو شیطان ہی کی ہے۔ اور انہی شیطانی عملیات کے باعث وہ لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔

یہ لوگ ایک انسان کی جان کے لئے نہایت خطرناک ہیں، لیکن یہ شرسب سے زیادہ خطرناک،

انسان کے ایمان کے لئے ہے۔ کیوں کہ اگر یہ قیمتی اثاثہ
 برباد ہو جائے، تو پھر سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے۔ آپ
 نے دیکھا ہوگا کہ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ان لوگوں کے
 پاس تمام بیماریوں اور مسائل کا علاج اور حل موجود ہے۔
 پھر جب کوئی معصوم آدمی ان کے جال میں پھنس
 جاتا ہے، تو وہ اُس سے سیٹھے انداز سے بات کرتے ہیں۔
 اور یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس سے کتنے پیسے
 کمائے جاسکتے ہیں۔ پھر ہو سکتا ہے کہ وہ اُسے اس شخص
 کے بارے میں بتاتے ہیں جس کو ابھی اس نے ظاہر نہ کیا
 ہو۔ مثلاً وہ جعلی پیرا سے یہ بھی بتا سکتا ہے کہ جب
 وہ اس (پیر) کی طرف آ رہا تھا، تو وہ فلاں دکان پر
 رُک گیا تھا۔

یا اُسے یہ بھی بتا سکتا ہے کہ کل آپ کے اتنے پیسے
 گم ہو گئے تھے۔ لیکن آپ کی وہ رقم دراصل آپ کی فلاں
 نیلی قمیض کی جیب میں پڑی ہے۔ اس طرح وہ اس
 شخص کا اعتماد حاصل کر لیتے ہیں، جو اُسے ولی سمجھنا شروع
 کر دیتا ہے۔

ایک بار جب یہ اعتماد قائم ہو جاتا ہے، تو یہ

معصوم آدمی اپنے ہر مسئلے کے لئے اس کے پاس آنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر یہ جعلی ولی اس کے سینے میں بے یقینی کا زہر گھولنے لگتا ہے۔ اور اسے باور کراتا ہے کہ ہر چیز اس کی مرضی سے ہوتی ہے۔ یعنی اگر پیر راضی تو قسمت آپ کا ساتھ دے گی، اور اگر پیر راضی نہیں تو سارے کام بگڑ جائیں گے۔

تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ شخص اس پیر کے لئے کتنی محنت سے کام کرے گا۔ وہ نذرانہ پیش کرے گا، یعنی جتنی رقم پیر طلب کرے گا وہ اسے دے دے گا۔ اور وہ پیر کے کہنے پر کوئی بھی غیر شرعی کام کرے گا۔ ایسے لوگ اپنی بیماری کے علاج کے لئے درکار انسانی خون کے حصول کے لئے کسی بچے یا کسی معصوم انسان کو قتل کرنے کا انتہائی اقدام سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

اگر وہ جعلی پیر اس شخص کے گھرانے کے معصوم اراکین کو قابو کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، تو اس کے گھرانے کے معصوم اراکین بھی اس شیطان کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ اس طرح آخر کار پورا گھرانہ اپنا سب کچھ لٹا دیتا ہے۔ جان، مال، عزت اور ایمان سب کچھ۔

ایسے اکثر جعلی پیروں کے پاس شیطان فی جن ہوتے ہیں جو نظر نہ آنے والی چیزوں کی خبر دیتے ہیں، جسے اس جعلی پیر کی کرامت قرار دیا جاتا ہے۔ یہ جعلی پیر، کالا جادو اور دوسرے کئی عملیات بھی جانتے ہیں۔ جن کے ذریعے وہ انسانیت کے خلاف کام کرتے ہیں۔ ان ذرائع سے وہ کبھی کبھار چھوٹے موٹے مسائل حل بھی کرتے ہیں۔ لیکن ایسا کرنے کے دوران وہ معصوم لوگوں کو بڑے مسائل سے دوچار کرتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہوں، لیکن درحقیقت وہ شیطان کے چیلے ہیں۔ اور ان کی پیری بس دھوکہ اور فریب ہے۔ جیسے جیسے زمان (وقت) کا خاتمہ قریب آ رہا ہے، ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ کیوں کہ یہ وہ وقت ہے جب شیطان انتہائی مصروف ہے بھوٹ اور مکاری کے اپنے جال کو پھیلانے کے کام میں۔

جب دنیا والے ان جعلی پیروں کے ایسے دل دہلانے والے واقعات کو سنتے ہیں، تو وہ ہر ایک پر اعتماد کرنا چھوڑ دیتے ہیں، وہ یہ کہہ کر اسلام کے ہر

قسم کے تبلیغی کاموں سے دُور بھاگنا شروع کرتے ہیں،
کہ، ”کون جانے کون صحیح اور کون غلط ہے۔“

اس طرح شیطان نہ صرف معصوم گھرانوں کو پھانس
لیتا ہے، بلکہ لوگوں کے دلوں میں بداعتمادی پیدا کرتا
ہے۔ اللہ والے لوگ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ کچھ ظاہر
اور کچھ پوشیدہ۔ کچھ تبلیغ میں اور کچھ اللہ کے دیگر کاموں میں،
وہ اپنے اللہ کے کاموں میں مسلسل مصروف رہتے ہیں۔

توجیب ہم ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جنہیں اللہ اپنا
ملازم (یا کارندہ) کہتا ہے، تو ہمیں وہ کئی مختلف اقسام
کے لوگ نظر آتے ہیں۔ وہ عالم ہو سکتے ہیں، وہ مجاہد
ہو سکتے ہیں، حق کی دعوت دینے والے لوگ ہو سکتے ہیں۔
وہ روحانی کارندے، روحانی معالج وغیرہ ہو سکتے ہیں۔
حتیٰ کہ وہ عام لوگ بھی ہیں جو قرآن و سنت کے مطابق
زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور اپنی وہ ذمہ داریاں بھی پوری
کر رہے ہیں جو اللہ نے ان کے سپرد کی ہیں۔

یہ لوگ بھی اللہ کے کارندے کے رُتبے ہیں، کیونکہ
یہ لوگ بھی دُنیا کو اللہ کے نائبین کی حیثیت سے چلا
رہے ہیں۔ لیکن پھر سوال یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کی شناخت

کس طرح کریں گے؟ اُن لوگوں کی جو لوگ اللہ کے عاشق
 ہیں، اُس کے دوست ہیں اور اُس کے ولی ہیں۔
 یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ نے فرمایا ہے،
 کہ: ”اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم“
 یہ وہ لوگ ہیں جن کو اپنے اللہ پر مکمل بھروسہ ہے۔
 چاہے کتنا ہی مشکل وقت ہو، اور مایوس کن حالات
 ہوں، اللہ کے اولیاء کو کوئی خوف یا کوئی غم نہیں ہوتا۔
 جب اللہ انہیں نعمتیں عطا کرتا ہے، تو ان کی
 زبانیں شکر کہتے ہوئے نہیں تھکتیں۔ اور اگر ان مصیبتیں
 آتی ہیں تو ان کے صبر کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اس دنیا
 میں رہنے کی کلید (چابی) صبر اور شکر ہیں۔ یہ وہ چابیاں
 ہیں جن سے انسان کی ہر مشکل کا نالا کھلتا ہے۔
 ولی کے پاس ایک کرشمہ، ایک شعاع ہے جو ان
 کے جسم سے پھوٹتی ہے۔ یہ شعاع اطمینان اور سکینیت کا
 ایک احساس دوسرے انسانوں کو دیتی ہے۔ ایسا
 واقعی ہوتا ہے۔ کیوں کہ اللہ نے تمام اولیاء کو نور کا ایک
 تحفہ دیا ہوا ہے۔ جو ان کے جسموں سے نکل کر پھیلتا ہے۔
 اب جیسے جیسے ولی زیادہ عبادتیں اور ریاضتیں کرتا ہے۔

اور اللہ اپنے کرم سے اُسے زیادہ نوازتا ہے۔ تو اُس نُور میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

یہ نُور اس قدر زیادہ ہو جاتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس نُور کو اُن کے چہرے کے گرد دیکھ سکتے ہیں۔ دوسری چیز جو ولی کو زیادہ خوبصورت بناتی ہے، وہ ہے اُن کا اخلاق۔ بات کرتے ہوئے اُن کی شخصیت مسرور کن ہے۔ وہ ان لوگوں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں، جو اُن کے ارد گرد ہوتے ہیں۔ وہ ہر ایک کا خیال کرتے ہیں۔ سب سے پیار کرتے ہیں۔ اور دلوں کی رکھوالی کرنا جانتے ہیں۔

وہ اپنا کام کرنا جانتے ہیں اور اُسے بڑے ذوق و شوق سے کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے کارندے ہیں اور خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہیں اپنا کام کس طرح کرنا ہے۔ اللہ کے ولی کی آنکھوں میں ہر وقت ایک چمک موجود رہتی ہے۔ وہ چمک جو، اُنے دیکھی دنیا کا حال بتاتی ہے۔

جب آپ اللہ کی محبت پانے لگتے ہیں، تو یہ چمک آنکھوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ چمک جو ایک

ولی کو براہِ راست عطا کی جاتی ہے۔ ایک چیز جو یہ بتاتی ہے کہ حقیقی ولی کون ہے؟ وہ ہے علم و بصیرت جو انہیں یا تو ان کے مُرشد سے، ان کی کتابوں سے، یا براہِ راست ان کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا اللہ سے عطا ہوتی ہے۔ ان کے تمام گفتار و اعمال، قرآن و سنت کے دائرہ میں ہوتے ہیں۔ اور وہ ان قواعد کو کسی کے لئے بھی نہیں چھوڑتے۔

حقیقی ولی کو تلاش کرنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ بس اپنا دل کشادہ کریں اور اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور اس نور کو تلاش کریں جو اللہ کے عاشقوں سے بغیر رُکے ہر وقت پھوٹی رہتی ہے۔ بالکل اُس نور کی طرح جو اللہ کے حسین محبوب، حضرت نظام الدین اولیاء، رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ اقدس سے ہر وقت پھوٹی تھی۔ اور بلاشبہ بڑی مقدار میں پھوٹی تھی۔

اللہ کے اولیاء کو کم عمری میں ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ عام لوگوں سے مختلف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا بچپن دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن نہایت خاص قسم کا بچپن تھا۔

آپ بڑی کم عمری میں یتیم ہو گئے اور آپ کی پرورش
 بی بی زلیخہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی جو خود بھی اللہ کی ایک حسین
 عاشق تھیں، جو اپنے وقت کی رابعہ بصری تھیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے والد
 گرامی حضرت سیدارول رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان
 ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ والد محترم کے
 وصال کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا
 چھوٹا سا گھرانہ، ان کی والدہ، ان کی چھوٹی بہن اور ایک
 خادمہ پر مشتمل تھا۔ ان سب کی کفالت حضرت نظام الدین
 اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ گرامی کو کرنی تھی جنہیں تھوڑی
 سی آمدنی کے لئے دن رات کام کرنا پڑتا تھا۔

یہ آمدنی اتنی قلیل تھی کہ اتنی محنت کرنے کے
 باوجود کبھی کبھی خاندان کے پاس کئی دنوں تک کھانے
 پینے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ جس دن گھر میں فاقہ ہونا
 تو حضرت نظام الدین اولیاء کی والدہ فرمائیں: ”بچہ نظام
 آج ہم سب اللہ کے ہمان ہیں۔“

جب آپ کی عمر شریف چھ سال کی ہوئی تو آپ
 کو مولانا سعیدی مقری جو ایک صاحب کرامت بزرگ

تھے۔ جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اگر کسی کو ایک سُوْرہ ہی پڑھاتے تو اس شخص کو ان کے روحانی فیض کے باعث پورا قرآن حفظ ہو جاتا تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے نوَ کو دس برس کی عمر میں حفظ کر کے جذب کر لیا اس کے بعد آپ مولانا علاؤ الدین اسودی کے پاس گئے ، جنہوں نے آپ کو کچھ اسلامی کتابوں کی تعلیم دی انہوں نے آپ کی دستار بندی کسی بزرگوں کی موجودگی میں اس وقت کی، جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے امام قدوری کی فقہ پر لکھی ایک ضخیم کتاب ختم کی۔

اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھرانے کے ہمراہ مزید علوم کے حصول کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ سید الاولیاء میں لکھا ہے کہ اس مختصر سے قافلے کے ساتھ ایک بزرگ مولانا عوض بھی شریک سفر تھے۔ یہ پورے سفر کے دوران اچھے بھلے تھے، مگر وہ جب ایک جنگل میں داخل ہوئے تو مولانا صاحب درندوں اور ڈاکوؤں کے ممکنہ حملوں سے خوفزدہ

ہو گئے۔

پوری رات کے دوران وہ ایک ہلکی سی آہٹ پر بھی پکار اٹھتے کہ ”اے پیر تشریف لائے“ صبح ہونے پر جب قافلہ نے اپنا سفر دوبارہ شروع کیا تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سے پوچھا کہ ”اے مولانا! وہ پیر کون ہیں جن کو آپ پکارتے تھے؟“ مولانا نے جواب دیا کہ ”شیخ فرید الدین گنج شکر، یہ اپنی کمی برکت ہے کہ ہم محفوظ ہیں“

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی بھی اس واقعہ کا تذکرہ کرتے تو ہمیشہ فرماتے کہ: ”اگرچہ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا تھا مگر اس نام نے میرے دل پر بڑا گہرا اثر ڈالا“

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں دو سال تک حضرت شمس الدین خاور زمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت صحبت میں رہے، اور کئی علوم ان سے سیکھے۔ آپ کی دو سالہ شاندار کارکردگی نے آپ کے استاد کا دل جیت لیا۔ ایسا لگتا تھا کہ علم حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے ایک دریا کی طرح بہہ نکلتا

تھا۔

اس کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو لقب ملا۔
”مولانا نظام بحث شکن“ اور ”محفل شکن“ بھی۔ آپ
رحمۃ اللہ علیہ نے علم کئی مردانِ جلیل سے حاصل کیا لیکن
آپ کے دل کو خاموشی سے ایک دروہچھولیتا جب کبھی
بھی آپ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کرتے تھے۔

ان تمام سالوں کے دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ نے
بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مختلف لوگوں
سے سنا۔ ایک دن کسی نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔
”جب میں اجودھن گیا، تو ایسا لگا جیسے اجودھن کے
درو دیوار سے ٹور پھوٹ رہا ہے۔ ایسے لگا جیسے بابا صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت پورے ہندوستان پر چھا گئی
ہے۔“

جب کبھی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ
علیہ بابا صاحب کا نام سنتے تو ایسا لگتا کہ جیسے کسی غیبی
قوت نے آپ کے دل و دماغ کو اپنے قبضے میں لے رکھا
ہو۔ بدقسمتی سے ان دنوں آپ کی والدہ بہت علیل ہو
گئیں اور ان کا وصال ہو گیا۔

والدہ کی المناک رحلت اور بابا صاحب رحمۃ اللہ
 علیہ کی محبت نے حضرت نظام اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے
 اضطراب نے وحشت کی صورت اختیار کی۔ اور ایک
 دن بے قراری اتنی بڑھی کہ آپ رحمۃ اللہ اپنے استاد کی
 اجازت سے اجودھن کے لئے روانہ ہوئے۔

جس وقت آپ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں
 پہنچے تو اس محفل کا عارفانہ رنگ دیکھ کر آپ گنگ ہو گئے۔ اور
 جس وقت بابا صاحب نے آپ کو خانقاہ کی دہلیز پر دیکھا تو
 آپ کی زبان پر یہ شعر آئے۔

اے آتشِ فراقت دل یا کباب کر دو
 سیلابِ اشتیاق ہوں یا شراب کر دو
 ”تیرے فراق کی آگ نے دلوں کو کباب کر ڈالا اور
 تیرے شوق کے سیلاب نے جانوں کو برباد کر دیا۔“

اگرچہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ”محفلِ تسکن“
 کے نام سے مشہور تھے۔ جس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ ”محفلِ تسکن“
 کے نام سے مشہور تھے، لیکن اس دن الفاظ ان کا ساتھ نہیں
 دے رہے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ باطنی

اپنے شیخ سے حاصل کیا، اور یہ علم آپ کو نہ صرف کتابوں سے
سکھایا گیا بلکہ مجاہدات کے ذریعے بھی، جن سے آپ کو
ابدی سبق عطا ہوئے۔

ایک بار جب بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، آپ
رحمۃ اللہ علیہ کو اور دوسرے طلباء کو حضرت شہاب
الدین سہروردی کی کتاب "عوارف المعروف" سے
ایک درس دے رہے تھے، تو اس وقت قدرے
تذبذب میں مبتلا ہو گئے۔ جب آپ نے ایک
سطر پڑھی اور وہ کتاب میں واضح نہ تھی۔ حضرت
نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنی سادگی اور کم عمری کی
وجہ سے خاموش نہ رہ سکے اور فوراً کہہ اٹھے "میں
نے شیخ نجیب الدین توکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا
ہے جو صحیح ہے۔"

اس پر بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیا فقیر
میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ غلط نسخے کو صحیح کر سکے؟ یہ
کہہ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انہی الفاظ کو مزید تین بار
پڑھا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی الفاظ پڑھے تو
کلاس میں مکمل خاموشی چھا گئی۔

شروع میں تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھ نہ سکے کہ کیا کہا جا رہا ہے، لیکن جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ احساس ہوا کہ آپ کا مرشد آپ سے ہی مخاطب ہیں، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بہت پریشان ہو گئے اور اپنا عمامہ اپنے سر سے اتار کے اپنا سر اپنے مرشد کے آگے جھکایا اور روتے ہوئے عرض کیا کہ: "معاذ اللہ! میرا یہ مقصد نہیں تھا،" لیکن بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے اور کمرے سے باہر تشریف لے گئے۔

دوسرے روز حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ تے روتے ہوئے ایک مرتبہ پھر معافی مانگی، لیکن اب بھی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہی رہے۔ یہ آپ کی زندگی کا سخت ترین دور تھا۔ اگر آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک دنیا دار آدمی ہوتے تو آپ کی انایہ کہتی کہ میں نے ایسا کیا کہا کہ میرے مرشد اتنے ناراض ہیں، لیکن آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ طریقت میں ایک ادنیٰ لفظ کہنے کی بھی اجازت نہیں۔ طریقت میں ادب پہلا

زمینہ ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے

مرشد سے محبت اور ادب کے باعث یہ گوارا نہ تھا کہ آپ کے مرشد آپ سے خفا ہوں۔ اسی وحشت کے عالم میں آپ رحمۃ اللہ علیہ جنگل کی طرف نکل گئے اور کئی دنوں تک روتے رہے اور اللہ سے معافی مانگتے رہے۔ یہ درحقیقت حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے عشق کا امتحان تھا کہ آیا دہلی کے محفل شکن کے پاس "انا" ہے یا نیاز مندی۔ کافی دنوں کے بعد جب بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے شیخ شہاب الدین نے ان کو اس حال میں پایا تو وہ اپنے والد گرامی کے پاس گئے اور حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے معافی طلب کی۔ اس پر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "اے شہاب الدین! میں بھی اس کی جڑائی میں مضطرب ہوں۔"

پس جس وقت حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ میں داخل ہوئے تو آپ اپنے مرشد کے قدموں میں گر پڑے اور اتنا روئے کہ وہاں پر موجود ہر ایک کی آنکھیں بھی اشکبار ہو گئیں۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ: "ایک بار آگے آگئے، تو"

اب جہاں رہو گے ہمارے ہی رہو گے۔“
 اس عجز اور عشق نے پہلے تو نظام الدین اولیاء
 رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد کا محبوب بنا لیا، اور بعد میں
 آپ رحمۃ اللہ علیہ ”محبوب الہی“ بن گئے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جب
 اپنی تعلیم مکمل کی تو آپ کو سلسلہ چشتیہ کی خلافت تفویض
 کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
 نے اونچی آواز میں فرمایا کہ :

”ہم نے خلافت کے ساتھ نظام الدین
 کو ہندوستان کی ولایت بھی دے
 دی۔“

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ اجودھن سے دہلی
 کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن درحقیقت آپ نے غنیاث
 پور کو اپنا خاص مسکن بنایا۔ کیوں کہ یہ نسبتاً ایک خاموش
 جگہ تھی اور اس کی آبادی بھی کم تھی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی دن پھر فاقہ کشی اور
 مشکلات میں گزرے۔ لیکن اب آپ اکیلے نہیں تھے۔
 آپ کے احباب اور آپ کے مرید آپ کے ساتھ تھے۔

یہ وہ وقت تھا جب عیاش الدین بلبن دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اور ایک طویل خونریزی کے بعد سلطان خلجی نے ہندوستان کی عنان سنبھال لی تھی اس نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیض کی شہرت کے بارے میں سن رکھا تھا۔ اس لئے اس نے کئی بار آپ رحمۃ اللہ علیہ کو نذرانہ یا جاگیر دینے کی پیشکش کی۔ لیکن حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ انکار کیا، اور وہ سب کچھ لوٹا دیا جو ان کے پاس بھیجا گیا تھا۔

آپ اپنے وقت کے سلطانوں سے دُور رہے۔ آپ بھلا ان کی عطاؤں کو کیوں قبول کرتے، جب کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو، خود ”شاہِ ہند“ کا خطاب ملا ہوا تھا۔

ایک دن حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عقیدت مند عورت نے ایک کلو آٹا نذر کے طور پر پیش کیا۔ جس کو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں نے ایک مٹی کے برتن میں ڈال، جو سب کے لئے پک رہا تھا۔ اس دوران سے

اچانک ایک درویش آن پہنچا اور اونچی آواز میں
کھانے کا تقاضہ کرنا شروع کیا۔

اُس نے تقاضہ کیا کہ وہ کھانا صرف حضرت
نظام الدین اولیاء کے ہاتھوں سے کھائیں گے حضرت
صاحب کے مریدوں کو درویش کا یہ پُرشور تقاضہ پسند
نہ آیا۔ لیکن تاہم حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ
نے لمحہ بھر بھی پس و پیش نہ کیا، اور گرم برتن اٹھا کر درویش
کے آگے رکھ دیا۔ درویش نے اپنے ہاتھ اُبلتے ہوئے
برتن میں ڈالے اور ایک یا دو نوالے اُس میں سے کھائے
اور پھر سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُس نے
اُس گرم برتن کو زمین پر دے مارا اور کہا:

”شیخ نظام الدین! تمہیں بابا فرید

گنج شکر نے نعمتِ باطنی بخشی اور میں

نے تمہاری فاقہ کشی کی دیگ کو توڑ دیا!

اُس کے بعد درویش وہیں چلا گیا جہاں سے آیا

تھا۔ یہ اللہ کی امدادِ غیبی تھی۔ اس واقعہ کے صرف

ایک ہفتہ بعد ہر طرف سے نذرانے آنا شروع

ہوئے، جنہیں فوراً ہی غزبار میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ان

سب کے باوجود حضرت نظام الدین اولیا، رحمۃ اللہ علیہ جو کی ایک روٹی پانی سے ترک کر کے کھاتے، اور گزارا کرتے تھے۔

جب ہم حضرت نظام الدین اولیا، رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بات کرتے ہیں، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اُن کے ترک، اُن کے خسرو، اُن کے سب سے زیادہ خوبصورت مرید کو بھلا سکتے ہیں۔ جن کا دل مکمل طور سے اپنے مُرشد کے دل سے جڑا ہوا تھا، جن کے بارے میں محبوب الہی نے فرمایا تھا:

”اگر قیامت میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ نظام الدین! تم دُنیا سے کیا لے کر آئے ہو۔ تو میں عرض کروں گا کہ ترک کے سینے کا سوز لایا ہوں۔“

اگرچہ کسی کو بھی حضرت نظام الدین اولیا، رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے میں جانے کی اجازت نہ تھی، مگر حضرت امیر خسرو پھر بھی داخل ہوتے تھے۔ اسی طرح کبھی کبھار اگر حضرت نظام الدین اولیا، کو گفتگو کرتے کرتے اُونگھ آجاتی، تو حضرت امیر خسرو بھی اپنا سر

اپنے مُرشد کے قدموں میں رکھ کر سو جاتے تھے۔
یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے ایک شعر
میں کہا ہے کہ :
”غریب خسرو اس جسرت میں کئی راتوں
سے جاگ رہا ہے کہ حضور کے تلووں پر اپنی
آنکھیں رکھ کر سوئے“

اور شاید اسی آرزو کی تکمیل میں اللہ نے انہیں
ابدی آرام کے لئے بھی ان کے مُرشد کے قدموں میں جگہ
عطا فرمائی، یعنی ان کے پیارے محبوب الہی کے قدموں
میں جگہ عطا فرمائی، یعنی ان کے پیارے محبوب الہی
کے قدموں میں، جو اللہ کا محبوب ہے، وہ اس دنیا میں
بھلا کس طرح کمتر ہو سکتا ہے۔

حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا میں
اپنے اخلاق کے ذریعے حکومت کی اور اس روحانیت
کے ذریعے جو اللہ نے اتنی فیاضی سے ان کو عطا کی تھی۔
اللہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کو ایک اور فضیلت
بھی بخشی۔ یعنی اُس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم
کے سلسلہ کو اس بابرکت جگہ سے شروع کیا۔

بلاشبہ اللہ کے محبوب کا دربار ایک نہایت بلند
 مقام ہے۔ وہ جگہ جسے اللہ نے بہت خاص مقام
 عطا کیا ہے، وہ جگہ جو کئی خوبصورت واقعات کا مشاہدہ
 کرے گی، نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
 نسبت سے، بلکہ زماں (یعنی وقت) کے خاتمہ کی
 نسبت سے بھی۔

اے اُمّتِ محمدی! اُس محبت سے سبق حاصل
 کریں جو حضرت نظام الدین اولیا، رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ
 سے تھی، اور اُن سب کی محبت سے بھی جن کی نسبت
 اللہ سے ہے۔ اُس محبت سے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو
 اللہ کی ہر ایک مخلوق سے تھی۔ اُس محبت سے جو آپ
 رحمۃ اللہ علیہ کو ہر ایک کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کے پاس لے
 جاتی تھی۔

یہ محبت اور ادب کا ایک سبق ہے، اور یہ سبق
 آنے والے سارے زمانوں کے لئے ہے۔ میری دُعا
 ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک ایسا دل عطا کرے جو ایسی
 محبت اور ادب کے لائق ہو۔

آمین!

۱۶۔ اپریل ۲۰۱۰ء

باب (۱۱۰)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو تمام دوستوں کا دوست ہے اور تمام دشمنوں کا دشمن ہے جو اس کائنات کی جملہ خوبصورت چیزوں کا خالق ہے اور ان تمام چیزوں کا بھی خالق ہے جو انہی حسین نہیں ہیں۔

درود و سلام ان پر جو ہر وقت اپنے رب کی تسبیح کر رہے ہیں، اور ان کا یہ عمل ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رکتا۔ درود و سلام ان پر جن کے لئے ان کا رب ہر وقت درود بھیجتا ہے۔ اور درود بھیجنے کا یہ عمل ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رکتا۔

سلام، برکتیں و رحمتیں ہوں آپ سب کے لئے، آپ کے پیاروں کے لئے جو روشنی اور تاریکی کے فرق کو سمجھتے ہیں، اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں۔ چاہے وہ شر ظاہر ہو یا پوشیدہ۔

کیا آپ اسلام کی اصل روح کو بیان کر سکتے ہیں؟
 کیا آپ اس کی تمام تعلیمات کو ایک لفظ میں سمیٹ کر
 بیان کر سکتے ہیں؟ کیا وہ سچائی یا ایمانداری ہیں؟ آپ کو
 معلوم ہونا چاہیے کہ وہ حقیقی لفظ، وہ لفظ جو اسلام کی تمام
 تعلیمات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے وہ بلاشبہ "عشق"
 ہے۔ اگر آپ سمجھنا چاہتے ہیں کہ آپ کا مذہب حقیقت
 میں کیا کہتا ہے تو پھر آپ کو عشق کے معنی سمجھنے ہوں گے۔
 عشق پوری کائنات کی بنیاد ہے۔ یہ وہ قوت
 ہے جس نے فطرت کے تمام عناصر کو کوششِ ثقل کی طرح
 اکٹھے کئے رکھا ہے۔ ذرا سوچیے تو اگر قوتِ کشش ختم ہو
 جائے تو کیا ہوگا؟ ہر چیز بکھر جائے گی، تمام چیزیں ٹوٹ
 پھوٹ جائیں گی۔ کیوں کہ ان کو آپس میں اکٹھا رکھنے والی
 قوت کششِ ثقل ہے۔

بالکل یہی سب ہوگا، اگر عشق آپ سے یا اس
 دنیا سے نکل جائے یا ختم ہو جائے۔ ہر چیز ٹوٹ پھوٹ
 کر پھرجائے گی اور ایک انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اگر
 عشق اس قدر طاقت ور ہے تو لوگ اس حقیقت سے
 آگاہ کیوں نہیں ہیں؟ وہ اپنے ارد گرد موجود عشق کو نہ

چھیڑنے میں محتاط کیوں نہیں ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ عشق انہیں دکھائی نہیں دیتا، اور جو کچھ عشق میں وہ اپنے ارد گرد محسوس کرتے ہیں، وہ اُسے طے شدہ امر سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ ان کا حق ہے اور اللہ سے ان کے لئے ہمیشہ برقرار رکھے گا۔

آئیے پہلے عشق کی تشریح کرتے ہیں، اس کے معنی کو سمجھتے ہیں۔ عشق وہ قوت ہے جو آپ کی نگاہ کو آپ کی ذات سے ہٹاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں آپ کو یہ کسی اور کی موجودگی کا احساس دلاتا ہے۔ جو آپ کو اپنی ہستی کو جلانے پر اکساتا ہے، تاکہ آپ اس دوسری ہستی کو تلاش کر سکیں۔

عشق ایک دو طرفہ معاملہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ عشق یک طرفہ ہو جائے اور دوسری جانب اس عشق کی موجودگی کا ادراک ہی نہ ہو۔ سچا عشق ہمیشہ محسوس ہوتا ہے۔ اور اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چاہے عاشق لفظوں میں اس کا اظہار نہ کرے، لیکن تاہم اس کا پیغام ہمیشہ دوسری جانب پہنچ جاتا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ عشق مستقل ہو جائے تو دوسری جانب سے بھی اسی

رو عمل کا اظہار ہونا چاہیے۔

مثال کے طور پر جب کوئی بچہ پہلی بار اس دنیا میں آتا ہے تو شروع کے چند گھنٹوں کے دوران اسے صرف اپنے وجود کا احساس ہوتا ہے۔ اسے سرور محسوس ہو گی، اسے بھوک محسوس ہوگی اور وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتا ہے۔

اس دنیا میں اسے اپنے وجود کا پہلا احساس تکلیف سے ہوتا ہے، جس کا اظہار وہ رو کر کرتا ہے۔ لیکن کچھ دیر بعد اسے کپڑوں میں لپیٹ کر اس کی ماں کے حوالے کیا جاتا ہے، جو اسے اپنی بانہوں میں لے کر سہلاتی ہے۔ وہ آہستگی سے اسے چومتی ہے اور پھر اسے دودھ پلاتی ہے۔ اس کی ماں کے اس پورے عمل سے عشق و محبت کے شدید جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ جن کو یہ بچہ فوراً ہی جان لیتا ہے۔ اور پھر جس سے اسے قرار ملتا ہے۔

تو اس طرح اپنی ماں کی طرف کا رو عمل بھی ایک طرح کا اظہار عشق ہے۔ جس میں یہ پیغام پوشیدہ ہے کہ جس انداز میں آپ میرا خیال کر رہی ہیں مجھے وہ پسند ہے۔ آپ کو مجھ سے پیار ہے اور مجھے بھی آپ سے محبت

ہے۔

تو آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ماں اور بچے کے درمیان کا جو عشق ہے وہ بھی دو طرفہ ہے۔ اور اگر کسی بھی وقت ایک طرف سے اس عشق میں کمی آجائے یا وہ اس کی پرواہ نہ کرے، تو پھر دھیرے دھیرے عشق کم ہونا شروع ہوتا ہے اور پھر دونوں کے درمیان کا رشتہ عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔

بدقسمتی سے بالغوں کی تین چوتھائی (۳/۴) کے مسائل اور الجھنوں کی جڑیں ان کے بچپن میں پیوستہ ہیں۔ اگر والدین اپنے بچوں سے ان کے بچپن میں محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں تو ایسے بچے جب بڑے ہو جاتے ہیں تو وہ جذباتی طور پر اچھی طرح متوازن اور خوش رہنے والے بالغ بن جاتے ہیں۔ ان میں زندگی کے ناموافق حالات سے نمٹنے کی ہر وقت قوت ہوتی ہے۔

لیکن اگر بچوں کے ساتھ والدین کا سلوک لاپرواہی اور بلا ضرورت سخت ہے اور وہ ان سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتے، تو یہ بچہ مسائل و مشکلات پیدا کرنے والے انسان بن جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے تمام رشتوں میں

مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ تو آپ دیکھ سکتے ہیں کہ عشق کسی بھی شخص کی زندگی پر ایک دیر پا اثر ڈالتا ہے۔ کسی کو عشق کی طاقت کا علم نہیں ہے۔ اس عشق کا تعلق صرف انسانوں سے ہی نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ان سب سے ہے جن کی نسبت اللہ سے ہے۔ حتیٰ کہ وہ بھی عشق کی اس قوت سے واقف ہیں جن کا تعلق تاریکی سے ہے۔ تاریکی والے بھی عشق کرتے ہیں، اور یہ عشق بھی بہت مضبوط ہوتا ہے، لیکن یہ اس عشق سے بہت مختلف ہے جو اللہ کا عشق ہے۔ ابلیس اور اس کے پیلے بھی آپس میں عشق کرتے ہیں۔ اس عشق میں وہ خود ہی عاشق اور خود ہی معشوق ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ذات سے بڑی شدید اور گہری محبت کرتے ہیں اور ان کے اور ان کے عشق کے درمیان کوئی حائل نہیں ہو سکتا۔ ابلیس کی اللہ تعالیٰ سے نافرمانی کی وجہ یہ ہی تھی کہ بھلا وہ آدم علیہ السلام کو کیسے سجدہ کرتا، وہ کسی ایسے شخص کی فرمانبرداری کا حلف کیسے اٹھاتا جو اس کے خیال میں اس سے کمتر تھا اور جسے ایک ایسی چیز سے بنایا گیا تھا جو اس سے کمتر تھی۔ اس نے اپنی ذات سے

محبت کی اور اب تک کر رہا ہے۔ دنیا میں اس نے جو
 تباہی مچانی ہے اس کی وجہ یہ ہی ہے۔ وہ سچے عشق کو
 کس طرح برداشت کر سکتا ہے، وہ عشق جو اللہ اور اس
 کی مخلوقات کے درمیان ہے، وہ عشق جو انسانوں کے
 اپنے درمیان ہے، وہ عشق جو انسانوں اور اللہ کی تخلیقات کے درمیان
 ہے۔ ابلیس کا عشق فقط اس کی اپنی ذات تک محدود
 ہے، اس کی محبت کا محور خود اس کی اپنی ذات ہے اور
 اس میں کسی دوسرے کے لئے برداشت قطعاً نہیں ہے۔
 یہی وجہ ہے کہ اس نے بڑی کوشش کی اور اب بھی کر رہا
 ہے۔ تاکہ وہ دنیا میں سے سچے عشق کو مٹا سکے۔ وہ ایڑی
 چوٹی کا زور لگا رہا ہے کہ لوگ بس اپنی دھن میں مسرت
 اور صرف اپنی ذات پر توجہ مرکوز رکھیں۔

ایک سچا عشق ہمیشہ دو یا دو سے زیادہ کے درمیان
 ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کے خیالات صرف اس
 کے اپنے گرد گھومتے ہیں، تو وہ دوسروں کی فکر کرنا چھوڑ
 دے گا اور یہ آخر کار اُسے دوسروں کے دکھ درد سے
 غافل بنا دیتا ہے۔ اس کے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں
 جو اسے اس دنیا میں ادا کرنے ہوتے ہیں، وہ ان سب

کو بھی بھول بیٹھتا ہے۔ پھر اسے جو ایک ہی چیز یاد رہتی ہے وہ ہے اس کا اپنا سکون و چین اور آرام۔ اگر آپ دوسروں کا خیال رکھیں گے تو دوسرے بھی آپ کا خیال رکھیں گے۔

کئی ایسے لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم چاہے کچھ بھی کریں یہ دنیا ہم سے یا ہمارے کام سے کبھی خوش نہیں رہتی۔ مجھے بدلہ میں کبھی وہ نہیں ملے گا، لوگ تو بس لینا جانتے ہیں دینا نہیں جانتے۔ لیکن اگر آپ کو ان سے کچھ نہیں ملتا جن کو آپ دے رہے ہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کے لئے گھاٹے کا سودا ہے۔ اگر بدلہ انسانوں سے نہیں ملتا تو پھر یہ یقیناً آپ کو اللہ کی طرف سے ملے گا۔

ایک ہمدردانہ عمل، محبت کا ایک لفظ، خیرات میں دیئے گئے سبب اللہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ اور یہ پلک جھپکنے سے پہلے ہی پہنچ جاتے ہیں۔ اور ان کا انعام آپ کے اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ اس انعام سے بہتر انعام اور کون دے سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کو نوازتا ہے وہ انعام نہ صرف پوری زندگی آپ کے لئے محفوظ رہے

گا۔ بلکہ آپ کو اس کا فیض اس دنیا میں بھی ملے گا۔ امن سکون اور خوشی و مسرت وہ خوبصورت نعمات ہیں جو آپ کو آپ کے اللہ سے ملیں گے۔

عشق وہ جذبہ ہے جو اس دنیا کو اکٹھا رکھے ہوئے ہے۔ پہاڑوں کو زمین میں اچھی طرح گاڑ دیا گیا ہے۔ وہ اپنے اللہ سے محبت کرتے ہیں اور یہ محبت انہیں تابعداری اور تسلیم بخشتی ہے۔ اوپر آسمان کو بغیر ستون یا سہاروں کے کھڑا کیا گیا ہے۔ یہ آسمان اپنے اللہ سے پیار کرتا ہے، اور یہ محبت اسے تابعداری اور تسلیم عطا کرتی ہے۔

مہاساگر اپنی حدود کے دائرہ میں رہتے ہیں۔ پانی کو معلوم ہے کہ کہاں چلنا ہے اور کہاں رکننا ہے۔ یہ سمندر اپنے اللہ سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت اسے اطاعت اور تسکین دیتی ہے۔

تو نظرت میں موجود تمام عناصر کو اپنے اللہ سے محبت ہے۔ اور وہ محبت ان کی تابعداری اور تسلیم میں عیاں ہے۔ ہر ایک بندہ اپنے اللہ کو جانتا ہے، وہ اپنے عشق کا اظہار تابعداری اور اطاعت سے کرتا ہے۔

ہر ایک، سوائے چند جنوں اور انسانوں کے جو اپنے
 تابعداری و تسلیم کسی اور کو پیش کرتے ہیں۔ اور بے شک
 یہ وہ لوگ ہیں جو ابدی خسارے میں ہیں۔
 عشق خوبصورت سبق سکھاتا ہے اور اس کے
 خوبصورت رنگ بھی ہیں۔ یہ رنگ جب کسی کے پاس
 پہنچتے ہیں اور اُسے چھو لیتے ہیں تو پھر اس کی پوری
 شخصیت کو بدل دیتے ہیں۔ امن و سکون کا نیلا رنگ دل
 کو حسین بناتا ہے۔ جب نیلا رنگ کسی کو تر بہتر کرتا ہے،
 تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل پر سکون اور تمام پریشانیاں
 تحلیل ہو گئی ہیں۔

عشق کے سفید رنگ کے معنی پاکی، اور وفاداری
 کے ہیں۔ تب وعدے سمجھی بھی توڑے نہیں جائیں گے۔
 اور زبان کی لاج رکھی جائے گی۔ خوبصورت ہلکا گلابی
 رنگ دوسری دنیا کے وعدوں کے ساتھ دل کے اندر اثر
 کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے اللہ کے
 ساتھ با وفا ہیں۔ یعنی آپ دنیا کی چوہے بلی کی دوڑ میں
 شامل نہیں، بلکہ آپ ایک ایسی زندگی بسر کر رہے ہیں
 جو سنجیدہ اور پرسکون ہے۔ ایک ایسی زندگی جس کا صرف

ایک ہی مقصد ہے، یعنی اپنے اللہ کو راضی کرنا۔ پھر ظاہر ہے کہ اس کے انعامات نہ فقط دل میں پیدا ہونے والی نیلگوں سکینت ہیں، بلکہ وہ نعمتیں بھی ہیں جو دوسری دنیا میں بھی آپ کی منتظر ہیں۔

اللہ کا عاشق ہمیشہ ایک خمار کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو کبھی ظاہراً پیتا ہے اور کبھی پوشیدہ۔ لیکن وہ ہمیشہ نشے کے عالم میں ہوتا ہے۔ یہ جامِ عشق سے پیتا ہے۔ پھر اس جام میں عشق کے مختلف رنگ ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر جام کا سرور مختلف اور الگ ہوتا ہے۔

جیسے کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس کو بیان فرماتے ہیں: "محبت کے ذریعہ وہ سب کچھ جو تلخ ہے وہ شیریں ہو جاتا ہے۔ محبت ہی کے ذریعہ وہ سب جو تانا ہے سونا بن جاتا ہے۔ محبت ہی کے ذریعہ تلچھٹ بھی شراب بن جاتی ہے۔ محبت کے ذریعہ درد خود دوا بن جاتا ہے۔ محبت کے ذریعہ ہی تمام مردہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ محبت کے ہی ذریعہ بادشاہ غلام بن جاتا ہے۔"

ایک شخص عشق کے جام کو الگ الگ طریقوں سے

پیتا ہے۔ اس کے چھوٹے پیالے ہو سکتے ہیں۔ جس کا ذائقہ
میٹھا ہوتا ہے۔ جیسے کہ احسان مندی کے کام کرتے ہوئے
آپ اپنے دل میں خوشی و مسرت محسوس کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ دوسرے پیالے ہیں، جن میں
اطمینان دلانے والے جام ہیں۔ مثلاً آپ اپنے فرائض
اچھے طریقے سے اور زبرداری سے نبھاتے ہوئے انجام
دیتے ہیں۔ تو یہ جام آپ کے دل کو اطمینان بخشتا ہے۔
اور آپ کو خوشی اور اطمینان محسوس ہوگا۔

اس کے علاوہ ایک خاص جام بھی ہے جس میں
ایک ایسی شراب ہے جو صرف چند لوگوں کے لئے مخصوص
ہے۔ صرف ان لوگوں کے لئے جو راہِ طریقت میں ہیں۔
اس کو شرابِ عشق کہتے ہیں۔ جس کی رنگت ہلکی سنہری
ہے۔ یہ میٹھی خوشبودار اور نشہ آور شراب ہے۔ یہ خاص
جام مرشدانِ طریقت کا ہے۔ اور یہ انہی کی مرضی ہے
کہ وہ یہ شرابِ عشق کس کو اور کتنی مقدار میں دیں۔

جب ایک مرید کسی مرشد کے خلیفہ ارادت میں
داخل ہوتا ہے تو پھر اسے اس حلقہ کے کچھ قواعد بھی سکھنے
ہوتے ہیں۔ پہلا قاعدہ مرید کی مرشد کی خدمت میں

کامل سپردگی ہے۔ جو کچھ بھی مرشد ارشاد فرمائیں اس کی
تعمیل کی جائے۔ ظاہری بات ہے کہ جب ایک مرید
اپنی سپردگی اس حد تک کرے، تو پھر یہ مرید کا فرض ہے
کہ وہ اس مرشد کی تلاش کرے جو ایک کامل ولی ہو،
جو سچا ہو اور جو اپنے اللہ کے کرم کا حامل ہو۔

ایک بار جب مرید کو اس کے اللہ کی طرف سے
ایسا مرشد عطا کیا جائے، تو مرید کا دوسرا فرض یہ ہے کہ
وہ خود کو ان کے حوالے کر دے۔ اب جو کچھ بھی مرشد
فرمائیں وہ اس کے لئے حروفِ آخر ہو۔ کوئی دلیل بازی
نہیں حتیٰ کہ معمولی پس و پیش (یا مدافعت) یا دل میں
کسی بھی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

ولی کامل تو اللہ کی طرف سے ایک تحفہ ہے،
اور اگر آپ کو کسی ایسی ہستی تک رسائی حاصل ہو گئی ہے
تو یہ آپ پر آپ کے اللہ کا کرم ہے۔ یہ اس کی رحمت
ہے آپ پر کہ اس نے اپنے عاشق کا ہاتھ آپ کے ہاتھ
میں دے دیا ہے۔

مرشد پہلے مرید کو جانچتا ہے یا آزما تا ہے۔ اس
کے دل کی کیفیت کو دیکھتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس

کے دل کا نگہبان بن جاتا ہے۔ یہ مرشد کی پہلی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مرید کے دل کی صفائی کرے، اسے صاف کرے، اس کی رگڑائی کرے اور اسے پاک کر دے۔ اس پر لگے سیاہ دھبوں کو صاف کر دے۔ اور اس میں سے لفظ ”میں“ کو کھینچ نکالے۔ اللہ سے اس کی شیطان کے شر سے حفاظت کی دعا کرے۔

اب یہ سب اس وقت ممکن ہے جب مرید خود کو سپرد کرے۔ اگر اس نے ظاہری طور سے بیعت کر لی، لیکن اس نے خود کو دل سے حوالے نہیں کیا، تو وہ مرید حقیقت میں اس مرشد کا مرید نہیں ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی دیر بیٹھے، یا کچھ بھی کرے۔ چاہے اس کا سر تسلیم خم ہی رہے لیکن وہ ان کا مرید نہیں ہے۔

مرشد کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مرید کو راہِ حق دکھائے، اُسے اللہ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بارے میں بتائے۔ اسے ایمانِ محمدی عطا کرے، تاکہ وہ ہر قسم کے حالات میں راہِ حق پر مستقیم رہے۔ مرشد کے ذریعے علم کا حصول بھی لازمی ہے۔ اور اس کے لئے مریدوں پر لازم ہے

کہ وہ مرشد کی تمام محفلوں میں باقاعدگی سے شرکت کرے، اور جب کبھی ممکن ہو مرشد کی صحبت سے فیض یاب ہوں۔

اگر آپ اپنی دنیا میں اس قدر مصروف ہیں کہ آپ مرشد کے لئے وقت نہیں رکال سکتے، تو پھر آپ کس طرح کی وفاداری دکھا رہے ہیں؛ یاد رکھئے! آپ کا بیعت ایک عہد ہے، اور ایک کامل ولی یا ولیہ کے ہاتھ پر کی ہوئی بیعت آپ کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اللہ کے ہاتھ پر کیا ہوا عہد ہے۔ آپ میں سے کتنے ایسے ہیں جو اپنے رسول اور اپنے اللہ کی شان میں گستاخی کی جرات کر سکتے ہیں۔

یاد رکھئے کہ ایک کامل مرشد آپ کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا نمائندہ ہے۔

اپنے مرشد کا احترام کریں اور یہ احترام اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے کریں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ احترام اس دنیا اور دوسری دنیا میں آپ کی عزت کا باعث بنے گا۔ اور آپ کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بھی نوازے گا۔ ایک بار

اگر آپ کے مرشد آپ کے دل کی سچائی اور وفاداری کو
 اور عشق کے لئے آپ کے ذوق و شوق کو دیکھ لیں۔ تو پھر
 وہ آپ کو محبت کے جام کے لئے تیار کریں گے، یعنی جام
 عشق کے لئے۔ اور آپ کو اس جام کو چکھنے کے لئے فرمائیں
 گے جس کے سرور جیسا کوئی اور سرور نہیں۔ جو آپ پر ایک
 نشہ طاری کرے گا، جس سے آپ کبھی دوبارہ باہر نکلتا
 نہیں چاہیں گے۔

یہ نشہ جب طاری ہو جاتا ہے تو یہ آپ کو ایک
 نئی دنیا کی سیر کرائے گا۔ اس دنیا کی جو پوشیدہ تھی، جو نظر
 نہیں آتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود جو نہایت طاقتور
 اور حقیقی دنیا ہے

یہ جام آپ کو اس نظم کو سمجھنے میں مدد دے گا:
 ”میں نے اپنے دوست کو دیکھا، گھر کے آس
 پاس منڈلاتے ہوئے۔

اس کے پاس ایک ساز تھا، جس سے وہ ایک نر
 بجا رہا تھا۔

اس نے ایک خوبصورت نر بجا یا، جس میں
 زبردست شراب سے طاری ہونے والے نشے

کی آگ کا اثر تھا۔

اس نے ساقی کو عراقی سُریس پُکارا، لیکن وہ ایک بہانا تھا، اُسے شراب کی ضرورت تھی۔

چاند جیسے چہرے والا ساقی، ہاتھ میں صراحی لئے، کونے سے نکل کر عین درمیان میں آگیا۔

اس نے چمکتی ہوئی شراب سے پہلا جام بھرا۔ کیا آپ نے کبھی جلتی ہوئی زبانوں کو پانی سے اُچھلتے دیکھا ہے؟

اس نے اس کو عاشقوں کی طرح اپنے ہاتھ پر رکھا اور پھر وہ جھکا اور مقدس چوکھٹ کو چومنا۔

میرے دوست نے جام اس کے ہاتھ سے لیا اور شراب کو غٹا غٹ پی لیا۔ اور اس کے چہرہ پر شعلوں کی لپٹیں ناچ رہی تھیں اور اس نے اپنے دکتے ہوئے حسین چہرہ پر ایک مسکراہٹ پھیلاتے ہوئے نظر بد سے مخاطب ہوئے کہا:

”کوئی نہ تھا اس عہد اور اس زمین میں مجھ جیسا دوسرا کوئی نہ ہوگا۔“

اے اُمّتِ محمدی! مرشدِ کامل کا آپ کے ہاتھ

کو تھا منے کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے
کہ آپ کے ہاتھ آپ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے مبارک ہاتھوں میں دے دیں۔

مگر جو ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں
میں جاتا ہے، وہ ان لوگوں کے ہاتھ ہیں جو دل اور روح کے
سچے ہوں۔ جو جب یہ کہتے ہیں کہ ”مجھے آپ سے محبت
ہے“ تو وہ زبان کے سچے ہوتے ہیں۔

جب یہ بابرکت ہاتھ ان کے رسول کے ہاتھوں
تک پہنچ جاتے ہیں، تو عشق کے اسباق میں شدت آ
جاتی ہے۔ جام کافشہ نئی بلندیوں کو چھو لیتا ہے۔ اور
خوشی اور انبساط کی کوئی حد نہیں رہتی۔

اس عشق، یعنی عشق محمدی کے رنگ خاص الخاص
ہیں۔ وہ اس دنیا کے رنگ نہیں ہیں، وہ اس دنیا میں
موجود بھی نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے
عاشقوں کو نظر آجاتے ہیں۔

ان کو رنگ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے، اور
یہ صرف ان کو نظر آتے ہیں جو اپنے مرشد، اپنے رسول اور
اپنے اللہ سے باوقار ہے ہیں۔

اے اُمّتِ محمدی! میری دعا ہے کہ اللہ آپ
سب کو ان رنگ ہائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہدہ
کراوے۔ اور آپ سب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان رنگوں
میں رنگے رہیں۔

آمین!



۲۳ اپریل ۲۰۱۰ء

باب (۱۱)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس سے ہر ایک طلب کرتا ہے، چاہے وہ زمین کے ہوں یا آسمانوں کے۔ ہر ایک مخلوق جس کو ایک دن فنا ہونا ہے، سوائے آپ کے رب کے جو جلال و عظمت والا ہے۔ جو ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" (سورہ حٰجّٰر) درود و سلام اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اُن پر جنہیں جب کفر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا حکم ہوا، تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جو بلاشبہ تمام تابعداروں میں سب سے زیادہ تابعدار ہیں۔

سلام، رحمت اور برکت آپ سب کیلئے۔ اور آپ کے پیاروں کیلئے سلامتی ہو اُن سب کیلئے جو اگرچہ اس دنیا میں ہیں لیکن جو حقیقت میں دوسری دنیا کے لوگ ہیں۔ اس دنیا کے

جو محفوظ اور خوبصورت ہے۔ اور عبادی ہے۔
 رہنے کے لئے یہ دنیا سخت اور مشکل ہے۔ یہ فقط
 اس وقت قابل برداشت ہو جاتی ہے، جب اس میں
 اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور جب آپ اللہ کا کام کرتے ہیں۔
 مولانا رومی فرماتے ہیں :-

”مجھے تو صرف تمہارا جمال نظر آتا ہے
 جب میں اپنی آنکھیں کھولتا ہوں۔
 میں تو صرف تمہارا جام پیتا ہوں
 جب میں اپنے لب کھولتا ہوں
 میں عام لوگوں سے بات کرتا ہوں
 جو مجھے گناہ جیسا لگتا ہے
 (لیکن) جب میں تمہارے بارے میں بات کرتا ہوں
 تو یہ طویل ہو جاتی ہے،
 اتنی لمبی ہے میری داستان!
 میں اس وقت لنگڑا ہوں
 جب وہ مجھے گلیوں اور سڑکوں پر گھسیٹتے ہیں
 (لیکن) تمہارے کوچے کی طرف میں دوڑتا ہوا جاتا ہوں۔
 خوشی و مسرت سے سرشار!

میری روشنی چاند و سورج کی روشنی سے بہت بڑھ جاتی ہے،

جب میں اپنا رخ سجدے اور وکشت بادشاہ کی طرف موڑتا ہوں۔“

یہ سچ ہے کہ اس دنیا کی کہانیاں دکھ بھری اور دل شکن ہیں۔ کوئی بھی اخبار اٹھائیں، اس دکھ میں اصناف ہی ہوتا ہے۔ ہر طرف قتل، ظلم، سازشیں، بغاوتیں، دھوکہ اور فریب کا بازار گرم ہے۔ اور پھر اس میں اُن تمام ”ضروریات“ یعنی آسائشوں کی تصویریں بھی چھپی ہوئی ہیں، جو آپ کو حاصل ہونی چاہئیں۔

اگر آپ اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ان ناک نہاد آسائشوں کے متحمل ہوں، تو آپ کا دکھ اور گہرا ہو جاتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ نے جب یہ دنیا بنائی تھی، تو کیا اس نے اس میں قتل، ظلم، سازشیں، بغاوتیں، دھوکہ اور فریب ڈال دیئے تھے؟ کیا اس نے یہ کہا کہ یہ ضروریات یا آسائشیں جس کی ہر طرف تشہیر کی جا رہی ہے، آپ کی زندگی کیلئے ضروری ہیں؟ کیا یہ کہیں لکھا ہے کہ اگر آپ ”نوکیا“ کا جدید ترین 4۔ میگا پیکسل کیمیرہ والا موبائل حاصل نہیں کریں

گے تو حجت میں داخل نہیں ہوں گے؛

یا کیا کہیں لکھا ہے کہ اگر آپ جدید ترین برانڈ کا لباس
زیب تن نہیں کریں گے، تو آپ کے اعمال نامہ میں مثبت
اعمال شامل نہیں کئے جائیں گے اور آخرت کی زندگی میں
آپ کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا؛

وہ قدریں جو آج کے لوگوں نے اپنا رکھی ہیں، ان
میں اکثر خود ساختہ ہیں جنہیں یہ لوگ عقیدے کے طور پر
مانتے ہیں۔ ان میں سے کئی قدریں اسلامی تعلیمات سے
مختلف اور متضاد ہیں۔ چونکہ یہ قدریں طویل عرصے سے
یہاں موجود ہیں اور ان کی پیروی لوگوں کے باپ دادا نے
بھی کی ہے، اس لئے یہ اب ان کی زندگیوں کا حصہ بن
چکی ہیں۔

آئیے دیکھتے ہیں کہ مسلم سماج میں ان قدروں کی
پیروی ایک شخص کی زندگی کے چند اہم مواقع پر کس طرح کی
جاتی ہے۔ جب کوئی لڑکی لڑکی شادی کی عمر کو پہنچ جائے تو
والدین کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کے لئے کسی مناسب
رشتے کی تلاش کریں۔

لیکن کبھی کبھی یہ پورا عمل لڑکی اور اس کے گھرانے کے

لئے بہت تکلیف دہ بن جاتا ہے۔ وہ گھرانے جن میں شادی کے لائق بیٹے ہوتے ہیں، جب لڑکی والوں کے گھرانے میں تو انکی ترجیحات اسلامی قدروں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ پہلے وہ لڑکی کے چہرے کو دیکھتے ہیں، یعنی اس کے چہرے کی رنگت اور حسن کو دیکھتے ہیں۔ اگر وہ ان کی پسند کے مطابق ہوتے ہے، تو وہ اس کو فوراً قبول کرتے ہیں۔ اور اگر لڑکی عام شکل و صورت کی ہے، تو جو چیز انہیں شادی پر مائل کرے گی، وہ ہے مالی اعتبار سے اس کی حیثیت۔ اگر لڑکی کے والدین کھاتے پیتے لوگ ہیں، تو پھر لڑکی کو قبول کرنے کے مضبوط چانس ہیں۔

لیکن اگر لڑکی عام شکل و صورت کی ہے اور امیر گھرانے کی نہیں ہے، تو پھر اس کی شادی اس کے گھرانے کے لئے ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی لڑکی کا چہرہ یا سراپا اس نے خود بنایا، یا کیا یہ اسی کا قصور ہے کہ اس کے والدین زیادہ امیر نہیں اور اپنی بیٹی کے لئے خوب خرچ کرنے کے لائق نہیں؟

یاد رکھئے اگر آپ کسی لڑکی کو اس کے چہرے یا مالی حیثیت کے باعث رو کرتے ہیں تو حقیقت میں آپ اللہ کو

بتارے ہیں۔ میں اس طریقہ کو پسند نہیں کرتا جس سے
 تو نے اس لڑکی کو بنایا ہے، اور جو مالی حیثیت تو نے
 اس کے گھرانے کو دی ہے وہ میرے لئے قابلِ مقبول
 نہیں ہے۔“

اس سے تو درحقیقت آپ اپنے اللہ کے نکتہ چین
 بن گئے ہیں۔ اس وقت آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں،
 کہ آپ میں خود کتنے عیب ہیں اور یہ اللہ ہی ہے جو
 ان عیبوں کو دنیا والوں سے چھپاتا ہے۔ پھر یہ اختیارات
 آپ کو کس نے دیئے ہیں کہ آپ لوگوں کی کمزوریوں سے فائدہ
 اٹھائیں اور انہیں یہ احساس دلائیں کہ انہیں ان چیزوں
 کے باعث روکیا جا رہا ہے کہ جن پر ان کا اپنا کوئی اختیار
 نہیں ہے۔

ایک اور بھی خود ساختہ قدر ہے جس کی آج کے
 لوگ پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ اس قدر کی بنیاد کسی شخص
 کی یہ خواہش ہے کہ اُسے سب قبول کریں۔ یہ قدر
 لوگوں کو بتاتی ہے کہ وہ دوسروں پر اپنی برتری جتائیں۔
 وہ چاہتا ہے کہ اگر اللہ نے اُسے دوسروں سے زیادہ دیا
 ہے، تو سب کو اس کا علم ہونا چاہیے۔

اگر وہ اسلامی قدروں کی پاسداری کر رہا ہوتا، تو غریب
 اس کی دولت میں حصہ دار ہوتے۔ وہ اپنے مال میں
 دوسروں کو اس طرح شریک کرتا کہ دیتے وقت اس کے
 ہاتھ نہیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں لگتا کہ داہنا ہاتھ کتنا دے رہا
 ہے۔ بد قسمتی سے آج کل زیادہ تر لوگوں کا معاملہ اس
 طرح نہیں ہے۔ وہ اپنی دولت کی نمائش کرنا چاہتے
 ہیں اور وہ یہ کام بڑی بے شرمی سے کرتے ہیں۔

وہ اس کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے،
 خواہ وہ ان کے بچوں کی شادی ہو یا کوئی اور تقریب۔
 چنانچہ دولت کی یہ کھلی نمائش دوسروں کے دلوں میں
 بہت زیادہ ناپسندیدگی پیدا کرتی ہے۔ سادگی اور سیانہ
 روی کے سبق کتنی آسانی سے بھلا دیئے گئے ہیں۔ فقط اپنی
 جھوٹی انا اور شان و شوکت کی خاطر۔

جب زیادہ تر لوگ ایک انداز کو اپنا شروع
 کرتے ہیں تو وہ رفتہ رفتہ سماج کے لئے ایک رواج بن
 جاتا ہے۔ اور کچھ عرصہ بعد وہ سب کے لئے ایک قدر
 بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آج کل اکثر شادیوں میں بہت
 سی غیر ضروری رسمیں رائج ہیں جنہیں لوگ منانا پسند کرتے

ہیں۔

ایسے مواقع پر خوش ہونا غلط نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی تقریبات کا منانا کیوں ضروری ہے، خواہ آپ اس کے متحمل ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر کسی وقت اللہ اپنی وہ نعمتیں ٹٹالے جو اس نے آپ سب کو عطا کی ہیں، تو کیا کوئی اس کو روک سکتا ہے؟

آپ میں سے ایسے کتنے لوگ ہیں جو اپنے بل بوتے پر ایک روپیہ بھی کما سکتے ہیں؛ ایسا کون ہے جو ایک لقمہ بھی اپنے منہ میں ڈال سکتا ہے اگر اللہ اُسے نہ دینا چاہتا ہو؛ یاد رکھئے وہ مال جو حلال ذرائع سے کمایا جاتا ہے، وہ اللہ کی امانت ہے جس کے کئی مالک ہیں۔

ایک روپیہ جو آپ کے پاس ہے، اس میں آپ کے گھرانے اور بچوں کا برابر حق ہے۔ اگر آپ کے والدین حیات میں ہیں تو وہ بھی اس روپیہ میں شراکت دار ہیں جانڈان میں موجود کوئی بھی ضرورت مند یا کوئی سفید پوش، جسے اس کی عنایت دوسروں سے مانگنے نہیں دیتی، اس کا بھی آپ کے مال میں حق ہے۔

پھر باری آپ کے ملازمین اور آپ کے ماتحتوں کی

آتی ہے۔ وہ آپ ہی کے لئے کام کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا بھی خیال رکھنا ہے۔ پھر غریب و مساکین کی باری آتی ہے، ان کا بھی اس مال میں حصہ ہے، اور انہیں کسی حال میں فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

اگر آپ میں سے کوئی بھی کسی ایسے رسم و رواج کو شروع کرنے کا ذمہ دار ہے جو اسلامی قدروں کے خلاف ہو، تو اس پر گناہ نہ صرف اس عمل کا ہوگا، بلکہ ان سب لوگوں کے گناہ بھی ہوں گے جو اس رواج کی پیروی کریں گے۔ یہ سارے گناہ اس شخص کے اعمال نامہ میں جوڑ دیئے جائیں گے جس نے یہ سلسلہ شروع کیا تھا۔

مثال کے طور پر لڑکی کے والدین کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو جہیز میں اتنی بڑی رقم دیں جس کی ان میں استطاعت نہ ہو۔ وہ پہلا شخص جس نے ایسے جہیز کا مطالبہ کیا تھا، وہ آج تک طلب کئے جانے والے تمام جہیزوں کا ذمہ دار ہے۔

یہ بات یاد رکھئے کہ اس طرح زور بردستی سے رقم لینا نہ فقط شرمناک ہے، بلکہ اس سے کئی دوسری خرابیاں بھی جنم لیتی ہیں۔ سب سے پہلے تو ایسی شادی میں سے

برکت اٹھالی جاتی ہے۔ اس خود غرضانہ مطالبے سے خاندانوں کے درمیان منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ان خاندانوں کے لئے ایک مثال بن جاتی ہے جو اپنے بیٹوں کی شادی کرانا چاہتے ہیں، کہ مال بنانے کا آسان طریقہ دلہن کے خاندان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا ہے۔

دلہن کا خاندان تو پہلے سے ہی اپنا سب سے قیمتی اثاثہ، یعنی اپنی بیٹی ان کے حوالے کر رہا ہے، جو ان کے بیٹے کی نگہبان ہوگی، اس کے بچوں کی ماں بنے گی، جو ان کے گھرانے کی بھلائی کے لئے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ پچھا کرے گی، تو پھر وہ زیادہ کا تقاضہ کیوں کرتے ہیں؛ وہ اس خلوص اور محبت کو کس طرح پیسے میں تول سکتے ہیں جو ایک بہو خاندان میں ساتھ لاتی ہے؛

ایک اور بدی جو اس ظالمانہ رویے سے پیدا ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ خاندان جو اپنی بیٹیوں کے لئے بھاری تاوان ادا نہیں کر سکتے، ان کی بیٹیوں کے لئے رشتے نہیں آتے اور ان کی شادیاں کرانا مشکل ہو جاتا ہے، کاش کہ لوگ سمجھتے کہ مال و دولت تو ہر ایک کی تقدیر سے

والبتہ امر ہے۔

جب اللہ نے آپ کو ایک خاص رقم عطا فرمائی ہے، تو پھر کون آپ سے وہ رقم چھین سکتا ہے، اور آپ اس رقم سے زیادہ کسی دوسرے ذریعے سے کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ ہر شخص کا یہی ایمان ہونا چاہیے، یعنی ہر وقت اور ہر قسم کے حالات میں اللہ پر کامل بھروسہ۔

چھیز والدین کی طرف سے اپنی بیٹی کو دیا جانے والا ایک تحفہ ہوتا ہے، اور تحفوں پر کوئی جبر نہیں ہے۔ وہ چیزیں اگر لڑکی کی ہیں تو پھر اُسے وہی کچھ لینے دیں، جو اُس کے والدین آسانی سے دے سکتے ہیں، محبت سے اور بغیر کسی مشکل کے۔

اگر بالفرض لڑکی اپنے ساتھ کوئی ماوی شے نہ بھی لائے تو اس سے کسی پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اصل تحفے جو کسی لڑکی کو دولاہا والوں کے گھرنانا چاہئیں، وہ اس کا اخلاق اس کا خلوص، اس کی تربیت اور اس کا دین ہے۔ اگر اس کے پاس یہ سب کچھ ہے تو ایسی خوبیوں کا مقابلہ کوئی دوسرا تحفہ نہیں کر سکتا۔ اگر اس میں ایسی خوبیاں نہیں ہیں، تو محبت بھرے الفاظ سے اور خود اپنی مثال سے

یہ اُسے سکھائی جاسکتی ہیں۔

کسی بھی شخص کا سب سے زیادہ قیمتی اثاثہ اُس کا ایمان ہوتا ہے۔ اس کے کردار کی سب سے اہم خوبی اس کی غیرت اور بردباری ہے۔ اس کی سب سے اہم نیچی اس کی دیانت داری اور شرافت ہے۔ اس کی شخصیت میں سب سے زیادہ متاثر کن شے اس کا اخلاق ہے۔

اس کے دل کا سب سے اہم اثاثہ اس کے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی محبت ہے۔ جب کوئی ان خزانوں کی پاسداری کرنا شروع کرتا ہے تو اُسے پھر زندگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ایک اور ضروری قدر بھی آج کل کی زندگی میں نظر نہیں آرہی ہے۔ اور وہ ہے دوسروں کے لئے احترام۔ یہ کامیابی کا ایک خاص لازمہ ہے، چاہے وہ کامیابی دنیاوی ہو یا آخرت کی۔ اگر کوئی باادب ہے، تو اُسے اپنے تعلقات میں کبھی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

احترام کا مطلب دوسروں کے عزت و وقار کا خیال رکھنا ہے۔ لیکن آج کل دوسروں کی بے عزتی ایک قسم کا فیشن بن گیا ہے۔ دوسروں کا مذاق اڑانا اور

دوسروں کے نقصان پر خوش ہونا اور جو کچھ ذہن میں آئے بلا تکلف کہہ دینا، اس بات کا خیال رکھے بنا کہ مخاطب کون ہے۔

دل میں احترام اور ایک خاموش زبان آدمی کو زندگی کے طوفان سے بچا کر رکھتے ہیں۔ ایک بچے کو اس کی ماں جو ادب دیتی ہے، وہ اس کی بات کو توجہ سے سننا، اس کا خیال رکھنا اور اسے پیار دینا ہے۔ اسی طرح ایک شخص اپنے والدین کا ادب اُن پر مہربان ہو کر اور ان کی ضروریات کا خیال رکھ کے کرتا ہے۔ ایک بیوی اپنے خاوند کا ادب اُس کا اور اس کے گھرانے کا خیال رکھ کے اور اس کے مال اور دل کا خیال رکھ کے کرتی ہے۔ اسی طرح بیوی کے لئے ادب، اس کو زندگی میں وقار فراہم کرنے، اس کا خیال رکھنے اور اس کے کام کی تعریف کرنے، اس کے دل کی رکھوالی کرنے سے ہوتا ہے۔

جب ایک خاندان مشترکہ طور سے اکٹھا رہتا ہے، تو خاندان کے ہر فرد کے لئے ادب ہونا چاہیے، چاہے وہ والدین ہوں یا بچے، بھائی، بہنیں، دادا، دادی یا ساس شسر ہوں۔ اس ادب کا مطلب ایک دوسرے کے

لئے سچی محبت اور ایک دوسرے کا خیال رکھنا ہے۔
 اگر کوئی گڑبڑ بھی ہو جائے تو صبر اور برداشت کا دامن
 نہیں چھوڑنا چاہیے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ دل انسانی
 جسم کا بہت ہی نازک حصہ ہے۔ جس طرح ایک تیر جیب
 کمان سے نکل کر واپس نہیں آتا، اسی طرح ایک ترش لفظ
 ایک بار زبان سے نکل جائے تو وہ واپس نہیں آتا۔
 زبان سے لگایا ہوا زخم، تیر سے کھائے ہوئے زخم
 سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی زبان کے لگے زخم پوشیدہ
 رہتے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے خون نہیں
 رشتا۔ یہ زخم ہمیشہ دل کو چھبتے ہیں۔ یہ ہر وقت اس جگہ موجود
 ہوتے ہیں جہاں آپ کا اللہ رہتا ہے۔

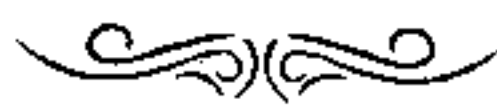
اللہ کی ناراضگی سے بچنے کا بہترین طریقہ خود کو
 ایسے واقعات سے دور رکھنا ہے جن میں زبان و لول
 کو زخمی کرتی ہے۔ کہاوت ہے کہ: "ایک چپ میں
 سو سٹکھ" جب بھی کبھی عصب بھڑکے، خاموش رہیں، غصہ
 کو ٹھنڈا ہونے دیں۔ پھر جب کچھ دیر بعد مزاج ٹھنڈے
 ہو جائیں، تو مسئلہ کو دانش مندی سے حل کریں۔
 اپنی زندگی میں یہ پختہ ارادہ کریں کہ آپ لوگوں کے

بارے میں بحث نہیں کریں گے۔ آپ یہ نہیں کہیں گے کہ کون کیسا ہے اور کیا کرتا ہے۔ جب سبھی آپ غیر ارادی طور سے لوگوں کے بارے میں بات کرتے ہیں، تو آپ غیبت کرنا شروع کرتے ہیں۔ جو ایک گناہِ عظیم ہے اور جو اللہ کی شدید ناراضگی کا باعث بنتی ہے۔

طریقت والوں کو تو اس خرابی سے بہت محتاط رہنا چاہیے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ آپ اپنے مرشد کا ہاتھ تھامے ہوئے ہیں اور مرشد کی زنجیر، روحانیت کی راہ میں آپ کی رہنمائی کرتی ہے۔ آپ کی طرف سے کوئی بھی غلط حرکت آپ کے لڑکھڑانے یا گر جانے کا باعث بن سکتی ہے۔

کھلی آنکھوں اور پاک دل کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ میری دعا ہے کہ اللہ ہر وقت آپ سب کے ساتھ ہو۔

آمین!



۳۰ اپریل ۲۰۱۰ء

باب (۱۱۲)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو حاکم اور محبوب ہے، جو سب سے زیادہ محبت کرنے والا، کرم کرنے والا اور جود لوں کا رکھوالا ہے۔

درود و سلام محبوب رب پر ان پر جو نرم دل اور اپنی اُمّت کے ساتھ محبت کرنے والے ہیں، جو اپنے معشوق کے عاشق ہیں۔

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے گھرانوں کے لئے، سلامتی ہو، ان سب عارفیوں، نورانیوں کے لئے جو دلوں کی نرمی کو محسوس کرتے ہیں اور بلاشبہ یہ ہی نرمی ان محفلوں کی خوبصورتی کا باعث ہے۔

محبت ایک عجیب مظہر ہے، جتنی زیادہ آپ محبت کرتے ہیں اس کی پیاس اتنی ہی بڑھتی ہے۔ دیدار محبوب کے سوا کوئی شے آپ کی پیاس کو بجھا نہیں سکتی۔ لیکن دیدار

محبوب بھی اس کے لئے کافی نہیں۔ آپ جتنا اس کا دیدار کرتے ہیں اس کی طلب اور بڑھتی ہے۔

یہ آپ کے اللہ کی دنیا ہے، سرور اور عشق کی دنیا طلب کی دنیا۔ وہ طلب جس کی کوئی انتہا نہیں، وہ طلب کیسے پوری ہو سکتی ہے۔ جب کہ جس کی طلب کی جارہی ہے، اس کی کوئی آخری حد ہی نہ ہو۔ یہ پیاس پوری انسانیت کے لئے ہے۔

جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، تو جس پہلی چیز کا انہیں تجربہ ہوا، وہ یہ ہی پیاس تھی۔ اور یہ پیاس اتنی شدید تھی کہ اس سے ان کا پورا وجود لرزنے اور کانپنے لگا تھا۔ وہ پیاس فقط اس وقت کھچی جب ان کی نگاہیں محبوب پر جا پڑیں، جن کے لئے ان کا پورا وجود ٹرپ رہا تھا۔ مگر جیسے ہی جلوہ جاناں نگاہوں سے اوجھل ہوا، یہ پیاس دوبارہ بھڑک اٹھی۔

پھر نبی بی حوا کی تخلیق کی گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ایک ساتھی کے طور پر۔ لیکن ملن کا یہ رشتہ بھی ان کا ذہن اس کی پیاس سے نہ بٹا سکا۔ اصل میں ہوا یہ کہ اب انہوں نے اس پیاس میں اپنی بیوی کو بھی شامل

کر لیا۔ بیوی بھی اتنی ہی پیاسی تھیں اور انہوں نے بھی اس پیاس میں اپنے خاوند کو شامل کر لیا۔

یہ پیاس تمام انسانوں کو عطا کی گئی ہے اور یہ انسانی دل کی گہرائی میں موجود ہے۔ جب پیاس ابھرتی ہے تو روح پیاس بھجانے والے کو ڈھونڈتی ہے۔ لیکن جب تک روح اس دنیا میں ہے، جلوہ جاناں کھلی آنکھوں سے اچھی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ یہ صرف اس آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہے جو دل کی گہرائیوں میں موجود ہے۔

لیکن انسان کی ظاہری آنکھ جب اپنے اطراف دیکھتی ہے تو اسے اس دنیا کے کئی رنگ و روپ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ رنگ اس قدر سحر انگیز ہیں کہ زیادہ تر لوگ اپنی ظاہری آنکھوں کو استعمال کرتے رہ جاتے ہیں۔ ان کی ظاہری آنکھیں دیکھنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو اصلی آنکھ ہے جو دل کی گہرائی میں موجود ہے، اسے نظر انداز کیا جاتا ہے اور اس کی بینائی سلب کی جاتی ہے۔

جب روحانی آنکھ کو روک دیا جاتا ہے تو روح دیکھ نہیں سکتی۔ اور جب روح دیکھ نہیں سکتی تو اس کا

مطلب یہ ہے کہ روحانی دنیا سے آپ کا رابطہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ہر ایک رُوح کو نُور سے پیدا کیا گیا ہے۔ جب یہ کہا گیا کہ ”اللہ کی پھونک انسانی جسم میں داخل ہوئی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دراصل نُور ہے، جو رُوح کے حقیقی ساخت ہے۔

تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی وجود کی دو صورتیں ہیں۔ ایک مادی وجود جو مٹی سے بنا ہے اور ایک دوسرا وجود جسے نُور سے بنایا گیا ہے۔ یہ نُوری وجود مٹی کے جسم میں پوشیدہ ہے۔ یہ (اگرچہ) اپنے ارد گرد کے ماحول سے آگاہ ہے لیکن اسے روحانی دنیا سے جوڑا گیا ہے۔

یہ اپنی غذا اس ذاتِ واحد سے حاصل کرتی ہے، جس نے اس رُوح کو پیدا فرمایا ہے۔ اللہ یہ غذا مسلسل پوری دنیا کو فراہم کرتا رہتا ہے۔ یہ غذا نہ فقط انسانوں کے لئے ہے، بلکہ یہ درختوں، آسمانوں، پرندوں اور سمندروں کے لئے بھی ہے۔ تمام مخلوقات اسی غذا سے نشوونما پاتے ہیں۔ اگر یہ موجود ہے تو پوری دنیا بہ حُسن و خوبی چلتی ہے، لیکن اگر اس میں کمی آجائے تو اس سارے نظام میں انتشار پیدا ہوگا، توازن بگڑ جائے گا۔ اور

شیطان ہر شے کو برباد کرنا شروع کر دے گا۔

آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ یہ غذا آخر ہے کیا، جو ساری مخلوقات کے لئے اتنی ضروری ہے؟ یہ غذا آپ کے اللہ کے اسمائے حسنیٰ ہیں، آپ کے اللہ کا نور ہیں آپ کے اللہ کی حمد و ثناء ہیں، جس سے پوری کائنات جگمگا اٹھتی ہے۔ جو ان سب کے لئے غذا ہیں جنہیں پیدا کیا گیا ہے۔ جب انہیں اس نور کے ذرات ملتے ہیں، تو ان کی نشوونما ہوتی ہے۔ جب انہیں اس نور سے محروم کیا جاتا ہے تو وہ کمزور ہو جاتے ہیں۔

درختوں کو دیکھئے، کیا آپ نے انہیں کبھی غور سے دیکھا ہے؟ کیا آپ نے دیکھا ہے کہ ان کی شاخیں اور ان کے پتے کس طرح خوشی میں ناچتے ہیں؟ یہ انتہائی مسرت کا وہ رقص ہے جسے وہ اللہ کے نام کو سن کر کرتے ہیں۔ اللہ کی حمد کو سن کر کرتے ہیں، جو عرش پر اللہ کے فرشتے اللہ کے عاشقین، اللہ کے محبوب کا کر سنا رہے ہیں۔ جن کے لب ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رکتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک اور دل اللہ کی حمد و ثناء سے ایک لمحے اور ایک ثانیہ کے لئے بھی

نہیں رکھتے۔ پوری کائنات ان الفاظ کو سنتی ہے۔ آپ کے اللہ کی حمد و ثناء کی ان الفاظ کو، اللہ کے حسن و جمال کے الفاظ کو، اللہ کے جاہ و جلال، اس کی عظمت اور توقیر اور اس کی حکمت اور بخشش کے الفاظ کو۔

اس ذاتِ پاک کے بے شمار نام ہیں، جو خود بھی لاناہتا ہے، اور یہ لاناہتا نام ہر وقت کائنات پر رحمت کے طور سے برسائے جا رہے ہیں۔ جب اسم اللہ "عنی" زمین کے کسی بھی حصے پر برسیا جاتا ہے، تو اس مقام سے نرم و نازک پودے اگنا شروع ہوتے ہیں۔ اللہ کی رحمت سب کو عطا کرنے کے لئے۔ جب یہ پودے کچھ عرصہ بعد بڑھ جاتے ہیں، تو انہیں اللہ سے ایک بار پھر غذا ملتی ہے۔ اور یہ غذا اللہ کے ایک اور اسم یعنی "الرزاق" کے ذریعے عطا ہوتی ہے۔

پھر یہی پودے پھول اور پھل بنا شروع ہو جاتے ہیں اور پھر یہ نعمت سب کے لئے عام ہو جاتی ہے۔ تمام پرندوں کے لئے، تمام کیڑوں مکوڑوں کے لئے، جملہ جانوروں کے لئے اور تمام انسانوں کے لئے۔ اُس کی اس مالِ عنیمت میں سب کا حصہ ہے۔

وہ ہر ایک کو اس کا حصہ عطا کرتا ہے، اور کوئی بھی بغیر حصہ لئے نہیں رہ سکتا۔ ساری کائنات اس حقیقت سے آگاہ ہے اور سب اس کے کرم، اس کی نعمت اور اس کی رحمت کے منتظر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ اس غذا کو اللہ کی ان نعمتوں سے لے لیتے ہیں، جو اس کے اسم سے، اس کے ذکر سے، اس کی حمد و ثناء سے پھوٹتے ہیں، تو صرف اسی صورت میں وہ جی سکتے ہیں۔ ان کی خارجی ساخت صرف اس صورت میں سلیقے سے برقرار رہ سکتی ہے جب ان کی داخلی روحانی ساخت صحیح طریقہ سے کام کرے۔

یہی وجہ ہے کہ کائنات کے تمام عناصر صرف ذکر اللہ کو سننے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ وہ پیاسے کی طرح اس کے نام کی طرف لپکتے ہیں اور وہ اسی کے باعث زندہ ہیں۔

کیا آپ نے دیکھا نہیں ہے کہ جب دریا ایک آبشار کی صورت میں گرتا ہے، تو اپنی قوت اسم "القوی" سے حاصل کرتا ہے۔ اور جب ایک آگ جنگل میں بھڑک اٹھتی ہے اور اس کے شعلے آسمان سے بائیں کرتے

ہیں تو اسم "الضائر" ان شعلوں کو بھڑکا کر اس کے حبلالہ
 اس کے غصے کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ اور جب صبح کے
 وقت ایک پرندہ (ماں) اڑ کر دوڑ جاتا ہے، تاکہ اپنے
 چوزوں کے لئے غذا لاسکے، تو اسم "الرقیب" ان چھوٹے
 بے سہاروں چوزوں کی نگہبانی کرتا ہے۔

اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ کے اسماء اس کے
 نام کس طرح دنیا کو توازن میں رکھتے ہیں۔ وہ کائنات میں
 کس طرح ایک نظم و ضبط برقرار رکھتے ہیں۔ یہ ہے ذکر اللہ
 کے کام کرنے کا طریقہ، تمام مخلوقات کے لئے یہ ایک غذا
 ہے۔

اگر کسی کا ظاہری جسم اچھی غذا کا حامل ہے، تو کیا
 وہ مضبوط اور صحت مند نہ ہوگا، دن کے آغاز سے لے
 کر اس کے اختتام تک، اس میں کام کرنے کی تمام ترقوت
 ہوتی ہے، وہ کوئی بھی ممکن محسوس نہیں کرے گا۔ وہ
 خوش اور مطمئن ہوگا اور زیادہ تر بیماریاں ایسے آدمی سے
 دور رہتی ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنے ظاہری جسم کو نظر انداز کرتا
 ہے، تو پھر اس کی کمزوریاں اسے زیادہ کام کرنے نہیں
 دیں گی۔ وہ بیماریوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے

گا۔ اور اس کی زندگی غم و الم سے بھری ہوگی۔
 بالکل اسی طرح ایک آدمی کا داخلی جسم، یعنی
 اس کی رُوح بھی رکھوالی کی منتظر ہے۔ اس کو کافی غذا دی
 جائے تاکہ یہ صحت مند اور مضبوط رہے، اور دل کے تمام
 امراض کا مقابلہ کر سکے۔

بدقسمتی سے آج کل کے لوگ اس طرح نہیں سوچتے،
 وہ صرف اپنے خارجی جسم کی رکھوالی کرتے ہیں جو ایک
 حقیر مٹی سے بنا ہے، جو روح کے لئے بس ایک پتھرہ
 ہے، جو یہاں چند دنوں کے لئے ہے اور جو بہت جلد
 کیڑے مکوڑوں کی غذا بنے گا۔ وہ اپنے دن رات ایک
 کر کے اس بے حقیقت جسم کے آرام و آسائش کے بارے
 میں سوچتے رہتے ہیں۔

آپ ماضی کے لوگوں کی مثال لے سکتے ہیں کہ کس
 طرح وہ اپنے جسموں کا خیال رکھتے تھے۔ وہ اس کو بہترین
 غذا کھلاتے تھے، اور اس کو بہترین لباس اور زیور سے
 آراستہ کرتے تھے۔

مثال کے طور پر مصری، دودھ، لونڈرا اور گلاب
 کی پٹیوں سے نہاتے تھے۔ وہ دن رات ایسے علاج

معالجہ کی تلاش میں رہتے جو بڑھاپے کو شکست دے سکے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے کی خاطر انسانی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ مگر انہوں نے چاہے کچھ بھی کیا، ان کے خاکہ جسم نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ بیمار پڑ گئے، وہ بوٹھے ہو گئے۔ ان کی جھریاں پڑ گئیں، وہ بد صورت ہو گئے، لیکن وہ اس کے خلاف کچھ نہ کر سکے۔

اور جب روح نے اپنا پنجرہ چھوڑا تو ان کا خیال تھا کہ شاہی خاندان والوں کی ارواح لوٹ کر واپس آجائیں گی۔ ان کا خیال تھا کہ ان ارواح کے واپس آنے پر انہیں خاکہ جسموں کی ضرورت پڑے گی، اسی دولت اور شان و شوکت کی ضرورت پیش آئے گی، خاص طور سے ان شاہوں کو جنہیں فرعون کہا جاتا تھا۔ جب وہ ایک مرتبہ دوبارہ زندہ ہوں گے تو انہیں ہر چیز کی ضرورت پڑے گی۔ تخت و تاج، سونا چاندی سے لے کر غلام اور نوکر چاکر تک۔

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی بھی ان کا فرعون مرنے لگا تو اس کے مقبرے کو ان تمام آسائشوں سے بھر دیا جاتا تھا۔ جو اس بادشاہ کے لائق سمجھی جاتی تھیں۔ اس کے جسم کو

ہر قسم کی خوبصورتی، کافور، اور دواؤں سے تر بہتر کیا جاتا تھا۔ تاکہ وہ گل سڑ نہ جائے اور دوسری زندگی کے لئے سلامت رہے۔ یہ جسم جنہیں اب آپ عجائب گھروں میں رکھا دیکھتے ہیں، وہ سب کے لئے عبرت کا باعث ہیں۔ ان سب لوگوں کے لئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں ان کی زندگیاں ختم نہیں ہوں گی اور وہ ہمیشہ قائم رہیں گے۔

وہ جو زندگی میں بھی نسبت اسی نے بعد مرگ و یا قلع یہ قلع ہے کیسا کہ بے ستم گئی زندگی پر نہ کیا قلع! ماضی کے زیادہ تر لوگوں کا پٹری زندگی تھا، یعنی بس ان خاکھی جسموں کے عیش و آرام کے لئے، مزہ اٹھانے اور ان کی نشوونما کے لئے زندہ رہنا۔ بد قسمتی سے اس لاعلم حیوان میں وہ اپنے داخلی جسم کی ضروریات کو بھول بیٹھے۔ اس جسم کی جو نہیں مڑتا اور جو اس دنیا کا رہائشی نہیں ہے۔ اس غفلت کی وجہ سے روح کو غذا نہیں ملتی، اس کی دیکھ بھال نہیں ہوتی اور رفتہ رفتہ وہ کمزور ہونا شروع کرتی ہے۔

جو دن یادِ الہی میں نہ گزرے، وہ دن روح کو

کمزور کرتا ہے۔ اور دھیرے دھیرے وہ چوڑ چوڑ ہو کر
 نڈھال ہو جاتی ہے۔ ایک تندرست اور مضبوط روح اللہ
 کے اسم پر کان لگائے رہتی ہے۔ وہ جب بھی اور جہاں
 سے بھی یہ ذکر سنتی ہے، اُسے جذب کر لیتی ہے، اس سے
 مزے لیتی ہے، اور کامران رہتی ہے، تمام انسانی ارواح
 کو اس ذکر پر کان لگائے رکھنا چاہیے، اُسے تلاش کرنی
 چاہیے اور اس کی طلب کرنی چاہیے۔

انسانی روح اور قدرت کے باقی دوسرے عناصر
 میں یہ بنیادی فرق ہے۔ اللہ کی باقی ماندہ دوسری
 مخلوقات پر اللہ اپنے اسمائے حسنیٰ، اپنی رضا سے نچھاور
 کرتا ہے۔ سوائے جن و انس کے، یہ اسمائے حسنیٰ انہیں
 صرف اس وقت دیکھے جاتے ہیں جب وہ اس کی
 تلاش کرتے ہیں، جب اس کی طلب موجود ہو۔

ایک تندرست روح اس بات کو جانتی ہے اور
 وہ اس جسم کی حرکات کو کنٹرول کرتی ہے، جو اس روح کا
 مالک ہے۔ جب ایسا شخص کسی بدی کے قریب جاتا ہے،
 تو اس کی روح اسے متنبہ کرتی ہے۔ مثال کے طور پر ٹرک
 کے کنارے ایک ہزار والا نوٹ پڑا ہوا ہے۔ اب کسی شخص

کا اس کے بارے میں عمل کا انحصار اس پر ہے کہ اس کی
 رُوح کس قسم کی ہے۔ ایک صحت مند رُوح اُسے حکم دے
 گی کہ وہ اس نوٹ کے مالک کو تلاش کرے، یا وہ کچھ
 کرے جو اللہ نے ایسے حالات میں کرنے کے لئے کہا ہے۔
 لیکن جب ایک ایسے شخص کی نظر اس پر پڑے گی
 جس کی رُوح کمزور ہو، تو وہ اس نوٹ کو اپنے لئے ایک
 اچھا شگون سمجھے گا۔ اب چاہے نوٹ کا اصلی مالک اپنے
 گم شدہ نوٹ کو تلاش بھی کرتا نظر آئے، تب بھی وہ نوٹ
 اس کے حوالے نہیں کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب
 کسی کی رُوح کمزور و لاغر ہو جاتی ہے، تو اس کا نفس
 اس پر حکمرانی شروع کر دیتا ہے، پھر اس کے اعمال اُس
 کے نفس کی طلب کے محتاج ہوں گے اور بلاشبہ نفس کو
 تو اپنی دنیا چاہیے۔

ایسے لوگوں کی خواہش کی صرف یہ دنیا ہے، انہیں
 صرف یہ دنیا نظر آسکتی ہے۔ یہی ان کی واحد خواہش
 ہے، وہ کسی دوسری دنیا کو جانتے ہی نہیں، اور نہ ہی
 انہیں اُس حقیقی دنیا کی تمنا ہے۔ جو ان کی اس فانی دنیا
 سے بالا ہو۔

لیکن ایک لاغر رُوح ضروری نہیں کہ ہمیشہ لاغر ہی رہے۔ ایک رُوح جو نفس کے کنٹرول کے باعث کمزور ہو چکی ہو، ضروری نہیں ہے کہ کمزور ہی رہے۔ اللہ کی رحمت دینا میں ہر سو پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے اسمائے حسنیٰ کی بارش ہر وقت جاری رہتی ہے، اس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ آپ کو کرنا یہ ہے کہ بس طلب کریں۔ کشادہ دلی سے طلب کریں۔ ایک مضبوط دل کے ساتھ اور یقیناً آپ کو اس رحمت میں سے اپنا حصہ ملنا شروع ہو جائے گا۔ بس اپنی تمام مصروفیات میں سے کچھ وقت نکالیں خاموشی سے بیٹھ جائیں اکیلے کسی کمرے میں اور اپنے دل کی آواز کو سننے کی کوشش کریں۔

اور پھر آواز کو اسمائے اللہ میں بدل دیں۔ اپنے پورے بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیں اور پھر اس اسم کو اپنے ارد گرد لپیٹیں۔ پھر تلاوتِ قرآن شریف کریں یا کوئی حمد یا نعت پڑھیں، تاکہ دوسرے بھی اس کو سنیں۔ تاکہ وہ ہوا بھی اس کو سن سکے جو آپ کے چاروں طرف موجود ہے۔ تاکہ وہ بلکی سی چاندنی بھی اس کو سن سکے، جو خاموشی سے آپ کے کمرے میں داخل ہوئی ہو، تاکہ آپ کی رُوح اس

کو سُن سکتے اور پھر ان سب کو سُور میں جھوٹنے دیں اور
لُٹے میں غرق ہونے دیں۔

یہی وہ وقت ہوگا جب آپ خوبصورت اسمائے
اللہ کو دیکھنا شروع کریں گے۔ چمکتے، دھمکتے آپ کے ارد گرد
اور چند لمحوں میں آپ کے دل میں شدید تڑپ پیدا ہونا شروع
ہوگی شراب کے ان قطروں کے لئے تڑپ جو اسمائے اللہ
ہر طرف برسا رہا ہوگا، ہر ایک سے کہیں کہ وہ اس شراب
کے پینے سے نہ ہچکچائے اور اس سُور میں کھوجانے میں نہ
شرمائے، کیوں کہ یہ آپ کے اللہ کی طرف سے ہے، یہ
اس کی رحمتیں اور نعمتیں ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ
نے فرمایا ہے:

” ذہن ایک مہاساگر ہے۔ اس میں میں
نے کئی دنیاؤں کو سموئے پایا۔ پُرا سرار اور
مُشکل سے دکھائی دینے والے، اور ہمارے بدن“
ہمارے بدن سمندر کی سطح پر بہتا ہوا ایک پیالہ ہے،
جلد ہی وہ بھر جائے گا اور ڈوب جائے گا۔ جب
وہ نیچے جائے گا، تو ایک بلبلا تک نظر نہیں
آئے گا۔

رُوح اتنے قریب ہے کہ آپ اُسے دیکھ نہیں سکتے۔
 لیکن اس کی طرف ہاتھ بڑھائیں..... ایک صراحی نہ
 بنیں! پانی سے لبالب، جس کے لب ہمیشہ خشک، وہ
 شہسوار نہ بنیں جو ساری رات گھوڑے کو بھگاتا ہے اور
 کبھی بھی اس گھوڑے کو نہیں پاتا جس پر وہ سوار ہے۔
 میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور کرم کے
 صدقے ہمارے باطنی دل کو، ہماری باطنی روح کو کھول
 دے اور اپنے اسمائے حسنیٰ سے پھوٹنے والی نعمتوں کے
 لئے ہماری طلب میں روز افزوں اضافہ فرمائے۔

آمین!

۱۰۰ مثنوی

باب (۱۱۳)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو اس کائنات کا نور ہے، جو مالک الملک ہے، جو صراطِ مستقیم کا مالک اور رہنما ہے۔

درود و سلام ہوں تمام صالحین کے امام، تمام عاشقین کے سردار اور تمام صدیقین کے سید پر۔

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے گھرانوں کے لئے۔ سلامتی ہو ان پر جو اپنے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہر جمعہ اس محفل میں حاضر ہوتے ہیں۔

اس دنیا میں بے شمار جواہرات ہیں۔ اگر آپ سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ لگائیں تو آپ کو موتی ملیں گے، جو دودھ کی طرح سفید یا اس سے بھی زیادہ خوبصورت رنگوں میں ہیں۔ جو تلاش کے جانے کے منتظر ہیں۔ تاکہ وہ کسی

خوبصورت گلے یا نازک کلائی کی زینت بن سکیں۔ بالکل اسی طرح جب آپ کوئی کان کھودیں گے تو آپ کو وہاں ہر قسم کے قیمتی اور نیم قیمتی جواہرات موجود ملیں گے۔ اس دنیا میں کوئی بھی شخص زبرد کی ہری چمک سے مسحور ہو سکتا ہے۔ یا وہ یا قوت کی سُرخمی کو اپنے محبوب کے لبوں سے تشبیہ دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور قیمتی جوہر بھی ہے۔ جس کی بنیاد (اگرچہ) کاربن میں ہے، لیکن جب اسے زمین کے قلب میں سختی سے دبا کر کافی گرمی پہنچادی جاتی ہے، تو کاربن کی سیاہی ہیرے کی شاندار چمک میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

ان جواہرات کو اس دنیا کا خزانہ مانا جاتا ہے، اور اس دنیا میں جس کے پاس ان میں سے کوئی بھی خزانہ ہے، تو وہ اسے اپنا سب سے قیمتی اثاثہ سمجھ کے رکھتے ہیں۔ اور ان کی نمائش بڑے فخر اور غرور سے کرتے ہیں۔ اس دنیا کے جواہرات سب کے لئے آزمائش ہیں۔

یہ جواہرات قیمتی ہیں لیکن انہیں چرایا جاسکتا ہے۔ یا یہ گم بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ آپ (کے جسم) پر خوبصورت لگ سکتے ہیں، لیکن آپ کے دل کو حسین نہیں بنا سکتے۔

ان کو آپ اپنے خارجی جسم کی زینت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اللہ کے سامنے ان جواہرات کی قدر و قیمت نہیں۔ اللہ کی نگاہ میں یہ جواہرات محض رنگین پتھر ہیں۔ اتنا بے قیمت جیسے کہ کنکریاں، یہ اس دنیا میں سب کے لئے آزمائش ہیں۔ اس کی چمک دمک نہ صرف آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے، بلکہ یہ دل میں لالچ کے چھوٹے چھوٹے داغ بھی ڈال دیتے ہیں۔

دنیا کی چاہت یہ سب کچھ آپ کے ساتھ کرتی ہے۔ یہ آپ کو اندھا اور بے حس کر دیتی ہے۔ یہ آپ کے دل کو دوسروں کی طرف مُردہ اور بے حس کر دیتی ہے۔

لیکن اس دنیا میں ایک جوہر ایسا بھی ہے جو منفرد اور کسی بھی دوسرے جوہر سے زیادہ قیمتی ہے۔ یہ بہت قیمتی ہے اور اس کی قیمت کا علم صرف اللہ کو ہے۔ یہ ایک بہت ہی خاص جگہ میں پایا جاتا ہے۔ اس جوہر کا مسکن دل کی گہرائیوں میں ہے۔ اور یہ صرف اس وقت نظر آتا ہے جب یہ کسی عاشق کی آنکھ سے ٹپکتا ہے۔ جب یہ اللہ کے عاشقین کی آنکھوں سے اشک بن کر ٹپکتا ہے۔ وہ آنسو جو اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ

علیہ وسلم کی محبت میں بہتے ہیں۔ یہ وہ آنسو بھی ہیں جو توبہ اور پشیمانی کے وقت بہتے ہیں، جو عشق کے آنسو ہیں۔
 کوئی بھی جو ہر ان جواہرات کی چمک کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یعنی ان کی قدر و قیمت کے لحاظ سے۔ لیکن یہ آنسو آج کل اتنے عام نہیں رہے۔ آج کے دور میں لوگ ان کی اتنی قدر نہیں کرتے۔ وہ اپنی زندگیوں میں اتنی خوشیوں میں مزے لٹانے میں بہت زیادہ مصروف ہیں۔ جو ان کے چاروں اطراف پھیلی ہوئی ہیں۔

دنیا کے ساتھ اس طرح ملوث ہونا اس قدر گرفت والا ہوتا ہے کہ سارا وقت اس میں صرف ہو جاتا ہے۔ انہیں اپنے ہر لمحہ، ہر لحظہ اس دنیا کے کاموں کے لئے دنیا پڑتا ہے۔ سخت محنت کرنی پڑتی ہے، تاکہ وہ کامیابی کے زینے طے کر کے اوپر تک پہنچ سکیں۔ ان کی زکاتیں ہر وقت اس زینہ کی سب سے اوپر والی سیڑھی پر لگی رہتی ہیں اور وہ وہاں تک رسائی کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ بد قسمتی سے کامیابی کا یہ زینہ اب اتنا آسان نہیں رہا۔ اس پر چڑھنے کے قواعد بدل گئے ہیں۔ اب قواعد دوسروں کو نیچے دھکیلنے والے ہو گئے ہیں۔ تاکہ وہ خود

اُور جاسکیں۔ اور اپنے اس مقصد کو پانے کے لئے وہ
 ہر ممکن غلط ذرائع کام میں لاتے ہیں۔ یہ آج کی دنیا میں
 کامیابی کے قواعد ہیں۔

لیکن گزشتہ دور میں یہ قواعد بالکل مختلف تھے۔
 قواعد بس یہ تھے کہ کام محنت سے کریں اور اپنے کام
 میں مہارت حاصل کریں۔ وقت کو مناسب طور سے
 استعمال کریں۔ اور بس انہی قواعد کی پابندی کرنے سے، اگر
 اللہ چاہتا تو کامیابی کا حصول آسان ہوتا تھا۔ مگر اس میں
 وقت، محنت اور ایشیا کی ضرورت ہوتی تھی، جو
 ان دنوں کا ایک دستور تھا۔

یہ ایک عام دستور اس لئے تھا کہ اُس وقت لوگ
 زیادہ تر سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور زندگی سے ان کی
 توقعات بھی سادہ تھیں۔ ان کی سماجی اور اخلاقی قدریں مضبوط تھیں۔
 اور ان کی ترجیحات مختلف تھیں۔ اپنے اللہ پر ایمان نہایت پختہ
 تھا، اور وہ جانتے تھے کہ انہیں جو کچھ بھی مل رہا ہے، وہ ان
 کا نوشتہ تقدیر ہے۔ وہ اپنے اللہ کی رضا میں راضی رہتے تھے۔

آج کے لوگوں کے مقابلہ میں اس زمانے کے لوگوں
 کی سوچ میں بہت بڑا فرق تھا۔ وہ اپنا موازنہ دوسروں

سے نہیں کرتے تھے۔ اللہ نے ان کو جو کچھ دیا ہوا ہوتا تھا، وہ اس سے مطمئن رہتے تھے۔ دوسروں کی چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے ان کے دلوں میں حرص نہیں تھی۔ وہ دوسروں کی زندگیوں میں مداخلت نہیں کرتے تھے، وہ اپنے گھرانوں میں اس قدر مگن رہتے تھے کہ دوسروں کے ساتھ کسی دوڑ میں حصہ نہیں لیتے تھے۔ ان کی خوشیاں ان کے اپنے خاندان کے گرد گھومتی تھیں۔ وہ مال کی بجائے دلوں کی قدر کرتے تھے۔ وہ اپنے دوست احباب کا انتخاب خلوص کی بنیاد پر کرتے تھے۔

اُس دور میں جب کس کو دوست کہا جاتا تھا، تو وہ دوستی زندگی کی آخری سالس تک برقرار رہتی، اور اس شخص سے خاندان کے فرد کی حیثیت سے پیار کیا جاتا تھا۔ جب وعدہ کیا تو اسے نبھایا بھی جاتا تھا۔ جب کوئی کام کیا جاتا تو وہ خلوص دل، سچائی اور ذمہ داری سے کیا جاتا تھا۔ اس دور کے لوگ انسانوں کی قدر کرتے تھے، وہ انسانیت کے قدر دان تھے۔

ان کی تفریح کا سامان لوگوں کے درمیان ہوتا تھا کیونکہ اس دور میں ٹیلی ویژن یا انٹرنیٹ جیسی توجہ ہٹانے والی

چیزیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے پاس ایک دوسرے کے لئے وقت بہت ہوتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ ان میں قربت زیادہ تھی۔

سوال یہ ہے کہ وہ عزیزوں کے لئے اتنے حساس کیوں تھے، وہ ادب آداب کے بارے میں اتنے آگے کیوں تھے۔ وہ علم و دانائی کی اتنی قدر کیوں کرتے تھے؟ اور کیوں وہ اپنے دین کے حقیقی معنی جانتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا نظام الاوقات ان کی پانچ وقت نمازوں کے گرد گھومتا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا دن فجر سے شروع ہوتا اور عشاء پر ختم ہوتا تھا۔ ان کے پاس آج کے دور کی عیاشیاں نہیں تھیں۔ اور انہیں اپنا کام زیادہ تر اپنے ہی ہاتھوں سے کرنا پڑتا تھا۔

وہ آٹا خود اپنے ہاتھوں سے چکی چلا کر زکالتے پکڑے اپنے ہاتھ سے دھوتے۔ اپنے لئے سبزیاں اور غلہ وغیرہ خود اگاتے تھے۔ مگر وہ سچے لوگ تھے، ان کی ضروریات سادہ اور ان کے تقاضے کم تھے۔ وہ اپنے تمام افعال و اعمال کو دین اسلام کے ترازو میں تولتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ اللہ نے ان کے وقت میں کشادگی

دی ہوئی تھی۔ ان کے پاس دنیا کے ساتھ ساتھ اپنے اللہ کے لئے بھی وقت تھا۔ وہ کبھی وقت کی کمی کا شکار نہیں ہوئے۔ انہوں نے نہ تو کبھی اپنے خاندان کو نظر انداز کیا، نہ اپنے دوستوں کو، نہ ہی اپنے پڑوسیوں کو نظر انداز کیا۔ اور اسی طرح نہ ہی کبھی اپنے فرائض سے غافل رہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان سچے لوگوں کے دلوں میں سچے خوشی تھی۔ ان کی ہنسی سچی ہنسی تھی۔ اور ان کی محبت سچی محبت تھی۔ ان کے آنسو سچے آنسو تھے۔ وہ آنسو جو باہر تھے جن کا مسکن ان کے دلوں کی گہرائیوں میں تھا، جب ان کے دل ان سے بھر جاتے تھے، تو یہ جو اہران کی آنکھوں میں چمکتے اور نہایت خاموشی سے ان کے رخساروں پر بہتے ہوئے اس مقام تک پہنچتے جو ان اشکوں کی اصل جگہ ہے۔ ان اشکوں کی اصل جگہ قلب الہی کا مرکزی مقام ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں جانے کے لئے وہ توڑتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اسی جگہ پہنچیں گے۔

جب ہم اشکوں کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں تو کیا ہمیں ان اشکوں کے متعلق بات نہیں کرنی چاہیے جو

رات کی تنہائی میں بڑی خاموشی سے آنکھوں سے بہتے
 ہیں۔ یہ اشک اس وقت بہتے ہیں جب دل دربارِ رب
 ذوالجلال میں حاضر ہو اور جبینِ حالتِ سجدہ میں اللہ کے
 آگے جھکی ہوئی ہو۔ جب سینہ آہوں اور سسکیوں کے تلاطم
 میں ہو، اور آنکھیں اشکبار ہوں۔ جب لبوں پر استغفار
 ہو اور جسم کے ہر خلیہ پر پستیانی کے باعث لرزہ طاری ہو۔
 یہ خوب صورت اشک توبہ کے آنسو ہیں اور یہ اس
 وقت بہتے ہیں جب کوئی شخص سچائی کے ساتھ اپنے رب
 العزت سے بخشش چاہے اور جب اس کے اعمال کی
 شرمندگی اس کے دل پر ضربیں لگائے اور اس کی پستیانی
 اور احساسِ جرم اسے ایک لمحہ بھی چین سے رہنے نہ
 دیں۔

توبہ ایک عبادت ہے، یہ ایک ایسا عمل ہے کہ
 جو آپ کے اللہ کو پسند ہے۔ یہ ایک عمل ہے جو دل میں
 حیا اور انکساری پیدا کرتا ہے۔ یہ عمل صرف اس وقت
 آتا ہے جب آپ اپنے سارے گناہ قبول کرتے ہیں اور
 ان پر شرمندہ ہوتے ہیں۔

سچی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے کئے پر نہ

صرف شرمندہ ہیں بلکہ اسے کبھی دوبارہ دہرانا بھی نہیں چاہتے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے آپ میں یہ ارادہ پیدا کیا کہ آپ زندگی بھر اب اس گناہ کے قریب نہیں جائیں گے۔

ہمیشہ یاد رکھئے کہ توبہ کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم اعترافِ گناہ ہے جب آپ اپنی غلطیوں کو تسلیم کریں گے، توبہ ہی آپ اس کے لئے معافی مانگ سکتے ہیں۔

لیکن کیا ہوگا اگر آپ آج کل کے بیشتر لوگوں کی طرح اپنی غلطیوں کو تسلیم نہ کریں، اور اس کے بجائے بہانہ بازی کریں۔ تو آپ کی توبہ، آپ کی پشیمانی اور آپ کا احساسِ جرم کہاں سے آئے گا۔ یہ دراصل آپ کا غرور اور تکبر ہے جو آپ کو اپنی غلطیوں کو تسلیم کرنے سے روکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنی غلطیاں دوسروں کے سر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مثلاً آپ کہہ سکتے ہیں یہ تو فلاں فلاں شخص تھا، جس نے غبن کا یہ خیال میرے ذہن میں ڈالا تھا۔ اس نے ہی اس کی منصوبہ بندی کی تھی۔ میں اس کا الزام اپنی اپنے سر لوں، جب کہ میرا اس میں چھوٹا سا ہی حصہ ہے۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ مہنگائی کتنی بڑھ گئی ہے،
 ایسے حالات میں کوئی بچوں کا سامنا کس طرح کرے۔ کیا
 ہوا اگر میں نے کچھ رقم جعلی کاغذات کے ذریعہ نکلائی، کیا
 ایسا ہر معقول آدمی نہیں کر رہا، تو پھر ہم معافی یا سچی توبہ پر
 زور کیوں دیں؟

آج کل یہ گمراہ لوگ جو کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ یہ
 گناہ کا کام کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے دل اور اپنے کانوں
 کو اس پر بند کر دیتے ہیں۔ اس سے بے نیاز ہو کر کہ اس
 گناہ سے ان لوگوں پر کیا اثر پڑ رہا ہے جو ان کے ارد گرد
 موجود ہیں۔ اس بات سے بے نیاز کہ اس سے اللہ کا نظام
 کس طرح بے توازن ہو رہا ہے۔ اس حقیقت سے بے
 نیاز کہ کوئی عظیم ہستی نہایت خاموشی سے جائزہ لے رہی
 ہے۔

وہ ہستی جو ان کے سب گناہوں سے آگاہ ہے، خواہ
 وہ چھوٹا گناہ ہو یا بڑا، پوشیدہ ہو یا ظاہر، وہ ہستی جو تمام
 مخلوقات کے اعمال سے باخبر ہے۔ چاہے کوئی عمل رائی
 کے دانے کے برابر چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ہستی جو قصداً
 اپنی رسی کو ڈھیلا چھوڑتی ہے۔ مگر جب وہ اس رسی کو

کھینچتی ہے، تو پھر کوئی بھی اس کے غتاب سے نہیں
بچ سکتا۔

اے اُمّتِ محمدی! آج کے لوگ کتنے بد بخت اور
احمق ہیں۔ یہ کتنے شرم کی بات ہے، جب اللہ نے
گناہوں کو دھونے کا ایک خوبصورت طریقہ آپ کو عطا
کیا ہے۔ اپنے دل کے سیاہ دھبوں کو صاف کرنے کا
طریقہ اور اپنے اللہ سے رجوع کرنے کا طریقہ دیا ہے، تو
پھر آپ کا غرور، آپ کا تکبر اور دنیا کے لئے آپ کی حرص
آپ کو توبہ کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟

آپ ان اشکوں کو کیوں روک رہے ہیں۔ پشیمانی
کے ان اشکوں کو جنہیں اللہ بہت پسند کرتا ہے۔ آپ
کی آنکھیں اور آپ کے دل اتنے بند کیوں ہیں.. آپ
اپنی سچی محبت سے اتنا دُور کیوں ہیں... کون آپ کو
روک رہا ہے؟ جب آپ کا اللہ آپ کا منتظر ہے...
وہاں وہ آپ کے لئے موجود ہے تو پھر آپ کے اور اس
کے درمیان اتنے حجابات کیوں ہیں؟

اے اُمّتِ محمدی! جب دنیا گہری نیند سو رہی
ہو۔ جب چاند اپنی چاندنی خاموشی سے آپ کے کمرے

میں پھیلا رہا ہو۔ جب ہر طرف مکمل تنہائی اور سکوت ہو تو پھر آرام سے اپنے بستر سے اُٹھے اور اپنے اللہ کے آگے کھڑے ہو جائیے، پھر قیام کی حالت سے رکوع میں جائیے، رکوع سے سجدہ میں جائیے۔ اور پھر نہ صرف اپنا سر جھکا ئیے بلکہ اپنا دل بھی جھکا ئیے اور پھر آہستگی اور نرمی سے اپنی تمام خطاؤں کا اعتراف کرنا شروع کیجئے۔ اپنے گناہوں کا، اپنے اللہ واحد کے دربار میں، سمیع و بصیر کے دربار میں۔

اپنے لبوں کو الفاظ ادا کرنے دیں، لیکن آپ کے دل کو آپ کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کی مکمل تصدیق کرنی چاہیے۔ اور پھر ان الفاظ کو اپنے دل میں طوفان برپا کرنے دیں۔ اور پھر اس طوفان سے آنکھوں میں جواہر کو آنے دیں۔ اور ان جواہر کو آنکھوں سے مشکوں کی صورت میں بہنے دیں، توبہ کے آنسو، اپنے سینے کو سسکیوں سے زیر و بم ہونے دیں۔ اور جسم کے ہر ایک خلیے کو حالتِ پشیمانی میں کانپنے دیں۔

یہ سب کچھ ایک سچے دل سے ہونے دیں۔ اور پھر آپ دیکھیں گے کہ کچھ ہی دیر میں آپ کا یہ کانپتا،

سکتا جسم اس کی بانہوں میں ہوگا۔ کیوں کہ جب آپ ان جواہر کو اپنے اللہ کے لئے بہاتے ہیں، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ آپ کی فریاد نہ سُنے اور آپ کو تنہا چھوڑ دے، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ آپ کو اپنی بانہوں میں نہ لے اور ان اشکوں کو لے کر اپنے دل میں نہ رکھے۔

اے اُمّتِ محمدی! آپ ابھی تک کیا سوچ رہے ہیں؟ وہ کیا چیز ہے جو آپ کو جانے سے روک رہی ہے۔ جب کہ وہ ہستی وہاں آپ کو اپنی محبت بھری آغوش میں لینے کے لئے منتظر ہے۔ ان اشکوں کی منتظر ہے۔

جائیے اس کے پاس۔ ہر دن جائیے اور ہر رات جائیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہی جواہر، توبہ کے یہی آنسو آپ کو بہت کم وقت میں سب سے زیادہ مال دار بنا دیں گے۔

میری دعا ہے کہ آپ سب اللہ کے عشق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مکمل طور سے مبتلا ہو جائیں۔

آمین!



۱۲ مئی ۲۰۱۰ء

باب (۱۱۴)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کا رب اور ان سب کا رب ہے جو نور
محمدی سے پیدا کئے گئے تھے۔ بے شک اللہ ہی خالق
ہے، سارے جہانوں کا المصنوع۔

درود و سلام ہوں قلب الہی کے نور پر، اس نور
پر جو تمام کائناتوں میں موجود ہے، جو اللہ کے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کا نور ہے، سچے رسول کا۔

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے
اور آپ کے گھرانوں کے لئے۔ سلامتی ہو ان سب کے لئے
جو ایک بہت ہی مشکل وقت میں زندگی بسر کر رہے
ہیں۔ اور یہ مشکل انہیں اس لئے درپیش ہے کہ وہ خود
کو اللہ کا عاشق کہلاتے ہیں۔

جب آپ کہتے ہیں کہ ”اے ربی، اے میرے رسول، مجھے آپ سے محبت ہے“ تو توقع رکھیں کہ مصائب کا ایک سیلاب آپ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایک بھری ہوئی موج کی طرح۔ یہ بے صورت حال۔ یہ ہے وہ ردِ عمل جو یہ دنیا اللہ اور اس کے رسول کے عاشقین کے معاملے میں ظاہر کرتی ہے۔

کیا آپ کی نظر میں یہ عجیب نہیں ہے۔؟ یہ مصائب اور مشکلات انہی لوگوں کی طرف سے ہوتی ہیں جو ان عاشقوں کے ارد گرد موجود ہیں، اور ان میں اکثر کا تعلق اسی مذہب سے ہے۔ وہ بھی کلمہ گو ہیں اور مذہبی عقائد کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ تو پھر کیوں وہ اپنے اللہ کے نام، اس کے ذکر اور اس کی محبت کی مخالفت کرتے ہیں؟

یہ وہی لوگ ہیں جنہیں جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو طویل سجدے کرتے ہیں اور اپنے اللہ سے لمبی دعائیں مانگتے ہیں، لیکن جو نہی اس مصیبت سے چھٹکارا پانے ہیں، ان کا رویہ لمحوں میں بدل جاتا ہے۔ ان کے طویل سجدے غائب ہو جاتے ہیں، ان کی دعائیں بند ہو جاتی ہیں۔ ان

کی وہ محبت جس کا وہ مصیبت کے وقت مظاہرہ کر رہے تھے، وہ ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

پھر ہر چیز بدل جاتی ہے، جیسے ہی مصیبت ختم ہوتی ہے، تو وہ پھر سے اپنے اس آرام دہ ریشمی خول میں لوٹ آتے ہیں جو انہوں نے اپنے ارد گرد بنا رکھا ہے۔ یہ ریشمی خول دنیا کی وہ لذتیں ہیں جو انہیں اس طرح جکڑ لیتی ہیں کہ ان کا ذکر اللہ ہیچھے رہ جاتا ہے اور دنیا کا بے سرو پاشور ان کے دلوں اور ذہنوں کو اپنے طرف کھینچتا ہے۔

یہ صورت حال ان لوگوں پر اگلی مصیبت کے آنے تک برقرار رہتی ہے جب وہ اپنے اللہ کی طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے، اپنے طویل سجدوں اور لمبی دعاؤں کے ساتھ۔ اگر وہ خود اپنے معاملات میں اس قدر مصروف ہیں، تو پھر دوسروں کو ذکر اللہ سے کیوں روکتے ہیں؟ وہ دوسروں کو اللہ کے پیغام، اللہ کے نور کو چھپانے سے کیوں روکتے ہیں؟ وہ ان عاشقوں پر مختلف قسم کے لیبل کیوں چسپاں کرتے ہیں؟ وہ ان کی سرزنش کیوں کرتے ہیں یا ان کا مذاق کیوں اڑاتے ہیں؟ اس کا سادہ جواب

یہ ہے کہ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی انہیں اللہ کی یاد دلائے۔
یہ یاد دہانی ان کے لئے تکلیف دہ ہے، کیوں کہ
ان کی نظر میں اس سے اسلام ان کی آزادی پر بہت سی
پابندیاں لگاتا ہے۔ وہ اپنی پسند کے مطابق لباس
نہیں پہن سکتے۔ وہ اپنی پسند کے مطابق بات نہیں کر
سکتے، وہ اپنی پسند کی زندگی نہیں گزار سکتے۔ یہی وجہ ہے
کہ وہ نہیں چاہتے کہ انہیں کوئی اللہ اور اس کی تعلیمات
کی یاد دلائے۔

یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو جب اللہ کے عاشقین
کے پاس جاتے ہیں تو ان کی آنکھیں، کان اور دل سب
کے سب مضبوطی سے بند ہوتے ہیں جس واحد چیز کو یہ
کھلا چھوڑ دیتے ہیں وہ ہے ان کی زبان، جسے یہ آزادی
سے ادھر ادھر لہراتے رہتے ہیں۔ یہ زبانیں اس تیزی سے
حرکت کرتی ہیں کہ اللہ کا نام سنائی نہیں دیتا۔ یہ زبانیں
جنتیں پیش کرتی ہیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
محبت نہ پھیلے۔ یہ زبانیں زہر افشانی کرتی ہیں، تاکہ اللہ
کے نام کی مٹھاس کو محسوس نہ کیا جاسکے۔
یہ اس چھوٹی سی کنکری کی مانند ہیں جو ہو سکتا ہے،

کہ کسی عالیشان پہاڑ کی چوٹی پر ہو، جو جب نیچے کی طرف دیکھے تو خود کو پوری دنیا سے بالا تر جانے، سب سے بلند ترین مقام پر۔

لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے اگر کسی نے اس چھوٹی سی کنکری کو پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دیا ہو، وہ بہر حال ایک چھوٹی سی کنکری ہی تو ہے۔ زمین کی ہلکی سی جنبش آسانی سے اس چھوٹی سی کنکری کو اٹھا کر ایک اتھائی کھائی میں پھینک سکتی ہے، اور دیکھئے تو ذرا کہ کیا اس تباہی سے اُسے کوئی بچانے والا ہوگا؟

ہمیشہ یاد رکھیے کہ اونچائی سے گرنا بہت تکلیف دہ ہے، اللہ انہیں جو بھی بلند مقام عطا فرماتا ہے، یہ لوگ تکبر کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ سوچ کر یہ مقام انہیں اپنی کوششوں اور ذہانت سے حاصل ہوا ہے۔ وہ بڑی آسانی سے یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ ان کا اللہ ہی ہے جس نے انہیں اس مرتبے پر بٹھایا ہے، یہ اللہ ہی کا کیا ہوا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ پر کوئی احسان کیا ہے جس کا بدلہ اللہ نے ان کو دیا ہے۔ وہ کیوں یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ اس مقام پر اس لئے ہیں کہ یہ اللہ کی مرضی

ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو ایسے لوگ چند ثانیوں میں
 بلندیوں سے پستی میں آسکتے ہیں۔ اگر اللہ کی مرضی نہ ہو تو
 کیا وہ اپنے طور پر ایک پائی بھی کھا سکتے ہیں؟ اگر اللہ نہ
 چاہے تو کیا وہ ایک بھی سجدہ زمین پر کر سکتے ہیں؟ اگر اللہ
 نہ چاہے تو کیا وہ اپنا ایک عضو بھی ہلا سکتے ہیں؟ یا ایک
 سانس بھی لے سکتے ہیں؟

جب ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے تو پھر اتنا ضرور
 کیوں؟ اتنا تکبر کیوں؟ اللہ ان بند آنکھوں اور بند
 دلوں کا کھولنا خوب جانتا ہے۔ جب تک یہ دنیا میں
 ہوتے ہیں، یہ اللہ کی حمد و ثناء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کی نعت کو برداشت نہیں کرتے۔ یہ اللہ کے ذکر پر
 دنیا کے شور شرابے کو ترجیح دیتے ہیں۔

اللہ کا نام ایسے لوگوں کی سماجی حیثیت سے مطابقت
 نہیں رکھتا۔ وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ انہیں قدامت
 پسند کہا جائے۔ یا ان پر "اولڈ فیشنڈ" ہونے کا لیبل
 لگے۔ مذہب پر بات کرتے یا اخلاقیات پر گفتگو کرتے
 ہوئے۔ تو اس طرح ان کے کان بند ہیں، ان کی آنکھیں
 بند ہیں اور ان کے دل بند ہیں۔

لیکن جس وقت ملک الموت اُن بند آنکھوں میں
 جھانکتا ہے، جب اس کی چنگھاڑ اس کے بند کانوں
 میں پہنچتی ہے، اور اس کے پنجے اس کے بند دل میں
 سوراخ کرتے ہیں۔ تو پھر لمحوں کے اندر ان کے تمام بند
 اعضاء کھل جاتے ہیں۔ آنکھیں فرشتوں کے اس گروہ کو
 دیکھ لیتی ہیں جو ملک الموت کے ہمراہ آتے ہیں۔ کانوں
 کو دوسری دنیا کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، اور دل کو
 واضح طور سے اُن شعلوں کی حدت محسوس ہوتی ہے جو
 اس کی روح کے منتظر ہیں۔

اس وقت آنکھیں کھلی ہوتی ہیں کان کھلے ہوتے
 ہیں، لیکن زبان بند رہتی ہے۔ اب آدمی اپنے آگے
 سب کچھ دیکھتا ہے۔ وہ پیغام موت کو سنتا ہے۔ لیکن
 وہ یہ سب کچھ کسی اور کو بتا نہیں سکتا۔ وہ کسی کو مدد
 کے لئے نہیں کہہ سکتا۔ وہ کسی پناہ گاہ میں نہیں جا
 سکتا۔ وہ بس برف کی طرح بجمد ہو جاتا ہے۔ لیکن
 اس کا ذہن پوری طرح آگاہ رہتا ہے۔ وہ اچھی طرح
 جانتا ہے کہ اس کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔

یہ وہ وقت ہے جب اس کی آنکھیں خوف اور

شرم کے مارے رونا چاہیں گی، لیکن وہ خشک ہی رہیں
 گی۔ اس کا گلا چیخنا چاہے گا، لیکن اس کے گلے سے
 ایک سرگوشی بھی نہیں نکلے گی۔ وہ دوسری دنیا سے
 آنے والی بلند چیزوں سے بچنے کے لئے اپنے کانوں کو
 ڈھانپنا چاہے گا، لیکن اس کے کان بند نہیں ہونے
 پائیں گے۔ کتنی بے بس ہوگی اس کی روح! کتنی بد نصیب
 ہوگی اس کی روح!

تو یہ ہے شروعات اس آدمی کے درد و الم کے
 اس لیے سفر کی جو اسے بزرخ کی پوری زندگی کے دوران
 درپیش ہوگا۔ یہی وہ سزا ہے جو وہ اپنی ساری ابدی
 زندگی کے دوران بھگتے گا، دکھ اور پشیمانیوں پر مشتمل سزا،
 کاش کے توبہ کے دروازے اس پر بند ہونے سے پہلے
 وہ اس بات کو سمجھتا۔

وہاں ایک اور بھی انعام ہے۔ بہت ہی خاص
 انعام جو وہاں ایک نہایت ہی خاص قسم کے لوگوں کے
 لئے ہے۔ یہ انعامات اللہ سے نسبت رکھنے والوں
 لوگوں کے لئے ہیں۔ اللہ کے پیروں جو اہرات کے لئے۔
 اللہ کے معصومین کے لئے۔ یہ انعامات کیا ہیں، اس کا

علم تو صرف اللہ ہی کو ہے۔

یہ راز اللہ اور اس کے عاشقوں کے درمیان ہے۔
معشوق اور اس کے عاشق کے درمیان ہے۔ جب انہوں
نے اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کر دیا ہے، تو اللہ کو اس
کا بدلہ کس طرح دینا چاہیے؟ جب انہوں نے اپنا سب
کچھ، یعنی دنیا، دھن، دولت، رشتے، ناطے سب اللہ کی
خاطر چھوڑ دیئے ہوں، تو اللہ کو اس کا بدلہ کس طرح عطا کرنا
چاہیے؟ جب ان کا واحد اثاثہ اللہ اور اس کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو، تو اللہ کو اس کا انعام کس
طرح دینا چاہیے؟

اللہ اس کا بدلہ ان کو ایک بہت ہی خاص تحفے
کی صورت میں ادا کرے گا۔ اور وہ انعام خود اللہ کی ذات
ہے۔ جب وہ کہتے ہیں ”میں اللہ کا ہوں“ تو پھر اللہ
بھی فرماتا ہے ”میں تمہارا ہوں“ اور یہ بھی نہ بھولیں کہ اللہ
کبھی کھوکھلے الفاظ استعمال نہیں کرتا۔ وہ کبھی ایسی
بات نہیں کرتا جو وہ نہ کرنا چاہتا ہو۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں
بولتا۔ کیا یہ لوگ اس زندگی کے لئے کچھ مزید طلب کر
سکتے ہیں یا اپنی ابدی زندگی کے لئے؟

اے امتِ محمدی! صبر اور نہایت مضبوط ایمان،
 یعنی ایمانِ محمدی ہی اللہ کی راہ پر چلنے کے لئے ایک گاڑی
 ہے۔ اس گاڑی کا ایندھن اللہ کی محبت ہے۔ اس
 گاڑی کے پیسے سُنّہ اور تعلیماتِ قرآن ہیں۔ اور گاڑی
 کی بتیاں عشقِ محمدی ہیں۔

بس یہ ساری چیزیں حاصل کر لیں۔ اور پھر آپ
 بلا تاخیر اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ ابدی سکھ اور
 آرام کی منزل، امن و سکون کی منزل، جو ابدی عشق اور
 سرور کی منزل ہے۔

جب وقت اللہ نے اس دنیا کو پیدا فرمایا تھا،
 تو اس کا کوئی مقصد تھا۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی کرتا ہے،
 اس کے پیچھے ہمیشہ کوئی مقصد ہوتا ہے، سبب ہوتا ہے۔
 کچھ ظاہری اور کچھ پوشیدہ۔ اس دنیا کو بنانے کا ظاہری
 مقصد مخلوقات کو اپنے خالق سے آشنا کرانے کا تھا۔
 باہم اتحاد و اتفاق سے رہنے کے لئے، اپنے ارد گرد رہنے
 والوں میں عشق و محبت پھیلانے کے لئے۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ آج کا انسان یہ
 بھول گیا ہے کہ اُسے کیوں پیدا کیا گیا اور اُسے اس

دنیا میں کیوں بھیجا گیا تھا۔ اللہ کا بنایا ہوا نظام تو وہی ہے، سورج ہمیشہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ موسم چار ہیں اور یہ وقت کے خاتمے تک چار ہی رہیں گے۔ وقت ہمیشہ آگے ہی جاتا ہے اور کبھی نہیں رُکتا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں۔ دن کے خاتمہ پر رات آتی ہے اور رات گزر جانے پر دن کا آغاز ہوتا ہے۔

ہر چیز وہی ہے، سوائے دلوں کے جو روزانہ بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں۔ یہ دل اس زمین سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ہیں۔ اس صدی کے لوگوں کے ہیں۔ دلوں کی یہ تبدیلی ہر آن، ہر لمحہ جاری ہے۔ یہ ایک غیبی ہوا کے مانند ہے جو بڑی تیزی سے اس زمین کو ہٹا کر رہی ہے۔ یہ بے ایمانی اور بے وفائی کی ہوا ہے۔ اللہ سے بے وفائی کی۔ اپنے پروردگار سے بے وفائی، کیوں کہ آپ میں سے ہر ایک اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کا خالق کون ہے۔ وہ اس حقیقت کو ازل سے جانتے ہیں جب وہ ابھی عالم ارواح میں تھے۔

لیکن اب جب کہ وہ اس دنیا میں ہیں، تو وفاداری کے الفاظ بدل گئے ہیں۔ ان کی عبادت بدل گئی ہے۔ یہ

اب بُت پرستی میں تبدیل ہو گئی ہے، اور یہ بُت دنیا کے
 جھوٹے خدا ہیں، روپیہ پیسے کا خدا، محلات اور سونے چاندی
 کا خدا، دولت و شہرت کا خدا۔ یہ ہیں وہ خدا جن کے
 آگے آج کے انسان اپنا سر جھکا رہے ہیں، یہ ہے اُن کی
 سجدہ گاہ!

اور یہ احمق سمجھتے ہیں کہ محض ”میں اللہ کو مانتا ہوں۔“
 جیسے کھوکھلے الفاظ کہہ دینے اور درحقیقت دُنیاوی
 خداؤں کے آگے جھکنے سے کیا وہ اپنے اللہ کو دھوکہ دے
 سکتے ہیں؟ یہ دھوکہ دراصل وہ اپنے آپ کو دے
 رہے ہیں۔

اس دھوکے کا انجام ہر روز قریب تر آرہا ہے۔
 ہر لمحہ، ہر لحظہ انصاف کی گھڑی کو قریب تر لارہے ہیں۔
 وہ گھڑی جب جھوٹ کو سچ سے الگ کیا جائے گا۔ جب
 بے وفائی کو وفا سے علیحدہ کیا جائے گا۔ جب ظلم کو مظلوم
 سے جدا کیا جائے گا۔

اے اُمّتِ محمدی! سال مہینوں میں بدل گئے ہیں
 مہینے ہفتوں میں بدل گئے ہیں، ہفتے دنوں میں اور دن
 لمحوں اور ثانیوں میں بدل گئے ہیں۔ تقدیر کے لکھے کو کون

روک سکتا ہے جو آپ سب کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ تمام حدوں اور سرحدوں کو تار تار ہوا، ایک سیلابی ریلے کی طرح، ہر ایک کو ہمیشہ کے لئے بہا کر لے جانے کو تیار۔

وقت کے خاتمے کی اس ہولناکی کو کون روک سکتا ہے؟ بس کچھ عرصہ اور انتظار کریں۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے وقت کا کوئی وجود باقی نہیں رہے گا۔

اللہ آپ سب کو ہر وقت اپنی پناہ میں رکھے۔
اپنی محبت کی چادر میں لپیٹے رکھے۔ دل میں ایک مضبوط ایمان کے ساتھ، جو آپ کو آخر کار اُس کے اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جائے گا۔

آمین !



۲۱ مئی ۲۰۱۰ء

باب (۱۱۵)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو رحیم، کریم ہے اور جو سب کچھ جانتا ہے۔ وہ ان تمام چیزوں کا خالق ہے جو کبھی بھی پیدا کی گئی ہیں اور پیدا کی جائیں گی۔ تمام قوتیں اسی کے پاس ہیں۔

درود و سلام اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر، اللہ کے حقیقی محبت پر۔ اُن پر جو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اللہ انہیں جاننے کے لئے چاہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اُن کا علم کثیر اور حقیقی ہے۔

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے گھرانوں کے لئے۔ سلامتی اُن سب پر ہو جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتیں اور نعمتیں سمیٹنے کے لئے یہاں موجود ہیں، جو ان محفلوں میں آپ سب پر متواتر برسائی جا رہی ہیں۔

کیا آپ نے کبھی کوئی شعلہ دیکھا ہے کہ وہ کس طرح جلتا ہے؟ جب آپ کوئی شمع جلاتے ہیں تو اس سے جو شعلہ پیدا ہوتا ہے اُس کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔ یعنی ہر اس چیز کو جلا دینا جو اُس کے قریب جلتے۔ یہ اسی شدت سے ہر اس چیز کو جلا دیتی ہے جس کو یہ مس کرے۔ ایسا ہر گز نہیں ہے کہ اس کی شدت کسی کے لئے کم اور کسی کے لئے زیادہ ہو۔

اس کا انحصار تو اس چیز کی ماہیت اور فطرت پر ہے کہ وہ دھیرے دھیرے جلے یا تیزی سے۔ مثلاً آپ اگر کوئی کاغذ اس شعلہ پر رکھتے ہیں تو وہ بڑی تیزی سے جل کر راکھ ہو جائے گا۔ لیکن اگر آپ اس شعلہ پر ایک سوئی رکھیں گے، تو وہ جلنے یا تبدیل ہونے میں کچھ دیر لگائے گی۔

دونوں چیزوں کے لئے شعلے کی شدت ایک ہی ہے۔ لیکن چیزوں کی ماہیت یا فطرت جلانے کے عمل کو دھیرا یا تیز کرتی ہے۔ یہی معاملہ اللہ کی محبت کے شعلے کا ہے۔ یہ شعلہ سب کے لئے موجود ہے۔ اس کی شدت ایک جیسی ہے، لیکن جلانے کے عمل کا انحصار دلوں کی ماہیت اور فطرت پر ہے: کچھ دھیرے دھیرے جلتے ہیں اور کچھ

بڑی تیزی سے۔

لیکن اس جلائے جانے کے لئے انسان کے لئے
خود کو اس شعلے کے حوالہ کرنا ضروری ہے جس کے وہ قریب
جاتا ہے۔ یعنی اس کے قریب رہنا ضروری ہے، تاکہ وہ اس
کی شدت کو محسوس کرے۔ جب کوئی شمع جلتی ہے تو وہ
مکان کو روشن کرتی ہے، تاریکی اس سے بھاگ جاتی ہے،
اور اطراف کی ہر چیز دکھائی دیتی ہے۔

یہ اس شمع کا مقصد ہے۔ جب کوئی شے اس شعلے
سے مس ہوتی ہے، تو وہ شعلہ پکڑتی ہے اور جلنا شروع
کر دیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شمع کا شعلہ اور وہ
شعلہ جو اس چیز کو جلا رہا ہے، دونوں یکجا اور ایک ہو
جاتے ہیں۔ یہ وحدت شعلے میں شدت پیدا کرتی ہے جس
سے اطراف کا ماحول زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔

اللہ کی روشنی تقریباً اس جیسی ہی ہے، لیکن مذکورہ
تعریف سے کچھ مختلف بھی ہے۔ اللہ کی محبت کا شعلہ
پورے جہاں کو روشن کرتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ اس
میں کون رہ رہا ہے۔ یہ سب کے لئے ہے اور بغیر رکے
ہی روشن ہے۔

اس شعلے کی ایک اور خوبی بھی ہے۔ وہ یہ کہ اس کی روشنی جس پر بھی پڑتی ہے، اُسے متاثر کرتی ہے۔ ایک طرح سے اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام دل یہ اثر لے لیتے ہیں۔ کیوں کہ یہ روشنی ان سب کے لئے ہے جو اس دُنیا میں موجود ہیں۔

پھر ایسا کیوں ہے کہ بہت سے لوگ اس روشنی کی طرف آتے ہیں، جب کہ ہزاروں ایسے بھی ہیں جو اس کے اثر کو نظر انداز کرتے ہیں، اور اس شعلے سے دُور رہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں، یہ درست ہے کہ اس شعلے کا ایک زبردست اثر ہے، جو دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی انسانوں کو یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ وہ اس شعلے کی طرف نہ دیکھیں۔ یعنی اگر وہ اس شعلے کی طرف نہیں دیکھتے، تو وہ اس سے اثر انداز نہیں ہوتے۔

اللہ کے عشق کے شعلے کو نظر انداز کر کے وہ اپنی پسند کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ اپنی مرضی کی زندگی۔ یہ لوگ ایک بڑی محتاط زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کا ایک ایک عمل اس طرح کا ہوتا ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ فائدہ مل سکے۔ دوسروں کے ساتھ ان کے ہر ایک معاملے یا تعلق کے پیچھے

ایک پوشیدہ محرک ہوتا ہے، جو یہ ہے کہ: "اس میں میرا
کیا فائدہ یا مجھے کیا ملے گا؟"

اگر اس میں فائدہ ہے تو معاملہ مکمل ذہنی تیاری
اور دلچسپی سے کیا جاتا ہے۔ زبان سیٹھی اور رویہ دوستانہ
ہو جاتا ہے۔ اور اخلاق میں تواضع کی جھلک نمایاں
ہو جاتی ہے۔ لیکن جیسے ہی فائدہ حاصل ہو جاتا ہے، تو
رویوں اور زبان میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ الفاظ سخت رویہ
ٹھنڈا اور دونوں کے درمیان موجود گرمجوشی ختم ہو جاتی ہے۔
دلوں کی سرد مہری نے آج کے انسان کو رشتوں کے حوالے
سے بے حس کر دیا ہے۔ ان ٹھنڈے دلوں میں کسی کے
لئے کوئی احساس نہیں ہے۔ ان میں کوئی رحم نہیں، درد
نہیں، محبت نہیں۔ یہ دل مکمل طور سے خالی ہیں، کسی
بھی مثبت احساس اور جذبہ سے محروم۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ ایسے ٹھنڈے دلوں
کا اعمال نامہ کس طرح کا ہوتا ہے؟ جب کوئی نماز بغیر
کسی جذبہ یا احساس کے پڑھی جاتی ہے، تو آپ کے خیال
میں اس طرح کی نماز کا نتیجہ کیا ہونا چاہیے؟
یہ ہمیشہ یاد رکھئے کہ آپ جو بھی عبادتیں کرتے ہیں

اس سے آپ کے ارد گرد بڑی توانائی پیدا ہوتی ہے ،
 صحیح قسم کی عبادت سے بہت زیادہ مثبت توانائی پیدا
 ہوتی ہے ۔ یہی وہ توانائی ہے جو آپ کی روح کو سکون
 و اطمینان مہیا کرتی ہے ۔ جس سے آپ کی زندگی میں خوشی
 و اطمینان آجاتا ہے ۔

لیکن جو عبادت برائے عبادت کی جاتی ہے اور
 اس میں کوئی جذبہ نہ ہو، تو آپ کے خیال میں وہ کس قسم کی
 توانائی پیدا کرے گی ؛ ہو سکتا ہے کہ اس طرح کی بے جان
 عبادت سے آپ کی ذمہ داری پوری تو ہوتی ہو، لیکن کیا یہ
 آپ کو کوئی فائدہ پہنچائے گی ؛ کیا دنیا میں یا آخرت میں
 یہ آپ کے کوئی کام آئے گی ؛

یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کوئی کھڑی ہوئی سائیکل
 چلا رہے ہوں ، وہ سائیکل جو کسی جگہ کھڑی ہو ۔ آپ
 اس کے پیڈل پر چاہے کتنا ہی زور لگائیں ، لیکن وہ آپ
 کو کہیں نہیں لے جائے گی ۔ آپ صرف ایک ہی جگہ
 رُکے رہیں گے ، کسی منزل تک پہنچے بغیر ۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم اپنی عبادت کو کس طرح
 با مقصد بنائیں ۔ ان میں سے کس طرح اپنے احساسات اور

جذبات کو شامل کریں۔ اگر آپ نے اللہ کی محبت کی گہرائی کو جذب نہیں کیا ہے تو آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس میں بھلا کس طرح جذبات اور احساسات ڈال سکتے ہیں۔ یعنی اگر آپ نے اللہ کے محبت کا تجربہ نہیں کیا ہو، آپ نے اس کی محبت کی طرف اپنے دل کو ہر وقت بند کئے رکھا ہو، تو یہ کیسے ممکن ہے۔ آج کی دنیا کا انسان ایک بہت اچھا تاجر ہے، وہ زیادہ سے زیادہ کمانا جانتا ہے۔ وہ اس دنیا میں دنیاوی منافع حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے ذرائع اور طریقے استعمال کرتا ہے۔ وہ رشوت لیتا ہے، رشوت دیتا ہے۔ وہ سود لیتا ہے، جھوٹ بولنے اور فریب دینے سے نہیں بچتا۔ اور وہ یہ سب کچھ اپنی دولت بڑھانے کے لئے کرتا ہے۔

بے شک وہ اس دنیا کا ایک اچھا بزنس مین ہے۔ جو اپنا ایمان اور اپنی اقدار کا سودا مال و دولت کے لئے کرتا ہے۔ لیکن وہ اپنی آخرت کی زندگی کے لئے بھی فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ آج کے انسان کو نماز پڑھتے، خیرات کرتے، حج و عمرہ کے لئے جاتے بھی دیکھتے ہیں، تاکہ اس کی اخروی زندگی کے

منافع میں بھی اصناف ہو۔

وہ جانتا ہے کہ مکہ میں پڑھی جانے والی ایک نماز
ہزاروں نمازوں کے برابر ہے، تو پھر کیوں نہ وہاں جا کر یہ منافع
کمایا جائے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر آپ نے ایک مسجد
بنوائی تو اس کا کتنا ثواب ہے، یا اگر آپ قرآن پاک کے
فلاں حصہ کا ورد کریں گے تو آپ کا منافع کتنا ہو جائے گا۔
تو آپ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے دین کے ان تمام
اچھے سودوں سے واقف ہے، جن سے اسے بڑے منافع
اور ثواب مل سکتا ہے۔ عام طور سے ایسے لوگ عبادت
کے صرف عملی پہلو پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں، صرف الفاظ
کو دہراتے ہیں، ان کے معنی سمجھے بغیر۔

اگر آپ کچھ الفاظ کے معنی نہیں جانتے، تو پھر آپ
انہیں اپنے دل سے نکلے ہوئے الفاظ کس طرح کہہ سکتے
ہیں؟ بے شک ایسی عبادتیں کھوکھلی، اندر سے بالکل
خالی اور کسی بھی قسم کے احساس و جذبات سے عاری ہیں۔
یہ عبادتیں دینے کے بجائے لینے کی خاطر کی جاتی ہیں۔
کیا آپ نے کسی بچے کو اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیلتے
ہوئے دیکھا ہے؟ ہو سکتا ہے اس کے پاس کوئی کھلونا

بتی ہے یا کھلونا خرگوش ہو۔ اب جب اسے چلا یا جاتا ہے تو اس سے آوازیں نکلتی ہیں جس سے بچہ خوش ہوتا ہے۔

لیکن اگر اس بچے کے پاس اپنا اصلی پالتو جانور ہو تو وہ سمجھی اپنے کھلونوں کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی یہ پالتو بتی یا خرگوش جذبات و احساسات کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ یہ اگرچہ کھلونوں کے طرح رنگ برنگی روشنی اور حیوانی آوازیں تو نہیں نکال سکتے ہوں، لیکن یہ بچے کو محبت دیتے ہیں۔ یہ بچے کے پاس آکر اُسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔

بچہ چاہتا ہے کہ اسے چاہا جائے، اور وہ اس چاہت کو لوٹانا بھی جانتا ہے۔ حتیٰ کہ چھوٹا سا بچہ اور ایک حیوان جو آپس میں بات چیت نہیں کر سکتے، وہ بھی محبت کی یہ زبان سمجھتے ہیں۔

فرض کریں کہ کوئی بچہ جب گھر لوٹتا ہے اور وہاں اپنے پالتو جانور کو نہیں پاتا، تو اس بچے کی پریشانی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ یا جب وہ بچہ خدا نخواستہ بیمار پڑ جاتا ہے، تو اس کا پالتو جانور فوراً اس کی کیفیت کو سمجھ لیتا

ہے۔ اور کسی نہ کسی طور اس سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ ایک چھوٹا بچہ بھی احساس و جذبات کو سمجھتا ہے۔ حتیٰ کہ بے زبان جانور بھی اس کو جانتے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج کا انسان اس خزانے سے محروم ہے، کیوں اس کا دل خالی ہے؟ اس کی عبادتیں کیوں کھوکھلی ہیں؟ وہ ایک کھوکھلی زندگی کیوں بسر کر رہا ہے؟ ایک دکھاوے کی زندگی، اور وہ یہ جھوٹ کیوں بولتا ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہے؟

یہ اس لئے ہے کہ وہ ایک میکائیکی انسان ہے، جس کا تعلق ایک میکائیکی دور سے ہے۔ اس کے تمام افعال و اعمال اور جذبات اس دنیا کے ترازو میں تولے جاتے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر چیز اور ہر آدمی اسے فائدہ پہنچائے۔ اس کا اپنا کسی صورت بھی نقصان نہ ہو چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

اس کے تمام اعمال بھی میکائیکی ہیں، بغیر احساسات اور جذبات کے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک مشینی کھلونے کی طرح حرکت کرے، توجہ اپنی طرف کھینچنے کے لئے

وہ غل غپاڑہ کرے اور جگمگاتی روشنیاں پھینکے۔ لیکن وہ ہر قسم کے جذبات و احساسات سے عاری ہے، وہ اپنے سوا کسی کئی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

کیا ہوگا اگر آپ کو کوئی خوبصورت تحفہ پیش کرتا ہے، جو ایک رنگیں کاغذ اور رنگ برنگے ربوں میں لپٹا ہوا ہے۔ لیکن جب آپ اس تحفے کو کھولنے کے لئے ڈبے کا ڈھکن اٹھاتے ہیں، تو اسے بالکل ہی خالی پاتے ہیں، یعنی اس میں آپ کے لئے کچھ بھی نہیں! یقیناً آپ مایوس ہوں گے، اس تحفے سے بہت ہی مایوس۔ مگر آپ کا اللہ کبھی مایوس نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے، وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ آپ کے اعمال کیا ہیں اور ان کے پیچھے کیا نیت ہے۔ وہ آپ کے عبادتوں کے تحفے والی آرائشوں کو جانتا ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس ڈبے کے اندر کیا ہے!

یہ دراصل ایک دھوکا ہے کہ جو آج کا انسان خود اپنے آپ کو دے رہا ہے۔ وہ اپنی ذمہ داریوں سے بہت مطمئن ہے۔ ان نمازوں سے جو وہ بغیر سمجھے ادا کر رہا ہے۔ وہ اپنی خیراتوں پر بھی فخر کرتا ہے۔ ان خیراتوں پر جو وہ اس

لئے کرتا ہے کہ لوگ اسے عننی سمجھیں اور اس کے لئے اس کی عزت کریں۔

وہ اپنے حج و عمرہ کو جنت میں داخلے کا ٹکٹ سمجھتا ہے۔ اس بات کا احساس کئے بغیر کہ وہ پیسہ جو اس نے مقدس مقامات پر جانے کے لئے خرچ کیا ہے، وہ کبھی جائز نہ تھا۔ اور دوسروں کے حقوق سلب کر کے کہا گیا تھا۔ یہ ہے آج کا انسان، جو احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ وہ ہر ایک کو اور سب کو بے وقوف بنا سکتا ہے۔ دراصل اس کے تمام اقدامات اس کے ٹھنڈے دل کا نتیجہ ہیں۔ اس دل کا جسے وہ اللہ کی روشنی سے بچاتا ہے۔ اس کی محبت کے شعلے سے بچاتا ہے۔ جب یہ روشنی اس کے دل میں داخل نہیں ہوتی، تو تاریکی اس میں آجاتی ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ تاریکی میں کس کا بسیرا ہے۔

وہ اپنے دل کو محبت کے اس شعلے سے بچاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا دل برف کی طرح ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ برف کو کوئی موڑ نہیں سکتا۔ جب کبھی آپ کسی چیز کو نقطہ انجماد والے درجہ حرارت میں رکھتے ہیں تو

وہ سخت ہو جاتی ہے اور اس کی نرمی ختم ہو جاتی ہے۔
یہ بالکل ایسا ہی ہے۔ اپنے دل کو محبت کے شعلے
سے دُور رکھیں اور وہ برف کی طرح ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس
کی ساری نرمی غائب ہو جائے گی۔ اب چاہے ایسے دلوں
کے ارد گرد کچھ بھی ہو جائے، وہ تبدیل نہیں ہوں گے ان
میں نرمی اور لچک پیدا نہیں ہوگی۔

اس دنیا کے لوگوں کا دل ایسے ہی ہے۔ بے حس اور
بے درد۔ چاہے وہ کتنے ہی نوافل پڑھیں، کتنے ہی حج و
عمرہ ادا کریں، ان کے دلوں کی حالت وہی رہے گی۔ ان
کے اعمال وہی رہیں گے۔ یعنی ان کے اعمال بھی ان کے
دلوں کی طرح خالی اور کھوکھے رہیں گے۔

ان لوگوں کے لئے ایک امید ہے، ایک موقع ہے،
لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے، انہیں کچھ
دینا پڑے گا۔ اور وہ ہے ان کا دل۔ انہیں یہ دل محبت
کے شعلے کے قریب رکھنا ہوگا، تاکہ اس کی حدت سے
ٹھنڈے دل گرم ہونا شروع ہوں۔ جس وقت بھی یہ برف
پگھلنا شروع کر دے، دلوں میں نرمی اور گدازی ابھرنا شروع
ہوگی۔ یہ پہلا زینہ ہونا چاہیے۔ یعنی اللہ کے عشق کو تسلیم

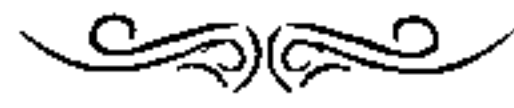
کرنا۔ اب جیسے ہی دل پگھلنا شروع کر دیں، تو انہیں
شعلے کے قریب تر لے جائیں، تاکہ انہیں گرمی پہنچے۔ اب
یہ گرمی زیادہ گہرائی میں دل کے اندرونی حصے میں جانا
چاہیے، اور اس گرمی سے بھاپ پیدا ہونا چاہیے۔

یہی ہے وہ بھاپ، جس سے جذبات و
احساسات جنم لیتے ہیں۔ وہ احساسات جو آپ کو آپ کے
اللہ کی محبت کے بارے میں بتائیں گے۔ وہ احساسات جو
آپ کے دل سے ابھر کر آپ کی آنکھوں کے راستے گریں
گے۔ دوسروں کے دردوں کا احساس دلائیں گے۔ وہ
احساسات جو آپ کو غیر جانبدارانہ طریقہ سے اپنی ذات
میں جھانکنے کو کہیں گے۔ وہ احساسات جو آپ کو پشیمان
ہونے اور رونے کو کہیں گے۔ یہ ہے پورا طریقہ کار۔
محبت کا شعلہ ٹھنڈے دل کو پگھلا دیتا ہے، اسے
نرم و گداز کر دیتا ہے۔ جذبات و احساسات کا بھاپ پیدا
کرتا ہے۔ جو آنسو بن کر آنکھوں سے بہتے ہیں، یہ وہ آنسو
ہیں جو آپ کے نامہ اعمال سے کالے کرتوتوں کو صاف
کرتے ہیں اور جو اہر کی طرح چمکتے ہیں۔

اے اُرتِ محمدی! اپنے دلوں کی کیفیات پر توجہ

مرکز کریں، کیوں کہ دل ہی وہ چیز ہے جن کی اللہ قدر کرتا
ہے۔ اپنے دلوں کو صاف کریں اور انہیں ہر وقت محبت
کے شعلے سے گرمائے رکھیں۔

آمین



۲۸ مئی ۲۰۱۰ء

باب (۱۶)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے، جس کی محبت
کی کوئی حد و حدود نہیں۔ جو ان کے لئے رحمتِ کامل ہے،
جو حقیقی محبت کے معنی جانتے ہیں، جو اللہ کے دوست
ہے۔

درود و سلام ہوں اللہ کے عاشق پر جو محبت کے معنی
جانتے ہیں، اور جو پورے جہاں میں محبت کے مفہوم کو
پھیلانے کے لئے موجود ہیں۔ جو ایک نہایت نازک دل
کے مالک ہیں۔

سلام، رحمت و برکتیں ہوں آپ سب کے لئے
اور آپ کے گھرانوں کے لئے۔ سلامتی ہو اللہ والوں
کے لئے، وہ جو یہاں سچے دل کے ساتھ بیٹھے ہیں۔
آئیے دلوں کے بارے میں کچھ مزید گفتگو کرتے
ہیں، کیوں کہ اگر صرف دل ہی پاک ہوں تو تمام مسائل

حل ہوں گے۔ انسانی ذات میں دل ہی وہ حصہ ہے جسے سب سے زیادہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔

لوگوں کو تو بس ہر وقت اپنے چہرے اور صحت کی فکر رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اچھا دکھائی دینے کے لئے آئینہ کے سامنے کھڑے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بہترین خریداری کے لئے گھنٹوں صرف کرتے ہوں۔ وہ ہر اس چیز کے بارے میں سوچتے ہیں جس سے انہیں فائدہ ہو۔ وہ بہترین غذا، بہترین لباس، بہترین ڈاکٹر اور دنیا کی ہر بہترین چیز کے لئے ہزاروں روپے خرچ کرنے سے کبھی نہیں ہچکچاتے۔

لیکن وہ اپنے ایک ہی اثاثہ، جو ان کے پاس ہے اُسے نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ اثاثہ جو ان کی بھلائی کے لئے بہت اہم ہے۔ جو ان کا حقیقی خزانہ ہے، یعنی وہ اپنے دل اپنے قلب کی حالت کو مکمل نظر انداز کرتے ہیں۔ یہ قلب ہی تو ہے جو انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ انسان کا سب سے گراں قیمت دولت ہے۔ اگر آپ اس کی دیکھ بھال کریں گے تو یہ بھی آپ کی دیکھ بھال کرے گا۔ لیکن اگر آپ اُسے نظر انداز

کرتے ہیں، تو یہ بھی آپ کے لئے بڑے مسائل پیدا کرے گا۔
 جب آپ میں سے کوئی جسمانی طور سے بیمار پڑ
 جائے، تو آپ فوری علاج معالجے کے اقدامات کرتے ہیں،
 آپ بہترین ڈاکٹروں سے رجوع کرتے ہیں، ان کی ہدایت
 پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔ لیکن جب قلب بیمار پڑ جاتا
 ہے، تو آپ اُسے یا تو نظر انداز کرتے ہیں، یا پھر اسے کم
 ترین توجہ دیتے ہیں۔

اس رویہ کا سبب یہ ہے کہ جب آپ کا جسم بیمار
 ہو جائے، تو آپ اس دنیا میں صحیح طور سے حرکت نہیں کر
 سکتے ہیں۔ آپ کے دنیاوی کام متاثر ہونا شروع ہو
 جاتے ہیں اور آپ کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔

آج کی دنیا کے لوگ اپنے ہر کام کے منافع کا تجزیہ
 کرنے میں بہت تیز ہیں اور وہ اس بات سے ڈرتے
 ہیں کہ اگر ان کی رفتار کم ہوئی تو وہ اپنی دنیا کھو بیٹھیں گے،
 یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی جسمانی صحت کو برقرار رکھنے میں
 اتنے مستعد ہیں۔ ایک بیمار دل سے زیادہ ان کے لئے
 ایک بیمار جسم پریشانی کا باعث ہے۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بیمار جسم انسان کو

جسمانی تکلیف دیتا ہے جب کہ بیمار دل خود اپنے
 بچائے دوسروں کو زیادہ تکلیف پہنچاتا ہے جو ایسے شخص کے ارد
 گرد ہیں۔ قلب انسان کے روحانی حصہ سے تعلق رکھتا
 ہے۔ اور چونکہ روحانی دنیا زیادہ صاف دکھائی نہیں
 دیتی، اس لئے قلب کی کیفیت زیادہ تر خاموش ہے۔
 اگرچہ قلب خاموشی سے کام کرتا ہے، لیکن وہ دو
 نہایت واضح سگنلز دماغ کو بھیجتا ہے۔ ایک خوشی کا
 اور دوسرا جرم یا ناخوشی کا۔ اگر کوئی شخص ان سگنلز سے
 ہم آہنگ ہے، تو اس کا روحانی وجود بھی زیادہ نمایاں
 ہو جاتا ہے۔ ایک انسان کا قلب اس کے اعمال کے
 مطابق اسے سگنلز بھیجتا ہے۔ اس کے اچھے اعمال اُسے
 خوشی اور اطمینان کا سگنل دیتے ہیں۔ جب کہ کوئی بھی
 بد عملی اسے جرم اور ناخوشی کا سگنل دیتی ہے۔

لیکن اُسے ان احساسات کو ماننے کے لئے ایک
 صحت مند دل کی ضرورت ہے۔ ایک ایسا دل جس کی
 اچھی دیکھ بھال ہوئی ہو۔ جو دنیا کی ترغیبات سے بچنا جانتا
 ہو، اور جو دل کی بیماریوں سے آزاد ہو۔ جب آپ جسمانی
 بیماریوں کی بات کرتے ہیں تو ان میں زیادہ تر کا باعث

غیر صحت مند طرز زندگی ہے۔ یا کبھی کبھار جینٹیک (جینیاتی) اسباب ہو سکتے ہیں۔

لیکن دل کے امراض زیادہ تر جہالت اور بے احتیاط رویہ سے ہوتے ہیں۔ یہ امراض غیر صحت مند ماحول اور بُری صحبتوں میں بھی لگتے ہیں۔ مگر ان کی شدت میں صرف اس صورت میں اضافہ ہوتا ہے جب انہیں اہمیت نہیں دی جاتی اور ان کا علاج نہیں کیا جاتا۔

آج ہم چند ایسی بیماریوں پر گفتگو کرتے ہیں، جو انسان کے قلب کے لئے جان لیوا ہو سکتی ہیں اور اس کی اچھائیوں اور اللہ سے اس کی قربت کو تباہ کر سکتی ہیں۔ لیکن اگر آپ ان بیماریوں کی علامات سے ابتدا ہی سے آگاہ ہوں گے، تو یہ ممکن ہے کہ آپ ان کی روک تھام کر سکیں اور ان کے حملوں سے بچ سکیں۔

کیا ہم ان بیماریوں کی درجہ بندی ان کے نقصانات کے پیش نظر کر سکتے ہیں، یا یہ یکساں طور سے نقصان دہ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا انحصار ان کی شدت پر ہے۔ یا اس پر ہے کہ بیماری آپ کے دل پر کتنی غالب ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ ایک بیماری جیسا کہ تکبیر، جو قلب کے

لئے نہایت تباہ کن ہے۔ کسی کے دل میں موجود ہو، اور وہ اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اُسے بڑھنے نہیں دیتا۔ لیکن وہ اپنے غصے کی بیماری کو یونہی چھوڑ دیتا ہے، تو ظاہر ہے اس کا غصہ کسی اور بیماری کے مقابلہ میں زیادہ نقصان پہنچائے گا۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ بیماریاں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ نقصان دہ ہیں۔ لیکن یہ اس وقت سب سے زیادہ خطرناک ہیں، جب انہیں بڑھنے کا موقع دیا جاتا ہے اور ان کا بروقت علاج نہیں کیا جاتا۔ سب بیماریوں سے زیادہ نقصان دہ بیماری تکبر ہے۔ یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تو یہ آپ کے دل میں بڑی خاموشی سے داخل ہوتی ہے، اور اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو یہ آپ کے اعمال کو اسی طرح سے کھا لیتی ہے جس طرح کہ دیباک لکڑی کو چاٹ لیتی ہے۔ تکبر غرور کی انتہائی صورت ہے۔ یعنی جب آپ صرف اپنی ذات کو اپنے سامنے دیکھتے ہیں۔ آپ اس پر فخر کرتے ہیں کہ آپ کون ہیں اور آپ کے پاس کیا ہے اور

ان سب چیزوں کو خود اپنا کارنامہ سمجھتے ہیں۔

آپ کو گمان ہوتا ہے کہ آپ کی کامیابی آپ کی اپنی کوشش، آپ کی اپنی عقل اور آپ کے اپنے حُسن کی بدولت ہے۔ آپ کو دنیا محض آپ کی اپنی "ذات" ہے اور باقی کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں۔ جب آپ خود کو باقی سب چیزوں پر مقدم خیال کرتے ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی کے پاس آپ سے زیادہ ہو۔

یہ تکبر دل میں کبھی اکیلے نہیں گھُستا۔ اس کے دو ساتھی ہر وقت اس کے پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں۔ یعنی ایک حرص اور ایک ہے حسد۔ تکبر کا کہنا ہے کہ میں سب سے زیادہ عظیم ہوں، اس لئے سب کچھ میرا ہونا چاہیئے۔ میں ہر بہترین چیز کا حق دار ہوں۔ یہی وہ وقت ہے جب حرص دل پر قابض ہو جاتی ہے۔ تکبر یہ بھی کہتا ہے کہ "میں چونکہ عظیم تر ہوں، اس لئے مجھ سے بڑھ کر کوئی نہ ہو۔"

اب حسد بھی اس دل میں داخل ہوتا ہے، اور جب کوئی دوسرا اپنی کامیابی کی بات کرتا ہے، تو یہ حاسد

دل حسد کی آگ میں جل اٹھتا ہے۔

کیا آپ نے کبھی روٹی کے کسی ٹکڑے پر ابھری
پھپھوندی دیکھی ہے، جیب وہ روٹی کسی تارکیک اور
نمی والی جگہ میں رکھی جائے؟ پہلے تو اس روٹی پر ہری
ہری پھپھوندی کا ایک نشان اُبھرتا ہے۔ لیکن اس
کے باوجود روٹی کے باقی حصے کو بچایا جاسکتا ہے۔ لیکن
اگر آپ اُسے اسی حال میں رہنے دیتے ہیں، تو بہت
ہی کم وقت میں پوری روٹی ہری رنگت سے بدبنا
اور بدبودار ہو جاتی ہے۔

یہی معاملہ کسی شخص کے دل کا ہوتا ہے، قلب کے
یہ امراض بالکل پھپھوندی کی طرح ہیں۔ اگر ان کا بروقت
علاج نہ کیا جائے تو یہ پورے دل کو بدبنا اور بدبودار
بنا دیتے ہیں۔

تکبر، حرص اور حسد فقط دوسروں کے لئے بدخواہی
کو جنم نہیں دیتے بلکہ اس سے زیادہ مسائل بھی پیدا
ہوتے ہیں۔ یہ اس شخص کو بددیانتی پر اکساتے ہیں، اُسے
جھوٹ اور فریب میں مبتلا کر کے قابلِ نفرت بنا دیتے
ہیں۔ یہ شخص دنیاوی طور سے کامیاب ہو سکتا ہے،

باصلاحیت ہو سکتا ہے، یا اس کے پاس دولت ہو سکتی ہے، لیکن اس کی مثال اس درخت کی طرح ہے، جو پھلوں سے لدا ہوا ہے، مگر وہ سارے پھل کیڑوں سے بھرے ہوئے اور کھانے کے قابل نہیں ہیں۔

دیکھا آپ نے کہ کس طرح تکبر کسی شخص کو دوسرے انسان کی صحبت کے قابل نہیں رہنے دیتا، ساتھی انسانوں کو فائدہ پہنچانے نہیں دیتا۔ اللہ آپ سب کو کسی حاسد اور تکبر کی برائیوں سے محفوظ رکھے۔

کیا آپ نے کبھی کوئی چنگاری دیکھی ہے؟ آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ چھوٹی سی چنگاری کسی شے کو مکمل جلاتی نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ آپ اس چنگاری کو غیر محفوظ چھوڑ دیتے ہیں، تو عین ممکن ہے کہ کوئی لکڑی اس سے آگ پکڑ لے، جس سے بڑی آگ بھڑک اٹھے، جو آسانی سے اپنے آگے آنے والی ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

آدمی کا غصہ بھی آگ کی طرح ایک اور بیماری ہے، یہ ایک چنگاری کی طرح ہوتی ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے بھڑکتے شعلوں میں بدل جاتی ہے۔ جو اپنے اطراف

ہر ایک کو برباد کرنے پر آمادہ ہو۔ جب ایک آگ
 بھڑک اٹھتی ہے، تو یہ چیزوں کے درمیان امتیاز
 نہیں کرتی۔ یہ ہر اس چیز کو جلانے کی کوشش کرتی
 ہے، جو اس کے رستے میں آتی ہو۔

بالکل اسی طرح جب کوئی شخص غصہ میں آتا
 ہے تو پھر وہ یہ بھی نہیں دیکھتا کہ اس کے آگے کون
 کھڑا ہے۔ وہ بھی ہر اس شخص کو تار تار ہے جو وہاں
 موجود ہو۔ غصہ انسان کی معقولیت کو اندھا کر دیتا ہے
 اور اس کی زبان پر قابض ہو جاتا ہے۔

یہ اُس گرم لاوے کی طرح ہے جو آتش نشاں سے
 نکلتا ہے۔ یہ جب اُبل کر نکلتا ہے تو یہ نہیں جانتا کہ
 وہ کہاں جا رہا ہے اور کسے مچھلسا رہا ہے۔ یہ بس بڑے
 اشتعال سے دیوانہ وار نکلتا ہے، یہ ہے غصہ کا رویہ۔
 یہ بھی اسی طرح شدت سے اُبلتا ہے اور درمیان میں
 آنے والے کو جلا ڈالتا ہے۔

کیا آپ کسی ایسے آدمی کے پاس جانا پسند کریں
 جو صحیح طور سے دیکھنے کے قابل نہ ہو، جو کسی کی بات
 سننے پر آمادہ نہ ہو، جس کے پاس ایک خطرناک زبان

ہو، یعنی اس کی وہ زبان جو اپنے اطراف زہر افشانی کر رہی ہو۔ اس کی کیفیت ایسی ہے کہ اس کے سوچنے کی صلاحیت مفلوج اور اس کی معقولیت منجمد ہو چکی ہو۔ اُسے یہ بھی نہیں معلوم کہ آیا اس کے ہاتھ پاؤں اُس کے قابو میں ہیں یا نہیں۔

یہ ممکنات میں سے ہے کہ وہ انہیں پرتشدد انداز میں استعمال کرے۔ کون ایسے آدمی کی صحبت میں رہنا پسند کرے گا؟ یہ ہے وہ طریقہ جس سے ایک انتہائی معقول آدمی وحشی درندہ بن جاتا ہے۔ یہ آدمی کو بڑی بستی میں دھکیل دیتا ہے اور اُسے بالکل تنہا کر دیتا ہے۔

تنہا اس لئے کہ لوگ ایسے آدمی سے بھاگتے ہیں، جو غصہ میں ہو۔ بالکل اسی طرح جیسے آدمی کسی وحشی درندے سے دُور بھاگتا ہے۔ یہ واقعی ایک افسوسناک حالت ہے، کیوں کہ جب ایک بار غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے، تو جو چیز باقی رہتی ہے، وہ ہے اس کے اعمال پر افسوس اور پچھتاوا اس کے کہے ہوئے پر پشیمانی، پچھتاوا دوسروں کو تکلیف پہنچانے پر۔

لیکن کبھی کبھی پشیمانی بھی دلوں کے دکھ کا مددگار

نہیں ہو سکتی۔ وہ ان الفاظ سے سچا نہیں چھڑا سکتی جن سے اطراف کے لوگ سخت مجروح ہوتے ہوں۔
 لوگوں کے پاس اپنے غصہ کے لئے ہر قسم کے عذر ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم ذہنی دباؤ میں تھے، کبھی کہتے ہیں کہ زمانہ کارویہ درست نہیں۔ اور کبھی بس یہ کہتے ہیں کہ ”میرا بی پی (B.P.) ہائی تھا۔ اس لئے میں بے قابو ہو گیا تھا“ لیکن کیا دوسروں کے جذبات مجروح کرنے کا کوئی جواز موجود ہے؟ کیا دوسروں کے دلوں کو توڑنے اور قطع تعلق کرنے کا کوئی جواز موجود ہے؟

یہ بات سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ دلوں کی نسبت اللہ سے ہے۔ کوئی اگر کسی کا دل نا انصافی سے توڑتا ہے، تو پھر یہ سمجھیں کہ وہ ایک گناہ کبیرہ کر رہا ہے۔ قیامت کے دن آپ کے احساسات کیا ہوں گے، جب آپ کا ایک ایک عمل آپ کے لئے اتنا قیمتی ہوگا کہ آپ اپنے ایک نیکی بھی نہ تو اپنے بچے کو دینا چاہیں گے اور نہ ہی اپنے والدین کو۔

اُس وقت آپ کی آنکھوں کے سامنے آپ کسے بیشتر نیکیاں، آپ کی عبادتیں، آپ کے اعمال نامہ سے

زکال کر اس شخص کے نامہ اعمال میں ڈالی جائیں گی جس کو آپ نے اپنی زبان اور عمل سے دکھ پہنچایا ہو۔ اس دن آپ کو احساس ہوگا کہ حقیقی بے بسی اور اصلی دکھ کے معنی کیا ہیں؟

دل کی کئی دوسری بیماریاں بھی ہیں۔ جیسا کہ بخل یا کنجوسی، جس میں آدمی ایک ایک پیسے سے چمٹا رہتا ہے۔ وہ اپنی سٹھی اپنے گھرانے اور ضرورت مندوں کے لئے بند رکھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ خرچ کرنے سے اس کی دولت کم ہوتی ہے جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا۔

پھر ایک اور بھی بیماری ہے جسے خاموش قاتل کہا جاتا ہے۔ یہ کسی آدمی کی وہ عادت ہے کہ جس میں وہ اللہ کی نعمتوں سے بے خبر رہتا ہے۔ وہ اللہ کی پیدا کردہ دنیا میں رہتا ہے، اللہ کا دیار زرق کھاتا ہے، اللہ کی دی ہوئی ہوا سے سانس لیتا ہے اس کا پورا وجود، اس کا گھرانہ، اس کا ماحول، یہ سب اللہ کی نعمتوں کے باعث ہیں، لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر ہے۔

وہ کبھی کبھی کسی چیز کو اللہ کی دی ہوئی نعمت قرار نہیں

دیتا اور تمام عمر اس پر توجہ نہیں دیتا۔ ظاہر ہے کہ ایسے خیالات سے کئی قسم کے امراض جنم لیتے ہیں، جو اُسے دل کی کئی دوسری بیماریوں کا حقدار بناتے ہیں۔

اب جہاں کوئی بیماری ہوتی ہے تو یقیناً اس کا کوئی علاج بھی ہوتا ہے۔ آپ سب کے لئے سب سے اولین اقدام یہ ہے کہ آپ اپنی آنکھیں اور اپنے دل کھلے رکھیں۔ تاکہ جب بھی کسی بیماری کے آثار نظر آئیں تو فوری طور سے اس کے علاج کی تدبیر کی جاسکے۔

دوسرا قدم یہ ہے کہ اپنے ہر کام میں اللہ پر کامل توکل رکھنا، اللہ کی رضا میں راضی رہنا اور اس بات کو سمجھنا کہ ہر بھلائی صرف اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ یہ توکل آپ کو زندگی کے نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے قوت اور حوصلہ فراہم کرے گا۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ آپ کسی جہاز میں سوار ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ جہاز بہترین ساز و سامان سے بنا ہوا نہ ہو، یا اس کی حالت بہتر نہ ہو۔ لیکن آپ کو اس کے کپتان پر کامل اعتماد ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ قابل ہے، ماہر ہے اور قابل بھروسہ ہے۔ حالات چاہے

کیسے بھی ہوں وہ ہمیشہ آپ کے لئے اچھا ہی کرے گا۔
 اب اگر آپ کا جہاز کسی طوفان میں پھنس جاتا ہے،
 یا کسی بھنور کے قریب آتا ہے، تو آپ بہت زیادہ گھبرائیں
 گے نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اس صورتِ حال میں
 مدد کے لئے کتپان کی طرف دیکھیں گے۔ یہ ہے وہ طریقہ
 جس سے آپ سب اس دنیا میں رہ رہے ہیں۔ آپ
 سب اپنی زندگی کی کشتیوں میں سوار ہیں جو اکثر اس دنیا
 کے مدوجہز میں ڈگمگا رہی ہیں۔

وہ ذاتِ واحد جو آپ کی کشتیوں کو بحفاظت ساحل
 تک پہنچائے گا وہ آپ کا اللہ ہے۔ تو پھر آپ دوسرا کس
 پر بھروسہ کریں گے، کس پر اعتماد کریں گے جبے شک یہ
 آپ کا اللہ ہی ہے جو سب سے زیادہ شان والا اور قوت
 والا ہے۔ بس اُس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھامیں، اپنے
 دل کو اس کی حفاظت میں دیں اور اس پر کامل توکل رکھیں۔
 پھر دیکھیں آپ کا دل کس قدر ترقی پائے گا، کتنا چمکے
 گا اور کتنا مضبوط ہوگا۔

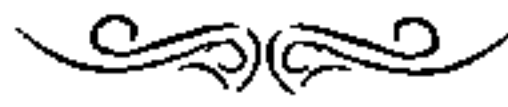
یہ دل اتنا طاقت ور ہوگا کہ ایک بھی بیماری اس
 میں داخل نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی یہ کبھی شیطان کے حملے

کا ہدف بنے گا۔

اے اُمّتِ محمدی! اپنے دلوں کی خوب دیکھ بھال
کیجئے، کیوں کہ یہ انسان کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔ اس
میں شک نہیں کہ اللہ اپنے عاشقین کے دلوں میں رہتا
ہے۔

اللہ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہم
سب کو ایسے محبت بھرے دل عطا کرے جن میں وہ
ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہے۔

آمین!



۴ جون ۲۰۱۰ء

باب (۱۷)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو نہایت رحم والا اور مہربان ہے، جو سب کچھ جاننے والا ہے، جو ان تمام دلوں کی سرگوشیاں جانتا ہے جن کو اس نے پیدا کیا ہے۔

دُرود و سلام اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان پر جو امت پر سب سے زیادہ مہربان ہیں، جو مجسم رحمت اور اپنے اللہ کا نور ہیں۔

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ کے لئے اور آپ کے گھروں کے لئے سلامتی ہو ان سب پر جو ہر ہفتے یہاں نور اور رحمت کی بارش میں آکر بیٹھتے ہیں۔

اپنی پوری زندگی میں ایک شخص کتنی باریہ کہتا ہے کہ، مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے اور میرا اس پر ایمان ہے؛ جب بھی آپ لوگوں کو بات چیت کرتے سنتے ہیں، آپ کو ایسے جملے سنائی دیتے ہیں کہ ”اللہ بہتر کرے، میں نے تو ہر چیز اللہ پر چھوڑ دی ہے وہ ہی بہتر کرے گا“ مومن کو اسی

طرح بات کرنا اور ایمان رکھنا چاہیے۔ یعنی اللہ کی رضا میں مکمل راضی رہنا۔ لیکن ایسے کتنے لوگ ہیں جن کا مقصد واقعی وہی ہوتا ہے جو وہ کہتے ہیں۔

کیا وہ واقعی اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں، کیا واقعی اللہ پر ان کا کامل ایمان ہے، یا وہ فقط کھوکھلے الفاظ دہرا رہے ہیں۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ صرف چند ہی مسلمان ایسے ہیں جو اپنے کہے پر صادق و سچے ہیں۔ اکثر اوقات ایسے الفاظ رواروی میں کہے جاتے ہیں، یا عادت کے طور پر کہے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ حقیقت میں انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

اللہ پر بھروسہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل کی گہرائیوں سے ماننا، اپنے اللہ کے ایک ایک لفظ پر ایمان رکھنا، اللہ آپ کا معبود ہے، آپ کا پروردگار ہے۔ وہ آپ کے ظاہر، باطن سے کامل طور سے واقف ہے۔ وہ اس بات سے آگاہ ہے کہ چند سال پہلے آپ نے کیا کہا تھا اور یہ بھی کہ چند سال بعد آپ کیا کہیں گے۔ وہ ان الفاظ کو جانتا ہے جو ابھی آپ نے کہے بھی نہیں ہیں۔ وہ ان خیالات کو بھی جانتا ہے جو ابھی آپ کے ذہن میں آئے بھی نہیں ہیں۔

وہ آپ کے پیدا ہونے سے لے کر آخری سال تک آپ کے
دل کی صحیح کیفیت کو جانتا ہے۔

جب ایک بیج زمین میں بویا جاتا ہے تو اس کے
پھوٹنے سے پہلے ہی اللہ جانتا ہے کہ یہ درخت کتنا اونچا
ہوگا، یہ کتنا پھل دے گا، اس کی شاخوں پر کتنے پرندے
بیٹھیں گے اور کتنے آدمی اس کی چھاؤں میں آرام کریں گے۔
جس وقت اللہ کے فرشتے ہوا کو حرکت کرنے کا
حکم دیتے ہیں، تو اللہ صحیح صحیح جانتا ہے کہ ہوا کس طرف
جائے گی اور کن چیزوں کو یہ چھوئے گی، اس میں کتنا پانی
ہوگا اور اس میں سے کتنی آوازیں سن کر سنیں گی۔

یہ سب اللہ کا نظام ہے، اس کے حکم کے بغیر ایک
پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ اگر اللہ کی مرضی شامل حال نہ ہو،
تو ایک دل بھی نہ دھڑکے، ایک دھڑکن بھی دل میں
پیدا نہ ہو اور ایک روح بھی برقرار نہ رہ سکے، جب تک
اللہ نہ چاہے۔ جب اللہ کی رضا سے بڑھ کر کوئی رضا نہیں،
تو پھر آپ سب کو اس کا ادراک کیوں نہیں؟ آپ سب
اجمقوں کی جنت میں کیوں رہ رہے ہیں؟ یعنی آپ کس
طرح یہ گمان کر سکتے ہیں کہ آپ وہی کر سکتے ہیں جو آپ کی

مرضی ہے، اور یہ کہ آپ خود ہی اپنی تقدیر کے بنانے والے ہیں؛ جب آپ کوئی کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں۔
 فرض کیجئے کہ آپ کوئی تصویر بنا رہے ہیں اور آپ دنیا کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ آپ اسے خوبصورتی سے کر سکتے ہیں، تو پھر آپ کیا کرتے ہیں، یقیناً آپ کئی دنوں تک اس کے ڈیزائن پر غور کریں گے، اس کا خاکہ کئی بار تیار کریں گے۔ اس کے بعد آپ اس کے رنگوں کے امتزاج کے بارے میں سوچیں گے اور پھر تصویر میں وہی رنگ بھرین گے۔ تو اس طرح آپ اپنی تخلیق کے لئے بہترین کوشش کریں گے۔ اور جب یہ مکمل ہوتی ہے تو آپ یہ سب کو دکھانے اور ان سے پسند کرانا چاہیں گے۔

یہی ہے دنیا کے اکثر لوگوں کا طریقہ، وہ کام کرتے ہیں، اس میں اپنی پوری کوشش صرف کرتے ہیں اور پھر اپنی کوششوں کا انعام مانگتے ہیں۔ اگر اس کام کے کرنے کے دوران کوئی گڑبڑ ہو جائے، تو وہ اپنی قسمت کو کوسنا شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی اللہ کی مرضی تھی۔
 لیکن اگر اس کام کو پسند کیا جائے تو پھر ساری تعریفیں اپنی جھولی میں سمیٹتے ہیں۔ وہ تعریف و توصیف کے طلبگار

ہوتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں باتیں کریں کہ وہ کتنے اچھے ہیں۔ وہ درحقیقت سب کی توجہ کا مرکز بننا چاہتے ہیں۔ یہ توجہ ان کی روح کے لئے غذا ہے۔ یہ ہے وہ طریقہ جس سے ان کی روح پھلتی پھولتی ہے۔ یعنی اپنے ہی بارے میں خیالات کی بھرمار، اپنی ہی تعریفوں کے ڈونگرے پرانا اور اپنی ہی ذات سے محبت کرنا۔ جب ان کی روحیں ایسی چیزوں سے مطمئن ہوں تو وہ کس طرح اوروں کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص آئینہ کے سامنے مسلسل کھڑا ہو، وہ جہاں بھی جاتا ہے یہ آئینہ اس کے سامنے موجود رہتا ہے۔ کوئی بھی شے اس کی توجہ اور اس کی ستائش اس پر سے نہیں ہٹا سکتی، جس سے وہ سب سے زیادہ محبت کرتا ہے، یعنی خود اپنے آپ سے۔

اگر آپ کسی کنیٹر کو بہت زیادہ وزن سے بھریں گے اور اسے سمندر میں ڈالیں گے، تو وہ ڈوبنا شروع کرے گا۔ اور اگر وزن زیادہ ہو تو عین ممکن ہے کہ وہ سمندر کی تہ میں چلا جائے گا یا لہا سال تک وہیں پڑا رہے گا۔ لیکن اگر آپ اس کنیٹر کو وزن کے لحاظ سے ہلکا رکھیں

گے تو وہ سطحِ آب پر تیرنا شروع کر دے گا، لہریں اُسے
 دھیرے دھیرے نئی منزلوں کی طرف لے جائیں گی۔
 اُسے دوسرے علاقوں اور نئی دنیاؤں سے آشنا کریں گی۔
 وہ ایک ہی جگہ پر نہیں رُکے گا، وہ آگے بڑھتا رہے گا۔

یہی معاملہ انسانی ارواح کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر
 روح خود اپنی ذات سے اتنی بھری ہوئی ہو، تو اس رُوح
 کا وزن اتنا ہو جائے گا کہ وہ زمین پر مصنوعی سٹیکے
 رہے گی۔ اور اس کی نظر صرف اس لاوجود دنیا کو ہی دیکھ
 سکے گی۔ یعنی اس دھوکے کو جو صرف چند مزید سالوں کے
 لئے باقی ہے۔

یہ ہے وہ حال جو ”میں“، کسی بھی شخص کا کر سکتا ہے،
 وہ اس کی نگاہوں کو اتنا تنگ کر دیتا ہے کہ اُس کا اصل
 ہدف، اس کی حیات کا اصل مقصد اس کی نظروں سے
 اوجھل ہو جاتا ہے۔ جب کہ وہ لوگ جو اپنے نفسوں پر
 کڑی نظر رکھتے ہیں اور جو ان ”میں“ کے کالے الفاظ کو نہیں
 دیتے۔ وہ ہلکے وزن والی روہیں ہیں جو صرف زمین پر
 لنگر ڈالے ہوئے نہیں ہیں۔ اُس کی بجائے ان کے ہلکے

وزن انہیں پوری دنیا کی سیر کے قابل بناتے ہیں۔ یہی وہ روحیں ہیں جو اپنے ارد گرد کے انسانوں کو دیکھ سکتی ہیں۔ جو اوروں کے دکھ درد کو محسوس کر سکتی ہیں۔ جو خود کو اپنے اللہ کے سپرد کر دیتی ہیں اور جو اللہ کے لئے شب و روز کام کرتی ہیں۔

اس دنیا میں ہر دن نئے مسائل جنم لے سکتے ہیں۔ نئی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں لیکن ان مشکلات میں بہت کچھ ملتا بھی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی حفاظت اور کرم کے سائے میں ہوتے ہیں۔ دوسری یہ کہ وہ جو کام اللہ کے لئے کرتے ہیں، وہ ان کے اللہ کے لئے قرصِ حسنہ ہے، جسے وہ اپنی رضا سے جب چاہے ادا کرتا ہیں۔

اللہ کی راہ کی ہر مصیبت بندے کو اللہ کے قریب تر لے جاتی ہے۔ یہ قرابت اللہ اور اللہ کے عاشق کے درمیان ایک خاص رشتہ ہے، جس کے بارے میں صرف وہی جانتے ہیں۔ اللہ کے عاشق بخوبی جانتے ہیں کہ جب آپ اللہ کے قریب ہوتے ہیں تو اس کے معنی کیا ہیں۔ الفاظ اُسے بیان کرنے سے قاصر ہیں، اور نہ ہی اس راز

میں کسی کو شریک کیا جاسکتا ہے۔ اسے صرف آپ اپنے دل سے محسوس کر سکتے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جسے اللہ کے عاشق دن رات طلب کرتے ہیں۔ یہ وہی چیز ہے جس کے لئے وہ شب و روز اللہ کا کام کرتے ہیں، تاکہ وہ اس شراب کی چند بوندیں حاصل کریں۔ وہ شراب جو اس شخص پر صرف اُس وقت برستی ہے جب اللہ اس پر اپنی رحمتیں اور نعمتیں نچھاور کرتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ لوگ اس وقت ادا اس کیوں ہوتے ہیں جب ان کا کام ان کے حسبِ منشا نہیں ہوتا، جب ان کی آمدنی ان کے لئے مسائل پیدا کرے، یا جب زندگی ان کے ساتھ انصاف نہ کرے؟ وہ فقط اللہ ہی پر کیوں بھروسہ نہیں کرتے؟

اے اُمّتِ محمدی! مصائب آپ کے لئے اللہ کی آزمائش ہیں، تاکہ آپ اپنے آپ کو پرکھ سکیں کہ آپ کتنے مضبوط ہیں اور اللہ پر آپ کا ایمان کتنا مضبوط ہے۔ ایک انسان کی زندگی میں کئی ایسے واقعات ہوتے ہیں جنہیں تسلیم شدہ سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جب کسی کو بھوک لگتی ہے تو اسے یقین ہوتا ہے کہ اسے کھانا

ملے گا۔ اگر وہ پیاسا ہے، تو اللہ اُسے پانی دے گا۔
 اگر وہ تھکا ہوا ہے تو نیند آکر اس کی تھکاوٹ کو ختم
 کر دے گی۔ اسی طرح وہ مانتا ہے کہ جب وہ سالن
 لیتا ہے تو ہوا اس کے پھیپھڑوں میں چلی جائے گی۔ یا
 جب وہ صبح جاگے گا، تو سورج گرم اور چمکتا ہوا ہوگا۔
 تو اس طرح اگر اللہ اس کی تمام ضروریات کو پہلے سے ہی
 پورا کر رہا ہے، تو وہ زندگی کے مصائب سے کیوں
 پریشان ہے؟

وہ کیوں ادھر ادھر اوروں سے مدد لینے کے لئے
 بھاگتا پھرتا ہے۔ وہ اللہ پر بھروسہ کیوں نہیں کرتا؟ وہ
 جو دوسروں سے مانگتے ہیں۔ اللہ ان دوسروں کو ان کا
 حاجت روا بناتا ہے۔ لیکن وہ جو اپنے اللہ سے طلب
 کرتے ہیں، تو اللہ یقیناً کسی کو بھی انکار نہیں کرتا۔

اللہ کتنا اور کیسے عطا کرتا ہے، کیا کوئی اس کی حد
 مقرر کر سکتا ہے؟ جب آپ کو اللہ پر کامل بھروسہ اور
 یقین ہے، تو مصیبت آنے پر آپ کے قدم نہیں ڈگمگائیں
 گے۔ آپ کی قوت اس یقین میں مضمر ہے، جو نہ صرف
 آپ کو سختیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت بخشتی ہے، بلکہ

ان مصیبتوں کو جھیلنے کے لئے صبر بھی عطا کرتی ہے۔
 یہ اللہ کی رضا کے آگے سچائی سے سر تسلیم خم کرنا ہے،
 یعنی اس بات کا پختہ یقین کہ اللہ کے سوا کوئی بھی آپ کو
 آپ کی مشکلات سے نجات نہیں دلا سکتا، کیوں کہ وہی
 سب سے زیادہ قوت والا اور رحم والا ہے۔ اللہ ہی پروردگار
 ہے، رازق ہے اور ہر ایک کو کھلاتا اور ہر ایک کی دیکھ
 بھال کرتا ہے۔ ح

جب اس نے ہر ایک کی تقدیر بنائی اور ہر ایک
 کا رزق مقرر کیا ہے، تو پھر آپ کو یہ فکر کیوں کھائے جا
 رہی ہے کہ آپ کو اوروں سے کم ملے گا؟ آپ کو یہ پریشانی
 کیوں ہے کہ اللہ آپ کو بے یار و مددگار اور بے زر و مال اکیلا چھوڑ دے گا؟
 کیا یہ وہی نہیں جس نے آپ سب کو پیدا فرمایا
 ہے؟ کیا یہ وہی واحد ذات نہیں جو اپنی جملہ مخلوقات
 پر اپنی نعمتیں اور برکتیں برساتا ہے؟ آپ نے کب اور
 کہاں اس کے نظام میں کوئی کمی دیکھی ہے؟ کیا آپ کو
 اپنے اطراف وہ ساری نشانیاں نظر نہیں آرہی ہیں؟ کیا
 یہ نشانیاں آپ کو آپ کے رب کی عظمت و شوکت نہیں
 بتا رہی ہیں؟

اگر آپ توکل کا سبق سیکھنا چاہتے ہیں تو وہ حقیر چھوٹی
 سے سیکھئے جو اتنی چھوٹی ہے کہ اس کے بارے میں آپ
 شاید زیادہ سوچتے بھی نہ ہوں گے۔ یہ چیونٹیاں اپنے رب
 کو جانتی ہیں، وہ ہر وقت اس کی حمد و ثنا کرتی ہیں اور
 اس کی رضا میں انتہائی عاجزی سے تسلیم خم کرتی ہیں۔ کیا
 آپ جانتے ہیں کہ یہ چیونٹیاں مشترکہ طور سے کام کرتی ہیں،
 فوجی حکمتِ عملی والی ہیں، ان کے پاس پیشگی اطلاع
 کا نظام ہے۔ سخت نظم و ضبط ہے اور مکمل شہری منصوبہ
 بندی ہے؟

کیا آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ
 آبادی والی حیات یہی چیونٹیاں ہیں؟ اس دنیا میں
 پیدا ہونے والی ہر (۱۰۰) ملین چیونٹیوں کے مقابلے میں
 صرف ہر انسان پیدا ہوتے ہیں؛ چیونٹیاں جو کیڑے
 مکوڑوں میں سب سے زیادہ سماج پسند گروپ ہیں،
 سماجی کالونیوں میں رہتی ہیں، جو انتہائی نظم و ضبط کی
 حامل ہیں۔

چیونٹیاں اپنے بچوں کی خوددیکھ بھال کرتی ہیں۔
 اپنی کالونیوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور غذا فراہم کرنے اور

اُسے ذخیرہ کرنے میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ ان میں کارکن چیونٹیاں، فوجی چیونٹیاں اور امین چیونٹیاں ہیں۔ چیونٹیاں اس سماجی نظام کی پیروی کرتی ہیں جو اللہ نے ان میں ودیعت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک گروپ اپنے ذمے کے فرائض بہ حسن و خوبی انجام دیتا ہے۔ اس میں ایشار و قربانی کا انتہائی جذبہ ہوتا ہے اور وہ زیادہ کے لئے کوشش نہیں کرتی۔

یہ قدرت کا قانون ہے جس طرح کہ آج کل کے بچپوں کا دعویٰ ہے کہ قدرت کے نظام میں ”بقا کی جنگ“ جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کے برعکس، ہر زندہ مخلوق صرف وہ غذا کھاتی ہے جو اس کے لئے مختص ہے اور وہ فرائض انجام دیتی ہے جو اللہ نے اس کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔ کیوں کہ ایسی کوئی ذی حیات اور حشرات نہیں جو اللہ کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں۔ وہی واحد ذات ہے جو غذا فراہم کرتی ہے۔

چیونٹی کالونی کا نظم و ضبط اور طریقہ کار خامیوں سے پاک ہے۔ چیونٹیوں کا ہر گروپ اپنے کام کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتا رہتا ہے۔ کچھ گروپ اپنی توجہ مکمل

طور سے دشمن سے مقابلے یا شکار پر مرکوز رکھتے ہیں۔ دوسرا گروپ جال بنتا ہے اور ایک اور گروپ دیکھ بھال کرتا ہے۔ چیونٹی کالونی میں ہر ایک چیونٹی اپنے حصے کا پورا کام کرتی ہے۔ کوئی بھی اپنے مرتبے یا کام کی نوعیت کے بارے میں فکر مند نہیں۔ ان کے نزدیک سب سے اہم کام صرف اپنے رب کے احکام کی تعمیل کرنا ہے۔

اگر آپ شراکت داری کے بارے میں سیکھنا چاہتے ہیں تو یہ چیونٹیوں کے ذریعے سیکھئے۔ یہ انسانوں سے مختلف ہیں۔ اگر انہیں کوئی اچھا ذخیرہ ملتا ہے تو وہ اس میں فوری طور پر دوسروں کو شریک کرنا چاہیں گے۔ مثال کے طور پر اگر کسی کارکن چیونٹی کو کھانے کا کوئی بڑا ذخیرہ ہاتھ لگتا ہے تو وہ خوشبو کے ذریعہ ایک پیغام بھیجتی ہے، تاکہ دوسری چیونٹیاں اس کھانے تک پہنچ سکیں۔

وہ انسانوں کی طرح اللہ کی نعمتوں کا اکیلے مزہ نہیں اڑاتیں بلکہ وہ اس میں سب کو شریک کرتی ہیں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان میں حسد، جھوٹ، تکبر اور غرور نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کی فطرت اسی طرح سادہ ہے۔ اللہ کی اس مخلوق پر جب کوئی آفت گرتی ہے،

جیسا کہ کھانے کی قلت، تو یہ نہ فقط اللہ پر توکل کا اظہار کرتی ہیں، بلکہ اپنے بے لوث رویہ کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔ جب کالونی میں غذا کی کمی پیدا ہوتی ہے، تو کارکن چیونٹیوں کو فوراً کھلانے والی چیونٹیوں میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ جو اپنے پیٹ میں موجود کھانے کے محفوظ ٹکڑوں سے دوسروں کو کھلاتی ہیں۔ اور جب کالونی میں کھانا زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ پھر سے کارکن چیونٹی بن جاتی ہے، ایسی ہے ان کی قربانی۔

کیا نسلِ انسانی قربانی اور اللہ پر بھروسے کی ایسی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے کہ جس میں کسی انسان نے اپنی خوراک سمیت اپنا سب کچھ بغیر کسی پس و پیش کے اپنے ساتھی انسانوں کو دے دیا ہو۔

جب اللہ کی مخلوق اپنے اللہ کا حکم مانتی ہے، اس کی رضا کے آگے سہر تسلیم خم کرتی ہیں تو پھر فائدہ بھی ان کے اپنا ہی ہے۔ وہ کامل ہم آہنگی سے ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے، انتہا درجے کے نظم و ضبط اور جذبہ ایثار سے۔ کاش کہ انسان ان مثالوں سے سبق سیکھیں، کاش کہ وہ اپنے رب کی رضا کے آگے جھکنا شروع کر دیں تو

پھر اسی صورت میں دنیا میں جاری انتشار کو روکا جاسکتا ہے۔

اے اُمّتِ محمدی! اللہ کی نشانیوں کو تلاش کریں، اس کی پیش کردہ مثالوں سے سیکھیں، چاہے وہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہوں۔ اس پر بھروسہ کرنا شروع کریں۔ کامل بھروسہ کرنا سیکھیں، کامل توکل کریں۔ کیوں کہ یہی وہ چیز ہے جو اللہ کی دوسری مخلوقات کرتی ہیں۔ ساری مخلوقات سوائے جن و انس کے۔ اگر آپ اللہ کے نظام کو چھوڑ دیتے ہیں تو آپ خود ہی ابدی خسارے میں رہیں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ اپنی لا اہتہا رحمت کے صدقے ہمیں ابد تک اپنی سیدھی راہ پر لگائے رکھے اور ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے۔

آمین!



۱۱ جون ۲۰۱۰ء

باب (۱۱۸)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو بڑی شان والا اور نہایت مہربان ہے۔ وہ جو الرحمن اور الرحیم ہے اور جس کی رحمت تمام جہانوں اور کائناتوں پر محیط ہے۔
درود و سلام ہوں اللہ کے محبوب پر جن کی محبت اللہ کے لئے بے انتہا ہے، جس کے لئے وہ اپنے رب کی عبادت دن رات کرتے ہیں۔

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ اور آپ سب کے گھرانوں کے لئے۔ سلامتی ہوں ان تمام نوریوں پر جو نہ فقط نام کے نوری ہیں بلکہ ان کے دل بھی نوری ہیں۔
مجھے بتائیے کہ اس دنیا کی مضبوط ترین اور کمزور ترین چیزیں کون سی ہیں؟ اس کا جواب ہے "ایمان"۔

دیکھئے، دنیا میں ہر چیز ٹوٹ یا چکنا چور ہو سکتی ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ کیسے بنی ہے۔ لکڑی کو کھارڑی سے

کاٹا جا سکتا ہے۔ لوہا پگھلایا جا سکتا ہے۔ آگ بجھائی جا
سکتی ہے، دریا سمندروں میں غائب ہو سکتے ہیں اور سمندر
بھاپ بن کر اڑ سکتے ہیں۔

اگر آپ اس دنیا کے جغرافیہ پر نظر ڈالیں تو آپ کو
یہ جان کر حیرت ہوگی کہ چند ملین سال پہلے یہ زمین جس
پر آپ سب بڑے آرام سے رہ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ
کبھی کوئی مہاساگر کا حصہ رہی ہو۔ یا یہ مہاساگر جنہیں آپ
آج دیکھ رہے ہیں کسی منجمد دور کی پگھلی ہوئی برف ہوں۔

تو آپ دیکھیں گے کہ کوئی شے ایک جیسی نہیں رہتی،
ہر سمت تبدیلی ہی تبدیلی ہے۔ تبدیلی کا عمل کبھی نہیں رکتا،
یہ دنیا اپنے خاتمہ تک بدلتی رہے گی۔ اس زمین کی ابتدا
سے لے کر آج تک، یعنی وقت کے اس پورے دوارنیہ میں
انسان نے بھی بڑی زبردست ترقی کی ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ ایک آدمی کی فوری ضروریات صرف
اپنا پیٹ بھرنا اور خود کو وحشی درندوں سے محفوظ رکھنے تک
محدود تھیں۔ پھر اللہ کی رحمت نے اُسے بقا کے نئے طریقے
سکھائے۔ اس نے رہنے کا جدید ترین فن سیکھ لیا۔ وہ غاروں
سے نکل کر چھوٹے گھروں میں آئے، اور ان چھوٹے مکانات

سے بڑے محل نما رہائش گاہوں تک پہنچے۔
 انسان نے اس دنیا کو اپنے آرام و آسائش کی جگہ بنا
 ڈالی۔ وہ جیسے جیسے طاقتور ہوتا گیا، اس کا عمل اتنا ہی
 ظالمانہ ہوتا گیا۔ ہر نئی کامیابی اس کے دل میں غرور لانے
 کا باعث بنی، اور اس نے خود کو اس دنیا کا ناسا بل
 شکست حاکم سمجھنا شروع کیا۔

صدیوں تک اس کا مقصد حیات اپنی قوت و طاقت
 میں اضافہ کرنا رہا، تاکہ کوئی بھی اس کی زندگی کی آسائشوں
 کو اس سے نہ چھینے۔ اس کی آنکھیں اس دنیا کی تبدیلیوں
 کو دیکھتی رہتی تھیں۔ وہ یہ جانتا ہے کہ جو کوئی بھی سائنس
 لے رہا ہے اس کی آخری آرام گاہ اس زمین کے نیچے ہے۔
 وہ جانتا ہے کہ کوئی چیز ایک جیسی نہیں رہتی۔

زمین بدلتی ہے، سمندر بدلتے ہیں، ملک بدلتے
 ہیں اور باندار بدلتے ہیں۔ اس کے ارد گرد ہر چیز تبدیل ہو
 رہی تھی، سوائے اس کے اپنے دل کے۔ اس کا دل ویسا
 ہی رہا، غرور و تکبر سے بھرا ہوا، لالچ، طمع سے بھرا ہوا حسد اور جلن سے
 بھر پور۔ یہ انسانی دل تبدیل نہیں ہوا۔

تکبر و راصل ایک پرفریب خیال ہے جو شیطان کسی

شخص کے ذہن میں پروان چڑھاتا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جو اس قدر نازک ہے کہ اُسے سوئی کی نوک سے بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ ایک چھوٹا سا بیکٹریا جو مشکل سے دکھائی دے، اس کی جسمانی صحت کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ اگر وہ ۱۵۵ سے ۲۰ منٹ تک سانس لینا بند کر دے، تو اس کے جسم کے اعضاء مرنا شروع کرتے ہیں۔

کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کا جسم کتنا کمزور ہے۔ جتنی کہ اس کی دماغی صلاحیتیں بھی اُسے دھوکہ دیتی ہیں۔ جب وہ اپنی پختہ عمر یعنی ۶۰/۷۰ سال کے پیٹھے میں پہنچتا ہے تو اس کا حافظہ جواب دینا شروع کرتا ہے اس کی ذہنی استعداد بگڑتی ہے، اس کا دماغ کند اور سست رفتار ہو جاتا ہے۔

اس دنیا میں رہتے ہوئے ایک آدمی کی یہ ہے اصلی حالت۔ وہ مکمل طور سے جسمانی بیماریوں، ذہنی خلل اور شیطان کے فریب اور جال کی زد میں ہوتا ہے۔ یہ فریب مکرپی کے جال کی طرح ہے جو اتنی صفائی اور خاموشی سے بنا جاتا ہے کہ آدمی کو اس کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ یہ جال ازہر چھوڑتا ہے، جو دل پر اثر کرتا ہے اور

اُسے بیمار کر دیتا ہے۔

یہ جال آدمی کو اس قدر مضبوطی سے جکڑتا ہے کہ اس کے لئے اس سے چھٹکارا پانا مشکل سے مشکل تر ہو جاتا ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ مکڑی کا جالا اتنا مضبوط تو نہیں ہے، اگر شیطان کا جال بس اس جیسا ہی ہے تو وہ آدمی اُسے توڑ کر خود کو آزاد کیوں نہیں کراتا؟

درحقیقت یہ جال مکڑی کے جال سے کمزور تر ہے، لیکن کیا وجہ ہے کہ وہ بدنصیب شخص اس کے آگے بے بس ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جال آدمی کے بنیادی وجود کو جکڑتا ہے، اس کے قلب کو، اور اس کے قلب میں موجود اس کا ”ارادہ“ بھی جکڑا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان براہِ راست آدمی کے ارادے پر قابض ہو جاتا ہے۔ اگر وہ شخص شیطان کے اولین وار کا مقابلہ کرنے میں زیادہ محتاط نہ ہو، تو بہت ہی دھیرے سے بہت ہی ابھانے میں اس شخص کا ارادہ شیطان کا ارادہ بن جاتا ہے۔

اب شیطان جو کچھ کرنا چاہے گا، وہ سب اس شخص کے اعمال بن جاتے ہیں۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ

وہ اس یار دشمن کے آگے بے بس اور بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اگر آپ کو اپنی چھت سے مکرٹی کا ایک چھوٹا اور کمزور جالا لٹکتا دکھائی دے اور آپ میں اسے توڑنے کی بہت نہیں، یعنی آپ اسے توڑنا نہیں چاہتے، تو پھر کیا ہوگا؟ ہو سکتا ہے کہ وہ جالا بڑے سے بڑا ہوتا جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت پورے مکان کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ تب آپ حیران ہوں گے کہ یہ کیا ہو گیا۔ یہ اتنی تیزی سے کس طرح بڑھ گیا، اور میں نے آخر اسے بڑھنے کیوں دیا؟

مکرٹی کے جانے کو انسانی آنکھ آسانی سے دیکھ سکتی ہے۔ یہ جو مشکل پیدا کرتا ہے، وہ بھی ظاہر ہے۔ لیکن بد قسمتی سے شیطان کا جالا بالکل نظر نہیں آتا اور اس سے دل میں جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وہ بھی پوشیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جالا دنیا میں کسی بھی چیز سے زیادہ خطرناک ہے۔

تباہ کن فریب جو یہ جالا پیدا کرتا ہے، وہ برتری کا احساس ہے جو کہ تکبر کا نتیجہ ہے، جو ایک بیمار دل میں موجود رہتا ہے۔ تکبر دل کے اندر وہ خاموش آواز

ہے جو کہتی رہتی ہے کہ: ”میں بہترین ہوں،“ اور جب ذہن اس پیغام کو جذب کرتا ہے، تو پھر زندگی کے بارے میں آدمی کا زاویہ نظر بدل جاتا ہے۔

اس کی آنکھیں صرف ان چیزوں کو دیکھتی ہیں جو خود اس کے لئے بہترین ہوں۔ اس کی آنکھیں اس وقت بند ہو جاتی ہیں جب دوسروں کی ضروریات ان کے آگے آتی ہیں۔ اس کے ہاتھ صرف وہ کام کرتے ہیں جو اس کے اپنے فائدے کے ہوں۔ اور اس کی زبان سے صرف وہی الفاظ نکلے ہیں جو اس کی اپنی تعریف کے ہوں۔ اور دوسروں کو اس کی بڑائی بیان کرتے ہوں۔

اس کی خودی، اس کی ذات صرف اس کے اپنے لئے ہے۔ اس کا جسم صرف اپنے لئے ہے۔ اس کا دل صرف اس کے لئے ہے۔ وہ صرف اپنے لئے جیتا ہے۔ اس کا واحد دوست اس کی اپنی ذات ہے۔ اس کا اثاثہ اس کی اپنی ذات ہے۔ اس صورت میں کیا آپ اس کی تنہائی کا اندازہ لگا سکتے ہیں؟

اس وسیع و عریض دنیا میں وہ کتنا اکیلا ہے۔ کتنا تنہا ہے۔ وہ تنہائی کو ختم کرنے کے لئے ان ہی الفاظ کو

دہراتا رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اُسے کچھ دیر کے لئے خوش رکھیں۔ یعنی یہ الفاظ کہ ”میں سب سے بہتر ہوں“ میں سب سے بہترین ہوں۔ افسوس ہے اس شخص کیلئے، لُقُف ہے اس شخص پر، لُقُف ہے اس کے تکبر پر۔ اس تکبر نے نہ صرف آدمیوں کو برباد کیا، بلکہ اس نے ماضی کی قوموں کو بھی تباہ کیا۔ انبیاء علیہم السلام کے کسی بھی قصے کو اٹھا کر پڑھئے۔ آپ پائیں گے کہ ان نبیوں سے انکار کا بنیادی سبب اس زمانے کے لوگوں کا غرور و تکبر تھا۔

فرعون کو دیکھیں۔ اس کے تکبر نے اسے اپنی نگاہ میں خدا بنا دیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت صُور علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوموں کو دیکھیں۔ انہوں نے اللہ کے نبیوں کی باتوں پر کان کیوں نہیں دھرا، محض اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ بہتر جانتے ہیں۔ وہ خود بہترین ہیں۔ اس لئے ان سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔ یہ تھا ان لوگوں کا ایمان اور یہی ہے ایمان آج کے لوگوں کا۔ ایمان اس دنیا میں کمزور ترین اور ساقی سے مضبوط ترین چیز ہے۔ یہ کمزور اس لئے ہے کہ اس دنیا

میں بہت زیادہ مزیدار چیزیں ہیں اور انہیں آسانی سے حاصل کرنے کے لئے آپ کو صرف اپنا ایمان بیچنا پڑتا ہے۔ جھوٹ سے آپ کو مرتبے مل سکتے ہیں، بددیانتی آپ کو مال دلا سکتی ہے۔ حسد کے ذریعے آپ دوسروں سے زیادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور طمع اور نجل آپ کا بینک بلیٹ بڑھا سکتے ہیں۔ بے شرمی آپ کو دوسروں میں ممتاز کر سکتی ہے۔

تو پھر کیا ضرورت ہے کہ آپ ایمان جیسی چیز کو اپنے دل میں رکھیں جب کہ اس دنیا میں اتنی ساری چیزوں کی بھرمار ہے۔ یہ ہے حالت آج کے دنیا دار لوگوں کی ان لوگوں کی جو نہیں جانتے کہ وہ اپنے ایمان کے بدلے کتنے بڑے گھماٹے کا سودا کر رہے ہیں، فقط اس دنیا کی خاطر۔

ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ایسا آدمی ہے کہ جس کے پاس دنیا کی دولت ہو، محل نما رہائش گاہیں ہوں عزت و شہرت ہو۔ یعنی دنیا کی ساری آسائشیں ہوں، لیکن اس کا دل ایمان کی نعمت سے خالی ہے۔ آپ اس آدمی کو اس شخص کے مشابہہ قرار دے سکتے ہیں، جس کے پاس سرخ چمکدار سیبوں سے بھری ٹوکری ہو ان کی شرمی ٹھوک بڑھانے

والی اور چپ آنکھوں کیلئے فرحت بخش جیکہ اُن کی خوشبو ناک کے لئے مزیدار ہو۔

یہ آدمی اس ٹوکری کو ہر وقت اپنے آگے اپنے بہترین دولت سمجھ کے رکھتا ہے، وہ ان کی تعریف کرتا ہے، انہیں سونگھتا ہے، تھا مٹا ہے، لیکن انہیں نہ خود کھاتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو کھانے دیتا ہے۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد اس شخص کے آگے ہی وہ سیب مر جھا جاتے ہیں، پھر ان کی تازگی ختم ہو جاتی ہے۔ اور ان میں سے بدبو آنی شروع ہوتی ہے۔ اور آخر کار ان میں سے کیڑے نکلنے شروع ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کو اس وقت اپنی غلطی کا احساس ہو لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

دنیا کی یہ موج مستیاں بالکل سُرخ چمکتے سیبوں کی طرح ہیں۔ جو دیکھنے اور چھونے میں تو اچھی لگتی ہیں۔ لیکن وہ کسی شخص کی زندگی کو بھلائی نہیں پہنچا سکتی۔ ایسے لوگ زندگی بھر اپنی ٹوکری کی دیکھ بھال کرتے ہیں، اسے دل سے رگاتے ہیں اور کسی کو چھونے نہیں دیتے۔ لیکن جب یہ سیب گل سڑ کر بے کار ہو جاتے ہیں، تو تب انہیں احساس ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

اکثر لوگ یہ جانتے تک نہیں کہ ایمان کیا ہے اور یہ انسان کا سب سے انمول اثاثہ کیوں ہے۔ ایمان وعدہ وفائی ہے۔ ایک وعدہ جو آپ سب نے ”یوم میثاق“ میں کیا تھا۔ یعنی اس دن جب تمام ارواح نے اپنے رب کو دیکھا تھا اور اس سے عہد وفا کیا تھا۔ تمام ارواح، سولے ان کے جو ابلیس کے ساتھ ہیں۔

یہ ہے ایمان، یعنی اپنے کہے ہوئے الفاظ پر قائم رہنا، وہ الفاظ جو کہتے ہیں ”اللہ، تو واحد ہے، اکیلا واحد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے محبوب ہیں“۔ یہ تھا وہ وعدہ جو اس دن کیا گیا تھا۔ کہ آپ اپنے اللہ کے ساتھ سچے رہیں گے۔ اس کے حقیقی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچے رہیں گے اور اس کی راہ کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

جی ہاں، ایمان دنیا میں سب سے مضبوط شے ہے۔ آپ لکڑی کو توڑ سکتے ہیں، لوہے کو گھلا سکتے ہیں، آپ آگ کو بجھا سکتے ہیں۔ آپ دریاؤں کو ملا سکتے ہیں، یا سمندروں کو بجاپ بنا سکتے ہیں۔ لیکن آپ کسی سچے مومن کے دل میں موجود ایمان کو نہیں توڑ سکتے۔

کوئی الفاظ ان الفاظ سے مضبوط تر نہیں ہو سکتے، جو

اس کے منہ سے نکلتے ہیں۔ الفاظ جو کہتے ہیں ”اے اللہ! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، میں تمہارا اور تو میرا ہے۔“ حالات کیسے بھی ہوں، اس دنیا میں اس کی حالت خواہ کچھ بھی ہو، کوئی مشکل، کوئی غربت، کوئی بیماری، کوئی آفت اور کوئی بھی دکھ اور مصیبت ان الفاظ کو تبدیل نہیں کر سکتیں۔ یہ ایمان اس کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔ اور یہ ایمان ہی ہے، جو اُسے آگے بڑھا رہا ہے۔ یہ ایمان تمام سختیوں اور مصائب کے خلاف اس کی ڈھال ہے۔

اس ایمانِ کامل سے وہ ہر طوفانِ زندگی کا سامنا کرتا ہے۔ یہ اُسے صبر، شکر اور اپنے اللہ پر توکل کرنا سکھاتا ہے۔ اس کے سوا کون ہے جو اسکی حفاظت کر سکے اور اسے رزق عطا کر سکے۔ اس کا ایمان اُسے سکھاتا ہے کہ وہ خطرے یا مصیبت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہے کہ ”وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ یہ ہے ایمانِ مومن۔

یہ مجاہد اور اللہ کے یہ دوست اپنی وفا میں سچے ہیں اپنے اس وعدے میں سچے ہیں جو انہوں نے اس دن کیا تھا۔ بیشک کوئی بھی شے ان کے دلوں سے زیادہ مضبوط نہیں ہو سکتی، ان کے ایمان سے مضبوط تر نہیں ہو سکتی۔ اللہ کی رحمتیں اور نعمتیں ہوں ان

تمام دلوں پر۔

ایک ایسا ہی خوب صورت دل ہے، جو کئی سال پہلے اس دنیا میں موجود تھا، اس دل سے جو نور پھوٹتا تھا اس سے اب بھی کئی دوسرے دل روشن و تاباں ہیں۔ یہ دل ہمارے دادا پیر حضرت خواجہ شاہ انعام الرحمن تروی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ قادری، چشتی، صابری، نظامی تھے۔ آپ سہروردی اور نقشبندی بھی تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ میں تمام سچے سلسلوں کے رنگ تھے، جن سے آپ کا دل حسین تر ہوا اور اللہ کے نور کا وصول کنندہ ہوا۔ آپ کا دل سچے ایمانِ کامل کا نمونہ بن گیا، جس نے آپ کے سر کو کسی بھی غیر اللہ کے آگے جھکنے نہ دیا۔ آپ ایک ایسے شخص کا نمونہ تھے جو اپنے اصولوں کے پکے ہیں، اور جو اقتدار اور دولت سے کبھی متاثر نہیں ہوتے۔

جن دنوں آپ رحمۃ اللہ علیہ حکومتِ ہند میں ملازم تھے، تو آپ اپنی تمام نمازیں مسجد میں جا کر ادا کیا کرتے تھے۔ جتنا وقت وہ مسجد میں گزارتے، اس کی تلاویں کے لئے وہ اتنا ہی وقت آفس میں دیر تک بیٹھ کر پورا کرتے تھے۔ ایک بار آپ کے انگلش افسر نے کہلوا بھیجا کہ آپ

اپنی نماز چھوڑ کر آجائیں، کیوں کہ ایک وفد آیا ہوا ہے۔
 جب پچھڑا ہی نے وہ پیغام اس ولی کو پہنچایا، تو آپ
 رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ”جس کے دربار میں میں بیٹھا
 ہوں، اس کے آگے تیری حیثیت مکھی جتنی بھی نہیں ہے۔
 ہم نہیں آتے.... کیوں کہ ہم نے نوکری چھوڑ دی ہے۔“
 یہ ہے ایک ولی کے دل کی قوت۔ کوئی شے بھی
 اسے پریشان نہیں کرتی۔ حالات چاہے کیسے بھی ہوں وہ
 ہر وقت اپنے اللہ کا تابعدار بندہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
 جب ایسے لوگ بات کرتے ہیں، تو یہ اللہ کے الفاظ میں
 بات کرتے ہیں، جب یہ دیکھتے ہیں، تو یہ اللہ کی آنکھوں
 سے دیکھتے ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں، وہ سب اسی کی مرضی
 اور رضائے سے کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو صاحب ایمان ہیں جب
 اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں، تو ان کی خوشبو
 اور ان کا نور ان سب لوگوں کے لئے خوشی اور طابقت
 کا باعث ہوتے ہیں، جن کی نسبت ان کے ساتھ ہوتی
 ہے۔

اے اُمتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب

سے ایمانِ کامل طلب کریں۔ یعنی وہ ایمان جس کو اللہ
کے نبی، اُس کے محبوب، اُس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جانتے تھے۔

اے اُمّتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایمانِ محمدی
صلی اللہ علیہ وسلم طلب کریں۔ بے شک کوئی بھی شے سمجھی
بھی اس سے بڑھ کر مضبوط اور حسین نہ ہوگی۔

آئیے اللہ کے اس عظیم تحفے کو لینے کے لئے اپنے
دلوں کو کشادگی سے کھولیں، اور اللہ سے دُعا مانگیں کہ
اسے صحیح سلامت رکھنے کی خاطر اسے نورِ محمدی صلی اللہ
علیہ وسلم میں لپیٹے۔

آمین!



۱۸ جون ۲۰۱۰ء

باب (۱۱۹)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس کی حمد و ثناء وہ سب کرتے ہیں جن کی نسبت اس سے ہے، جو جہانوں کا رب ہے اور اپنی جملہ تخلیقات کے لئے رحمت ہے، یعنی اُن مخلوقات کے لئے جن کی نسبت اس سے ہے۔

دُرود و سلام ہوں سراپا رحمت، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر، اللہ کی رحمت پر، جن کا دلِ اطہر سب سے زیادہ مہربان ہے اور جو حق کا مظہر ہیں۔ سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ کے لئے اور آپ کے گھرانوں کے لئے۔ سلامتی ہو رب کے اُن خاص بندوں کے لئے جنہوں نے دنیا کو نورِ ہدایت سے روشن رکھا، اور اب بھی روشن رکھے ہوئے ہیں۔ بے شک یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے دل کے قریب ترین ہیں۔

آئیے آج جنت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، اور ان کے بارے میں جو وہاں رہیں گے۔ اس سوال کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ”جنت میرا گلشن ہے اور وہ سب جو وہاں ہیں اس گلشن کے پھول ہیں“

بے شک جنت اللہ کی طرف سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک خوبصورت تحفہ ہے۔ ایک ایسا تحفہ جو حسن اور لذتوں سے بھرپور ہے، خاص طور سے ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے وفادار رہے ہیں۔

جنت ایک حقیقی جگہ ہے، کم و بیش دنیا کی طرح لیکن تاہم کئی اعتبار سے اس سے مختلف بھی ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ کے سچے وفاداروں کے لئے انعامات ہیں۔ اور وہ انعامات ایسے ہیں جن کی مثال انسانی سمجھ سے بالاتر ہے۔

یہ جگہ پاک ارواح کے لئے ہے، جن کو نوری جسم عطا ہوئے ہیں۔ ان جسموں میں نزاکت اور لطافت ہوگی۔ ان میں اس قدر زیادہ حسن ہوگا کہ اس کا شاہدہ

کسی زمین والے نے اس سے پہلے نہیں کیا ہوگا۔
جسم کی کھال شفاف اور چمکدار، آنکھیں مخمور اور چہرے
نہایت ہی دلکشاں ہوں گے۔

جنت کا ہر ایک باسی جوان ہوگا۔ وہاں بڑھاپا
نہیں ہوگا۔ اور نہ کوئی رنج و الم ہوگا۔ جنت میں رہنے
والے دنیا میں رہنے والوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ شدت سے
حساس ہوں گے۔ جنت دلوں کا سکُن ہے جہاں سب سے ضروری چیز
دلوں کی دیکھ بھال ہے، جہاں دلوں کو سب سے زیادہ
قیمتی چیز جانا جائے گا، اور ان کی قدر بھی اسی انداز
سے کی جائے گی۔ وہاں حُسن ہوگا، سُکراٹھیں ہوں گی۔
بہنسی ہوگی۔

اور ہاں، یقیناً وہاں آنسو بھی ہوں گے۔ مگر یہ آنسو
فقط عشق میں بہائے جائیں گے، یعنی سچے عشق میں۔
اس کے علاوہ دوسرے جذبات بھی ہوں گے، جنہیں
عاشقین اس دنیا میں بھی سمجھتے ہیں۔ مثلاً وہاں معشوق
کے لئے تڑپ ہوگی، جدائی ہوگی اور کھیر وصال ہوگا۔ لیکن جدائی کا
یہ مطلب نہیں کہ وہ لمبے عرصے پر محیط ہوگی۔ محبوب
چاہے ایک دو لمحوں کے لئے بھی چلا جائے، جدائی کا

شدید درد دل میں محسوس ہوگا۔

پھر ایک اور شدید درد اٹھے گا، پہلے سے شدید تر۔ اور یہ درد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تڑپ کی صورت میں ہوگا۔ جب کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنتی کے گھر تشریف لے جائیں گے، وہ اس گھر والوں کے لئے عید کا سماں ہوگا۔ ایک مکمل جشن ہوگا، جس کی وہ بار بار طلب کریں گے۔

پھر ایک گہری شدید تر تڑپ ہوگی۔ دل میں ایک ایسی ہوک اٹھے گی، جس کی نہ اس وقت تشریح ہو سکتی ہے اور نہ اس وقت۔ اس تڑپ کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ اسے صرف اشکوں سے محسوس کیا اور دکھایا جاسکتا ہے۔ یعنی عشق کے اشکوں سے۔ یہ تڑپ ان کے رب کے لئے ہوگی، ان کے محبوب العظیم کے لئے، ان کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے ہوگی۔

یہ تڑپ اور یہ آنسو انہیں ان کا سب سے بڑا انعام دیں گے۔ یہ اعلیٰ ترین انعام انہیں ان کی وفا کے بدلے ملے گا۔ یہ انعام جو انہیں ابد تک ملتا رہے

گا، یہ ہے اُن کے جانِ جانان کا جلوہ۔ اُن کے رب
کا حُسن و جمال۔

البتہ کچھ خوش قسمت انسان ایسے بھی ہیں، جن کو
جنت کا یہ مزہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ وہ دنیا دار لوگ ہوں، جنہیں بعد میں اللہ کے کام
سپرد کئے گئے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں،
جنہیں صرف اللہ اور اس کے کام کے لئے پیدا کیا
گیا ہو۔

یہ ولی یا ولیائیں اپنے رسول کا حقیقی عکس ہیں۔
اور یہی سبب ہے کہ اُن کی زندگیاں اُن کے زمانے کے
لوگوں کے لئے نورِ ہدایت بن جاتی ہیں، اور اُن لوگوں
کے لئے بھی جو بعد میں آئے اور بعد میں آئیں گے۔
اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ اوپر یہ کیوں کہا گیا کہ
انہوں نے اس دنیا میں ہی جنت کی ایک جھلک
دیکھی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ انہیں اس کرم
سے اس لئے نوازتا ہے کہ وہ اس کی موجودگی کو محسوس کرتے ہیں۔ اُسکے
قرب کو اور اسکی محبت کو محسوس کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا اُن کے لئے
ایک پتھرے کی طرح ہے جس میں وہ قیدی کے مانند

اس انتظار میں رہتے ہیں کہ پیچھے کا دروازہ کب کھلتا ہے۔ ع۔ غمِ جدائی کو ہم جانیں یا خدا جانے
بلا نوسوں پہ جو گزری تیری بلا اُبلانے

اگرچہ ان کی تڑپ بہت زیادہ ہے، لیکن تاہم وہ اس ذمے داری کا احترام کرتے ہیں، جو انہیں ان کے اللہ نے سونپی ہے۔ یہ ہے وہ طریقہ جس سے وہ اس دنیا میں اُس کا ذکر کرتے اور اُسے ہر طرف پھیلاتے ہوئے زندہ رہتے ہیں۔

آج ہم ایک ایسے حسین شخص کے بارے میں بات کرتے ہیں جن کے پہلو میں ایک خوبصورت دل تھا۔ جو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریب تھے اور ہیں، جن کا ایک ایک مسامہر وقت حالتِ ذکر میں رہتا ہے، جن کی ذات فنا فی الرسول، فنا فی اللہ اور بقاء باللہ تھی۔ جن کے سر مبارک پر تاجِ چشت سجا تھا، جو پھر تاجِ الہند میں تبدیل ہوا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تمام زمانوں کے لئے سلطانِ الہند بنا دیا تھا۔

حضرت معین الدین حسن چشتی، خواجہ غریب نواز

رحمۃ اللہ علیہ سال ۵۳۶ھ ہجری مطابق ۱۱۴۱ء عیسوی
میں سیستان (ایران) کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ
براہِ راست نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے
تھے، یعنی آپ حسنی حسینی سید تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد
گرامی، حضرت سید عیاش الدین رحمۃ اللہ علیہ سے
حاصل کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف نو سال کی عمر
میں قرآن پاک کو حفظ کیا۔ والد محترم کے وصال کے بعد
آپ رحمۃ اللہ علیہ کو وراثت میں ایک چکی اور ایک
باغ ملا، جو آپ کے گزر بسر کا ذریعہ تھے۔

ایک دن ایک ولی، حضرت ابراہیم قندوری
رحمۃ اللہ علیہ کا گزر حضرت عزیز نواز رحمۃ اللہ علیہ
کے باغ سے ہوا۔ خواجہ صاحب اس ولی کو دیکھ کر
بہت خوش ہوئے اور ان سے بڑے ادب و احترام
سے پیش آئے اور انگوڑوں سے بھری ایک طشتی
ان کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ
آپ کی اس عقیدت مندی کے جذبہ سے بہت متاثر
ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے سوکھی روٹی کا ایک

ٹکڑا نکال کر آپ کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔
 ” وہ تیری بہان لٹواری تھی، اور یہ فقیر
 کی دعوت ہے۔“

اس سے ایک عجیب و غریب چیز واقع ہوئی،
 جو نہی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے روٹی کے ٹکڑے کو منہ
 میں رکھا، آپ کی پوری دنیا ہی بدل گئی۔ اور آپ نے
 ایسا محسوس کیا کہ جیسے دنیا ایک بے معنی سی چیز ہے۔
 اگلے روز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے باغ اور چسکی کو
 بیچ ڈالا اور اپنا سارا وقت علم کے حصول میں گزارنا شروع
 کیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ مشہور جامعہ نظامیہ میں داخلے
 کے لئے بخارا اور سمرقند تشریف لے گئے اور وہاں پانچ
 سال تک قیام فرمایا۔ پھر اپنی روحانی پیاس بجھانے
 آپ عراق سے عربستان تشریف لے گئے پھر وہاں
 سے سفر کرتے آپ ہروان (ہارون) نامی جگہ پہنچے جہاں
 آپ حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید
 ہو گئے۔

خواجہ صاحب اپنے مرشد کی صحبت میں رہے

اور اپنے مرشد کے ہمراہ کئی سفر کئے، جن میں آپ اپنے
 مرشد کا سامان سفر اپنے سر پر اٹھائے چلتے تھے، انہوں
 نے مکہ مدینہ، عراق، شام اور سمرقند کا سفر کیا، جس
 کے دوران آپ لوگوں کی ملاقات کئی جلیل القدر
 بزرگوں سے ہوئی۔ خواجہ صاحب کا جذبہ ایتار دیکھتے
 ہوئے حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک
 دن دعا کی :

”اے خدائے ذوالجلال! معین الدین
 کو قبول فرما اس نے میری بے سرو سامانی
 کے باوجود مجھے نہیں چھوڑا، تو بھی اُسے
 زمین پر تنہا نہ چھوڑ۔“

عین اسی وقت نور کی ایک پھوار خواجہ صاحب
 پر پڑی۔ اور ایک تیز روشنی آپ کے دل میں اتر گئی۔
 جس سے آپ کی آنکھوں سے تمام پردے ہٹ گئے۔
 اس پر آپ کے مرشد نے فرمایا ”معین الدین! اب تم
 کیا دیکھ رہے ہو؟ یہ سن کر خواجہ صاحب نے زار و
 قطار روتے ہوئے جواب دیا کہ ”اے میرے شیخ!
 آپ کے صدقے سے میں عرش سے لے کر تحت الثریٰ

تک دیکھ سکتا ہوں۔“

قیامِ مکہ کے دوران، حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ صاحب کو کعبہ شریف کے قریب لے جا کر دعا فرمائی۔ اس کے جواب میں غیب سے ایک آواز سنائی دی کہ ”ہم نے معین الدین کو اپنے ایک محبوب عقیدت مند کے طور پر قبول کیا“ اسی طرح مدینہ شریف پہنچنے پر حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالیہ میں ایک بار پھر اپنے پیارے مُرید سے صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کو کہا۔

جب آپ نے بڑے احترام سے ایسا کیا، تو ایک آواز سنائی دی، جو کہہ رہی تھی ”وعلیکم السلام“ یا قطب المشائخ، یا سلطان الہند، یہ سن کر آپ کے مُرشد نے فرمایا: ”اب تم واقعی کمال تک پہنچے ہو“ ایک بار دورانِ حج آپ کو ایک مرتبہ پھر مدینہ شریف سے اجمیر جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے کا حکم ہوا۔ چونکہ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ اجمیر کہاں ہے، اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں آکر آپ کو اجمیر

کاپتہ بتا دیا۔

جیسے ہی خواجہ صاحب کو اپنے پیارے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم سے اجبیر جانے کا حکم ملا، آپ فوراً
سفر پر روانہ ہوئے۔ یہ ۵۸۶ ہجری کا سال تھا۔ آپ
رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور پہنچے، تو آپ نے حضرت داتا
گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دی۔
آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں اس جلیل القدر بزرگ
سے فیض حاصل کرنے کے لئے چلا کاٹا۔

خواجہ صاحب اجبیر میں داخل ہوئے، تو اس
وقت وہاں ایک کٹر ہندو راجپوت کی حکومت تھی۔
یہ راجپوت اپنی وحشیانہ فطرت اور بہادری کے لئے
مشہور تھا۔ راجپوتوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ
راجپوت مرد جب میدان جنگ میں جاتے تو کبھی کبھی ان
کی عورتیں خود کو آگ لگاتیں، تاکہ مرد گھر لوٹ کر
آنے کا خیال دل سے نکال دیں۔ ایسی تھی ان کی
مذہبی وفاداری۔ اپنے پچھڑے تراشے ہوئے جھوٹے
خداؤں کے ساتھ۔

یہ تھے وہ لوگ جو خواجہ صاحب کے حوالے

کئے گئے تھے۔ تاکہ ان کے دلوں سے کُفر کی تاریکی کو مٹایا جاسکے۔ یہ وہ دور تھا جب پرتھوی راجہ چوہان دہلی اور اجمیر کا حکمران تھا۔ بہت ہی قلیل عرصے میں وہ آنکھیں جو اب تک صرف اپنے عقیدہ کی تاریکی کو دیکھنے کی عادی تھیں۔ اب ان کفار نے ایک مردِ جوان کو ایک ان دیکھے خدا کو پرستش کرتے دیکھا۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گھاس بھوس سے ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنائی۔ آپ کا کل اثاثہ ایک جائے نماز، پانی کا ایک چھوٹا برتن اور ایک فقیرانہ لباس۔ یہ تھا کل اثاثہ سلطان الہند، شاہ معرفت کا۔ ایک دن کچھ راجپوت خواجہ صاحب کی جھونپڑی میں گھس آئے اور بڑی سختی سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اس پر خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ ”میں ایک مسلمان ہوں اور میں یہاں آپ تک اللہ کا پیغام پہنچانے آیا ہوں“ لفظ مسلمان سن کر راجپوت خوف زدہ ہو گئے۔ کیوں کہ چند سال پہلے ان کا مقابلہ سلطان شہاب الدین غوری کی فوج سے ہوا تھا، جس میں انہوں نے مسلم فوج کو شکست

دی گئی۔

مسلمانوں کے لئے نفرت ان کے چہرے سے عیاں ہو گئی تھی مگر اس سے خواجہ صاحب کے ارادے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صاف صاف یہ پیغام دیا کہ اللہ صرف ایک ہے، کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔

راجپوت اس پیغام سے حیرت زدہ ہو گئے لیکن اس سے زیادہ حیرت انہیں اذان کی صدا سن کر ہوئی۔ اسی طرح اکثر راجپوت اس مرد بلند آہنگ اور اس کے مشن سے واقف ہو گئے۔

ایک دن کچھ راجپوت اس بات پر بڑے غصے میں آ گئے کہ یہ شخص ہمارے خداؤں کو کیوں جھٹلاتا ہے، اس لئے وہ خواجہ صاحب کی جھونپڑی میں گھس آئے۔ لیکن وہ خواجہ صاحب کو نماز پڑھتے دیکھ کر رک گئے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ سجدے میں گئے، تو راجپوتوں نے اپنی تلواریں نکالنے کی کوشش کی تاکہ اپنا بدلہ چکاسکیں۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کوئی بھی اپنے پیام سے تلوار نہیں

زکال سکا۔ ایسے لگتا تھا کہ کسی غیبی قوت نے تلواروں کو مضبوطی سے چپکا دیا ہو۔ انہوں نے بے بسی سے خواجہ صاحب کی طرف دیکھا جو ہلکے سے مسکرا رہے تھے۔

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت دھیمے لہجے میں فرمایا: ”تمہاری بہمان نوازی کے لئے فقیر کے پاس جنگلی پھولوں کے سوا کچھ نہیں ہے؛“ راجپوت اس وقت اور ڈر گئے، جب خواجہ صاحب نے فرمایا، ”نیچے بیٹھ جاؤ۔ اپنی تلواریں زکالو اور جو کچھ کرنا ہے کرو، تم لوگوں کو ایک درویش کو مارنے کے لئے زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں؛“

یہ سن کر راجپوت بھاگ کھڑے ہوئے، یہ کہتے ہوئے کہ: ”یہ جادو گر ہیں، ورنہ ان کو کیسے پتہ چلا کہ ہمارے دل میں کیا ہے۔“ خواجہ صاحب کی کشش اتنی زیادہ تھی کہ یہی راجپوت تیسری مرتبہ بھی آئے مگر اس بار وہ دین اسلام کو گلے لگانے آئے تھے۔

خواجہ صاحب کی تحریک تو بس محبت، علم، پاکیزگی اور ہدایت کی تھی۔ قلیل عرصے میں یہ پورا علاقہ

اللہ کی توحید کی حقانیت سے بھر گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مرد اور عورتوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ لیکن اتنے بڑے پیمانے پر ہندؤں کا اسلام لانا ہندو حاکم کی ناراضگی کا باعث بنا اور اس نے مسلمانوں پر سختی کرنا شروع کر دی۔

پرتھوی راج نے اجمے پال اور سادھو رام جو جادو گر تھے، کو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کالے جادو سے تباہ کرنے کے لئے بھیجا لیکن وہ ناکام رہے۔ ایک دن خواجہ صاحب کا خادم وضو کے لئے پانی لینے انا سا گرنامی دریا پر گیا لیکن وہاں راجپوت سپاہیوں کو دیکھ کر حیران ہوا۔ انہوں نے خادم سے کہا کہ اچھوتوں کے لئے پانی نہیں ہے۔

جب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس کے بارے میں معلوم ہوا، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، بس آج کے لئے میرے آدمیوں کو ایک ایک برتن پانی لینے کی اجازت دے دو، پھر ہم کسی دوسری جگہ سے پانی تلاش کریں گے۔ جب یہ پیغام سپاہیوں کو پہنچایا گیا تو انہوں نے خادموں کا مذاق اڑایا اور صرف ایک چھوٹا

برتن پانی بھرنے کے لئے کہا۔

جب خادموں نے برتن لیا، تو ایک حیران کن واقعہ سپاہیوں کے سامنے پیش آیا۔ ایسے لگا کہ جیسے پورا انا ساگر دریا ان برتنوں میں سما گیا۔ دریا مکمل سوکھ گیا۔ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ خادم کانپتے ہوئے مرشد کے پاس جا پہنچے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ خواجہ صاحب نے جلالی آواز میں فرمایا: "ناپائیدار چیز پر جھگڑا کر رہے تھے۔ اگر اس کائنات کا خالق سمندر کو بھی سوکھ جانے کا حکم دے تو اُسے اس ارادے سے کون روک سکتا ہے۔"

پورے اجمیر میں ایک شور برپا ہو گیا۔ پرتھوی راج کو معلوم تھا کہ اب اسے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شکست دینے کے لئے طاقت ورجا دو گروں کی ضرورت پیش آئے گی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر خواجہ صاحب کی کرامت کا ہر جگہ چرچا ہوگا تو اس سے ہندوؤں کا تسلط کمزور پڑ جائے گا۔ اس نے بڑی چالاکی سے سپاہیوں کا ایک جھنڈہ خواجہ صاحب کی خدمت میں بھیجا، جنہوں نے معافی مانگی اور درخواست کی کہ پانی

انہیں انسانیت کی خاطر واپس کیا جائے،“

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کا پیغام دیتے ہوئے کرم فرمائی
کی اور خادموں سے فرمایا کہ پانی کا برتن دریا کو واپس کر
دیں۔ خواجہ صاحب کی کرامت اس وقت پھر ظاہر
ہوئی، جب برتن کے پانی کو سٹو کھے دریا میں ڈالا گیا
تو دریا پہلے کی طرح پانی سے بھر گیا۔ پرتھوی راج کے
جادوگر جو گئی بے پال کا غصہ ہر مرتبہ بڑھ جاتا جب
وہ خواجہ صاحب کی کرامت کے بارے میں سنتا۔
اس کے تکبر نے اسے یہ کہنے پر مجبور کیا کہ پورا
ہندوستان اس کے زیر تسلط ہے اور یہ اس کے
اختیار میں ہے کہ وہ جس کو جو ایدا دینا چاہے دے
سکتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ ”آج اس زمین پر مسلمانوں کا
آخری دن ہے۔ میں انہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ
جسے وہ کبھی فراموش نہیں کریں گے۔“

پھر اس نے اپنے... جادوگروں کو حکم دیا کہ وہ
خواجہ صاحب کے حجرے کی طرف آگ کے شعلے برسائیں۔
لیکن یہ شعلے اپنے نشانہ پر پہنچنے سے پہلے ہی بجھ گئے۔
پھر جادوگروں نے سلطان کی جھونپڑی کی طرف ہزاروں

سانپ چھوڑے۔ لیکن یہ سانپ بھی خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے تک پہنچنے سے پہلے ہی غائب ہو گئے۔ اس ساری صورت حال نے جادو گروں کو اس قدر اشتعال دلا یا کہ اس نے غصے میں آکر اپنا ہاتھ ہلا یا تو آسمان سے ایک رسی نیچے لہرائی ہوئی نظر آئی۔ جے پال نے یہ کہتے ہوئے اس رسی سے اوپر چڑھنا شروع کیا، کہ ”میں جے پال ہوں، جیسے ہی میں اوپر تک پہنچوں گا بجلی میرا عذاب بن کر آپ لوگوں پر آگرے گی“ اور وہ خود لمحوں میں آسمان میں غائب ہو گیا۔

اس پر خواجہ صاحب نے اپنے نعلین اور ہوا میں اچھال دیئے۔ سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ چند لمحوں کے اندر ہی جے پال رسی سے نیچے چنچتا ہوا اتر رہا تھا، اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نعلین اس کے سر پر زور سے ضربیں مار رہے تھے۔ اس ذلت و رسوائی نے جے پال کو یکسر بدل ڈالا، اور اس نے خلوص دل سے توبہ کی اور مسلمان ہو گیا اور اس کا نیا نام عبداللہ صحرائی رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی بقیہ زندگی ان مسافروں کو راستہ دکھاتے گزاری جو

صحرا میں راستہ بھول جاتے تھے۔

پرتھوی راج اب بھی مسلمانوں کا دشمن تھا۔ ایک دن شہاب الدین غوری، جو ایک عظیم سپہ سالار تھا، مگر جس نے راجپوتوں سے شکست کھائی تھی۔ اُس نے ایک خواب دیکھا، خواب میں اُس نے ایک نورانی بزرگ کو دیکھا جو اس کو ہدایت دے رہے تھے۔ اور جنہیں اس نے خواجہ صاحب کے طور پر شناخت کیا۔ بزرگ نے فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تو ہندوستان کا حاکم بنے گا، اپنی توجہ مرکوز رکھو، پرتھوی راج کو گرفتار کرو اور اُسے ختم کر دو۔

ان ہدایات پر عمل کرتے ہوئے شہاب الدین غوری ہندوستان آیا اور ایک گھمسان کی جنگ کے بعد ہندوؤں کو شکست دے دی۔ اُس نے پرتھوی کو گرفتار کیا جو آخر کار اپنے کیفرِ کردار تک پہنچا۔ شہاب الدین غوری پھر خواجہ صاحب کو خراج عقیدت پیش کرنے اجمیر پہنچا اور آپ رحمتہ اللہ علیہ کا مرید بن گیا۔

خواجہ صاحب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی عکس تھے۔ حالات چاہے کچھ بھی ہوتے، آپ

رحمتہ اللہ علیہ کا چہرہ ہر وقت گلنار رہتا اور لبوں پر
ایک حسین تبسم موجود رہتا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ میں اقتدار
کی کوئی لالچ نہ تھی، نام و نمود کا کوئی شوق نہ تھا اور نہ
ہی دولت کی کوئی خواہش تھی۔ آپ فقط اللہ اور اس
کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا چاہتے۔

حضرت بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ جو آپ کے محبوب
مُرید اور خلیفہ تھے، فرماتے ہیں کہ انہوں نے کبھی کسی
بھکاری یا ضرورت مند کو خواجہ صاحب کے در سے خالی
ہاتھ جاتے نہیں دیکھا۔ اسی لئے آپ کا ایک مشہور لقب
”غریب نواز“ یعنی غریبوں کا ولی تھا۔

اگرچہ خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہندوؤں کی
زبان نہیں جانتے تھے، کیوں کہ آپ فارسی بولتے تھے؛
لیکن اس کے باوجود آپ نے ساڑھے نو ملین لوگوں کو
مشرف بہ اسلام کیا۔ آپ نے ہندوستان کو تلوار سے
نہیں بلکہ محبت سے فتح کیا۔ شیخ ابن عربی رحمتہ اللہ
علیہ، حضرت فرید الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ، حضرت
شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ
آپ کے ہم عصر تھے۔

بروز پیر ۶ رجب ۶۲۷ھ ہجری کو بعد نماز
 عشاء حضرت خواجہ عزیز نواز رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجرے
 میں تشریف لے گئے، اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ
 دی۔ جب فجر کی نماز کے وقت تک دروازہ نہ کھولا،
 تو آپ کے مریدوں نے دروازہ کھولا اور دیکھا کہ آپ
 رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی مبارکہ پر لکھا تھا،
 ”یہ اللہ کے محبوب تھے، اور اللہ کی محبت میں چل
 بسے“ آپ کے لبوں پر کھلتا ہوا تبسم علامہ اقبال
 کے اس شعر کی حقیقت بیان کر رہا تھا۔

نشانِ مردِ مومن بہ تو گویم ؛
 چو مرگِ آمد تبسم بر لبِ آنست
 یعنی میں تجھے مردِ مومن کی پہچان بتاتا ہوں کہ
 جب موت آتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر تبسم موجود ہوتا
 ہے۔

یہ اللہ کے محبوب ولی کی وہ آنکھیں تھیں جو ۹۷
 سال تک منتظر رہیں، یہ یار کے لئے ۹۷ سال کا انتظار
 تھا، وہ یار جن کا جلوہ تو ہمیشہ ان آنکھوں میں رہا لیکن

پھر بھی حُسنِ جاناں کا انتظار ایک پل کے لئے بھی نہیں
 رُکا۔ ایسے ہوتے ہیں اللہ کے محبوب، جن کے پاس اللہ
 اس دُنیا میں بھی ہے، جن کے پاس جنت بھی اس دُنیا
 میں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ پیاسے ہی رہتے ہیں۔
 یہ ایک ایسی پیاس ہے کہ کبھی ختم نہ ہوگی، کیوں کہ یہ
 عشق کی پیاس ہے، اور اس حقیقت کو سلطان الہند
 خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے اور بہتر کون جان
 سکتا ہے۔

عشق میں تیرے کوہِ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو
 عیش و نشاطِ زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو
 ہجر کی جو مصیبتیں عرض کیں اس کے روبرو
 ناز و ادا سے مسکرا کے کہنے لگا جو ہو سو ہو
 ہستی کے اس شراب میں رات کی رات بس رہی
 صبحِ عدم ہوئی نمود پہ لُور اُٹھا جو ہو سو ہو

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی محبت اور
 عشق کے دامن میں لے لے۔ اور ابد تک ہمارے
 دلوں کو مسؤرا اور گرم رکھے۔

آمین !

۲۵ جون ۲۰۱۰ء

باب (۱۲۰)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے، جو جمال، جلال اور نور کائنات ہے، اور جو دلوں کا رکھوالا بھی ہے۔

درود و سلام رحمت کائنات پر، اُن پاک ہستی پر جو ”عبد“ کے معنی جانتے ہیں، اور جو بے شک عبد اللہ ہیں اور اپنے رب کے عاجز عبد ہیں۔ اور جو حالتِ سجدہ میں ہیں اور ابد تک حالتِ سجدہ میں رہیں گے۔

سلام رحمت اور برکتیں ہوں آپ کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے، سلامتی ہو اُن تمام دلوں کے لئے جو ہر وقت اللہ کی رحمت میں معلقوف ہیں اور جو ہمیشہ ہر جمعہ کو یہاں حاضر ہو کر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

گزشتہ جمعہ ہم نے سید معین الدین حسن چشتی،

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر کیا تھا۔ اب اللہ کے عاشقوں کے دلوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اللہ کی دنیا، یعنی روحانی دنیا کے بارے میں مزید معلومات کس طرح حاصل کریں، روحانیت کے بارے میں مزید کیسے جانیں جو آنکھوں سے اتنا پوشیدہ ہے؟

اس کا جواب خود خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح دیا ہے کہ:

”اپنے آپ کو اس میں فنا کر دو، اور

تمہیں سب کچھ مل جائے گا“

کتنا آسان لگتا ہے اور کتنا مشکل ہے یہ کام۔

آپ سب جو اس صدی سے تعلق رکھتے ہیں، اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ یہ رشتہ کشی کے کھیل کی طرح ہے۔ ایک لمبی سی رستی کو ذہن میں لائیں، جس کے ایک سرے پر دنیا، اپنی تمام خوبصورت رنگینیوں، رعنائیوں، کھیل تماشوں اور چمک دمک کے ساتھ ہو اور دوسرے سرے پر دین، اپنے حق و باطل کے اسباق کے ساتھ ہو، جس میں پابندیاں، ساوگی، نفس کو شتی، مساوات اور حلال کمائی ہے۔

اب اس شخص کو ذہن میں لائیں جو اس رستی کے بیچوں بیچ کھڑا ہے، جسے دونوں طرف والے اپنے جانب کھینچ رہے ہیں۔ اب یہ اس شخص پر منحصر ہے کہ اُسے کس جانب والے زیادہ متاثر کر رہے ہیں، دُنیا یا دین؟ کیوں کہ کسی نہ کسی طرف جھکنا اُس کی اپنی مرضی پر ہے۔

اگر وہ دُنیا دار ہے تو دین کی سادگی اور پابندیاں اُسے اپنی جانب نہیں کھینچ سکتیں۔ وہ دین کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے گہرائی میں جانا گوارا تک نہیں کرے گا۔ اس طرح وہ اپنے مذہب کے سچے حُسن سے خود کو محروم رکھے گا۔

لیکن اگر وہ اپنے اللہ سے وابستہ ہے تو یقیناً دینِ حق کا اصل جوہر اس کے سامنے نمایاں ہوگا، اور وہ کسی غلط انتخاب کی جرات نہیں کرے گا۔ اللہ تو سب کے لئے ہے۔ وہ دنیا کے لوگ بھی ہو سکتے ہیں اور اللہ والے بھی ہو سکتے ہیں۔

یہ کوئی خفیہ پیغام نہیں ہے۔ یہ بالکل ظاہر اور ہر ایک کے لئے آسانی سے رسائی والا ہے۔ اس کی

نشانیوں بھی بالکل صاف ہیں۔ اس دنیا کے ایک
ایک ذرہ اور ایک ایک تخلیق، یعنی پوری کائنات اپنے
اللہ کا واضح ثبوت ہے۔

حتیٰ کہ وہ دہریئے جو اللہ کو نہیں مانتے، وہ
بھی اپنے وجود کی گہرائیوں میں جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ
بول رہے ہیں، لیکن وہ اپنے جھوٹ کے ساتھ اتنے راضی
بہ رضا ہیں کہ وہ حقیقت کو ماننے کے لئے آمادہ نہیں
ہیں۔

اللہ کا پیغام، اس کا قرآن اور اس کے انبیاء و
رسل سب اس زمین کے باسیوں کے لئے ہیں، جن کو
اللہ کے نائب کے کردار سے نوازا گیا ہے۔ اب اس کے
پیغام، اس کی ہدایت کو قبول کرنے کا دار و مدار حقیقت
میں انسانی ”مرضی“ پر ہے اور اس مرضی کے لئے
اُسے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

صدیوں سے اللہ کے انبیاء اور اولیاء اس پیغام
کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اب اس کو کون مانتا ہے
اور کون نہیں مانتا، اس کا دار و مدار اس شخص کے
دل کی کیفیت پر ہوتا ہے۔

ایک بازار کی مثال لیں، جو خوبصورت چیزوں سے بھرا ہوا ہے۔ جس میں بڑا شور و ہنگامہ ہے۔ جس میں تفریح اور بڑے کھیل تماشے ہیں، اور جہاں گاہک کو متاثر کرنے کے مختلف طور طریقے ہیں۔ سارے دوکاندار اپنے اپنے سامان کو بیچنے کی سٹریٹجیوں میں لگے ہوئے ہیں کچھ جھوٹ بولتے ہوئے کچھ فریب دیتے ہوئے اور کچھ محض بے مقصد باتیں کرتے ہوئے، تاکہ ان کے گاہک کسی دوسری جگہ نہ جائیں۔

سب کو معلوم ہے کہ یہ بازار محض شام ہونے تک لگا ہوا ہے۔ رات ہوتے ہی یہ رونق ختم ہوگی اور بازار بند ہو جائے گا۔ اسی بازار سے ہوتی ہوئی ایک نوری ٹرین بھی گزرتی ہے۔ یہ بڑی خاموشی اور تیز رفتاری سے چلتی ہے۔ اس میں بازار میں موجود تمام لوگوں کے لئے نشستیں ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو ٹرین کی موجودگی سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی منزل یہ بازار نہیں ہے۔

وہ جانتے ہیں کہ انہیں کسی دور دراز سرزمین کی طرف جانا ہوگا۔ ایک ایسی جگہ جس کا ان کے اللہ

نے وعدہ فرمایا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ اس بازار میں مختصر وقت کے لئے ٹھہر سکتے ہیں۔ اور یہ ایسی جگہ نہیں ہے کہ کوئی اسے دل و جان سے چاہے۔ یہ خوش قسمت لوگ اپنا سودا خریدتے ہیں، اپنے دنیاوی کام کرتے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ یہ کام ان کے اللہ نے ان کے سپرد کئے ہیں۔ لیکن اس پورے عرصہ میں ان کے کا دل اس ٹوری ٹرین کی طرف مائل رہتا ہے۔ وہ ٹرین کو اپنے ذہن اور اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔

اور شام کے بعد رات ہو جاتی ہے۔ جو لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہیں وہ اپنا پورا وجود دنیا کے اس بازار میں نہیں جھونکتے، اس لئے کہ آپ اگر اس میں مست رہے تو آپ کی ٹرین یقیناً نکل جائے گی۔ اور جن کی ٹرین نکل جاتی ہے وہ اس فانی جگہ میں سرگرداں رہ جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسری دنیا کی خوبصورتیوں کا لطف کبھی نہ اٹھا سکیں۔

ۛ

”تھکی ہاری ہوں میں پیتا کی ماری
 بھلا اس پا کے کیا بھید پاؤں
 مجھے بھی ساتھ لے چل
 میرے مانجھی بھٹک کر اس کنارے رہ نہ جاؤں
 یہ جانے والے میری زندگی ہیں
 انہیں میں کس طرح روکوں مناؤں۔“

اللہ کی اس ٹوری ٹرین کے کئی دوسرے مسافر
 ہیں جو اس بازارِ دنیا کے مکین نہیں ہیں۔ یہ مسافر وہ رہنا
 ہیں جن کے سپرد خاص خاص کام ہیں۔ یعنی اس دارِ فانی
 کے بارے میں خبردار کرنا اور لوگوں کی سہز نش کرنا۔ دن
 رات وہ بس ایک ہی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دوسروں
 کو ان کے عدم تحفظ کے بارے میں بتانا۔ انہیں یہ بتانا
 کہ دن ختم ہونے کو ہے، فوراً سفر کی تیاری کرو۔ وہ
 سفر جس کا خاتمہ اس گھڑی ہو گا جب کسی شخص کی آنکھیں
 ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی ہیں، جب اس کی سالنیں گنی
 جا چکیں گی۔

یہ رہنا اللہ کے ولی اور ولیائیں ہیں۔ جن کی
 بصیرت اور معرفت سے بھری باتیں، وہ کھرچنے والا ہتھیار

ہیں، جو دلوں سے دُنیا کو کھڑچ کر صاف کر دیتا ہے۔
 اگر آپ ان ویوں اور ولیاؤں کی حقیقی کرامات کو
 جاننا چاہتے ہیں۔ یہ دراصل وہ الفاظ ہیں جو ان کے
 زبان سے نکلتے ہیں۔

یہ وہ الفاظ ہیں جنہوں نے اپنے زمانوں میں
 دلوں کو ہلایا ہے اور جو آج کل کے زمانوں میں بھی دلوں
 کو متاثر کرتے ہیں۔ یہی تو کرامت ہے کہ ان الفاظ
 کا حُسن کبھی ختم نہیں ہوتا، یہ دُنیا کے خاتمے تک ختم
 نہ ہوگی۔

آج ہم ایک ایسی ہستی کی خوشبو سونگھنا چاہیں
 گے جن کی بصیرت آمیز باتیں ان کے اپنے زمانے سے
 لے کر ان کے وصال تک بے شمار تھیں اور جن کے وجود
 کی خوشبو اب بھی ہمارے ساتھ ہے۔

خواجہ عزیز نواز رحمۃ اللہ علیہ نے دُنیا کو بصیرت
 کے بے شمار نوری موتی دیئے ہیں، جن کو ان کے پیارے
 خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ
 نے بڑی محبت و احترام سے اپنی مشہور تصنیف "دلائل
 العارفین" میں جمع کئے ہیں۔

آئیے آج ہم خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے
 ملفوظات سے فیض حاصل کرتے ہیں جو انہوں نے
 بڑی فیاضی سے دنیا کو عطا کئے ہیں۔ بے شک یہ فقط
 خوش قسمت لوگ ہیں جو ان کو پڑھتے ہیں اور ان کے
 اقوال کی روشنی کو جذب کرتے ہیں۔

اس عظیم ولی اللہ سے بڑھ کر اور کون بہتر رہنا ہو
 سکتا ہے، جو محبوبِ ربی صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔
 جناب حضرت مالک المشائخ سلطان السالکین المقلب حضرت
 معین الدین حسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ”نماز ہی
 سرنگاہِ عزت سے لوگ نزدیک ہو سکتے ہیں، اس واسطے
 کے نماز مومن کی معراج ہے۔“

پھر فرمایا کہ ”نماز ایک راز ہے جو بندہ اپنے پروردگار
 سے بیان کرتا ہے، وہی قرب پاسکتا ہے جو اس راز
 کے لائق ہو۔“

حدیث ہے کہ ”نماز ادا کرنے والا اپنے پروردگار
 سے راز بیان کرتا ہے۔“ سلطان الہند نے پھر فرمایا کہ
 ”جب میں شیخ الاسلام حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ
 علیہ کا سرید ہوا، تو آٹھ سال تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کی

خدمت میں ایک لمحہ بھی آرام نہ کیا، نہ دن دیکھا نہ رات، جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ سفر کو جاتے سونے کے کپڑے اور توشہ اٹھا کر میں ان کے ہمراہ ہوتا۔ جب آپ نے میری خدمت دیکھی تو ایسی نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی انتہا نہیں۔“

پھر فرمایا ”جس نے کچھ پایا خدمت سے پایا۔ پس مرید کو لازم ہے کہ پیر کے فرمان سے ذرا بھی تجاوز نہ کرے۔ اور جو کچھ نماز تسبیح اور اد کے بارے میں بتائے، گوش و ہوش سے سنے اور اسے بحالائے تاکہ کسی مقام تک پہنچ سکے۔ کیوں کہ پیر مرید کو سنوارنے والا ہے۔ پیر جو کچھ فرمائے گا وہ مرید کے کمال کے لئے ہی فرمائے گا۔“

پھر فرمایا ”عارف اہل فیض ہیں اور وہ دوست کی محبت میں غرق ہیں۔ جب آدمی رات کو باطہارت سوتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے ہمراہ رہیں۔ وہ صبح تک یہی التجا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو بخش، کیوں کہ یہ باطہارت سوراہے۔ جب آدمی باطہارت سوتا ہے تو اس کی جان کو عرش کے نیچے لے

جاتے ہیں۔ اور حکم ہوتا ہے کہ اسے نوری خلعت پہنا دو۔
 جب وہ سجدہ کر چکنا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اسے اوپر
 لے جاؤ، کیوں کہ یہ نیک بندہ ہے، جو با طہارت سویا۔
 اور جو شخص بے طہارت سوتا ہے اس کی جان کو پہلے ہی
 آسمان سے واپس کر دیتے ہیں کہ یہ لائق نہیں ہے کہ
 اسے واپس لے جایا جائے۔ ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کو سجدہ
 کرنے والا نہیں۔

عارف کے بارے میں خواجہ صاحب نے ارشاد
 کیا کہ: ”عارف کی ایک علامت تو یہی ہے کہ وہ ہر
 وقت تنہا رہتا ہے، جس وقت عارف مسکراتا ہے،
 اس وقت عالم المملکت اسے دکھائی دیتے ہیں۔ پس
 جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے، وہ اس کے مسکرانے کا
 سبب ہوتا ہے۔“ اس کے بعد فرمایا کہ: ”عرفان میں
 ایک حالت ہوتی ہے، جب وہ حالت اس پر طاری
 ہوتی ہے، تو ایک ہی قدم میں عرش سے حجابِ عظمت
 تک فاصلہ طے کر لیتے ہیں اور وہاں سے حجابِ کبریا
 تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر دوسرے قدم پر اپنے مقام
 پر پہنچتے ہیں۔“

پھر خواجہ صاحب آبدیدہ ہو گئے کہ عارف کا سب سے کم درجہ یہی ہے۔ لیکن وہ جو کامل ہیں، ان کا درجہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کہاں تک بے وہ کہاں تک پہنچتے ہیں، اور کب واپس آتے ہیں۔

خواجہ غریب نواز نے بڑی خوبصورتی سے پھر سے عرض کی کہ: "اے درویش! نماز دین کا ستون ہے۔ پس جب ستون قائم ہو گا تو گھر بھی قائم ہو گا۔ جب ستون نکل جائے گا تو چھت فوراً گر جائے گی۔"

ایک روز ثمر قند سے چھ درویش حاضر خدمت ہوئے گفتگو اس بارے میں ہو رہی تھی کہ نماز فریضہ میں اس قدر تاخیر کی جائے کہ وقت گزر جائے اور قضا کر کے ادا کریں۔ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا: "وہ کیسے مسلمان ہیں جو نماز وقت پر ادا نہیں کرتے اور اس قدر دیر کرتے ہیں کہ وقت گزر جائے۔ ان کی مسلمانی پر صد ہزار بار افسوس، جو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔"

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ نماز فریضہ میں اس قدر تاخیر کی جائے کہ وقت

گزر جائے اور پھر دو نمازیں اکٹھی ادا کی جائیں۔“
 حدیث شریف میں ہے کہ ”صبح کی نماز سفیدی
 میں ادا کرو تا کہ ثواب زیادہ ہو۔ ظہر کی نماز میں سنت
 ہے کہ اس قدر تاخیر کی جائے کہ ہوا سرد ہو جائے اور
 جاڑے میں جب سایہ ڈھلے، یعنی گرمی میں ظہر کی
 نماز ٹھنڈے وقت ادا کرو۔“

اس موقع پر پھر فرمایا کہ ”میں نے شیخ الاسلام
 حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ امام
 زاہد کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دوزخ میں ایک کنواں ہے
 اور بعض کہتے ہیں کہ ایک وادی ہے جس میں سخت
 سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو نماز میں غفلت
 کرتے ہیں۔“

اس کے بعد صدقے کے بارے میں گفتگو شروع
 کی تو فرمایا ”جو بھوکے کو کھانا کھلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ
 قیامت کے روز اس کے اور دوزخ کے مابین سات (۷)
 پردے حائل کر دے گا۔ جن میں سے ہر ایک پر وہ
 ۵۰ سال کی راہ کے برابر ہوگا۔“
 پھر جھوٹ کے بارے میں فرمایا کہ ”جس نے

جھوٹی قسم کھائی گویا اس نے اپنے خاندان کو ویران کیا۔
اور اس گھر سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔“

پھر فرمایا کہ ”ایک مرتبہ بغداد کی جامع مسجد میں
ایک ذاکر مولانا عماد الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ رہتے
تھے۔ میں نے یہ حکایت ان سے سنی ہے کہ ایک مرتبہ
اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوزخ کے
بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ فرمایا کہ اے موسیٰ، میں
نے دوزخ میں ایک وادی ہاویہ پیدا کی ہے۔ جو
ساتواں دوزخ ہے اور سب سے خوف ناک اور سیاہ
ہے۔ اس کی آگ بھی نہایت تیز اور سیاہ ہے۔ اس
میں سانپ بچھو کثرت سے ہیں۔ وہ گندھاک کے
پتھروں سے روز تپایا جاتا ہے۔

اگر اس گندھاک کا ایک قطرہ دنیا میں آپڑے
تو تمام پانی خشک ہو جائے اور تمام پہاڑ گل جائیں اور
اس کی گرمی سے زمین پھٹ جائے۔

اے موسیٰ! ایسا عذاب دو شخصوں کے لئے بنایا
گیا ہے۔ ایک وہ جو نماز ادا نہیں کرتا، دوسرا وہ جو میرے
نام کی جھوٹی قسم کھاتا ہے۔“

ایک مجلس میں شیخ جلال الدین محمد اودھ چشتی
 رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگ حاضر خدمت تھے۔
 اور بات اس بارے میں ہو رہی تھی کہ پانچ چیزوں کو
 دیکھنا عبادت میں داخل ہے، ان پانچ چیزوں میں
 سے پہلی یہ ہے کہ اپنے والدین کے چہرے کو دیکھا
 جائے۔ اس واسطے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو
 اللہ کی دوستی کی وجہ سے اپنے والدین کا چہرہ دیکھتا
 ہے، اس کے نامہ اعمال میں حج کا ثواب لکھا جاتا
 ہے۔

ایک اور حکایت بیان کی کہ ایک دفعہ خواجہ
 بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ مرتبہ آپ
 کو کس طرح حاصل ہوا۔ تو فرمایا کہ میں ابھی سات
 سال کا تھا کہ میں مسجد میں استاد سے قرآن شریف
 پڑھنے جایا کرتا تھا۔ جب اس آیت پر پہنچا بالوالدین
 احساناً تو استاد سے اس کا مطلب پوچھا۔ فرمایا، حکیم
 الہی ہے کہ جس طرح میری خدمت بجالاتے ہو والدین
 کی بھی خدمت بجالاؤ۔

استاد سے یہ سنتے ہی بستہ باندھا اور گھر آیا اور

ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا کہ اے ماں! میں نے یہ سنا ہے، اب تو اللہ تعالیٰ سے میرے لئے کچھ مانگا۔ اس پر میری ماں نے دو رکعت نفل پڑھے اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر قبلہ رخ کیا اور خدا تعالیٰ کو سونپ دیا۔ یہ دولت مجھے وہاں سے نصیب ہوئی جس کا سبب اللہ کی دعا تھی۔

ایک مرتبہ موسم سرما میں رات کے وقت میری ماں نے پانی مانگا۔ میں پانی کا پیالہ لے کر حاضر ہوا مگر والدہ سو چکی تھیں۔ میں نے نہ جگایا۔ چنانچہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوئیں تو مجھے پیالہ لئے کھڑا دیکھا۔ سردی کے مارے پیالہ میرے ہاتھ سے چپک چکا تھا۔ ماں نے پیار سے مجھے سینے سے لگا کر بوسہ لیا اور کہا کہ اے جانِ مادر! تو نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ یہ کہہ کر میرے حق میں دعا کی جو اللہ نے قبول کی۔

حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر دوسری چیز بیان کی جس کو دیکھنا عبادت ہے اور وہ ہے قرآن شریف۔ انہوں نے فرمایا کہ شرح اولیاء میں لکھا ہے کہ جو شخص قرآن کی طرف دیکھتا ہے یا پڑھتا

ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اسے دو ثواب دو ایک
 دیکھنے کا اور ایک پڑھنے کا بہر لفظ کے بدلے میں دس
 نیکیاں عطا ہوتی ہیں اور دس بدیاں مٹائی جاتی ہیں۔“
 سلطان محمود غزنوی کو وفات کے بعد خواب
 میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک
 فرمایا۔ سلطان نے جواب دیا کہ ”ایک رات میں
 ایک شخص کے ہاں مہمان تھا۔ ایک طاق میں قرآن
 شریف رکھا تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ یہاں تو قرآن
 شریف رکھا ہے۔ میں کس طرح سوؤں گا۔ پھر کہا کہ
 اُسے کسی اور مکان میں رکھ دیا جائے۔ مگر پھر سوچا کہ
 اپنے آرام کی خاطر میں کیوں اُسے باہر بھیجوں۔ موت کے
 وقت اسی قرآن کے ادب کی وجہ سے بخش دیا گیا۔“
 خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پھر فرمایا کہ ”جو
 قرآن شریف کو دیکھتا ہے، اللہ کے فضل سے اس کی
 بینائی زیادہ ہوتی ہے اور اس کی آنکھ نہ کبھی دکھتی
 ہے اور نہ خشک ہوتی ہے۔“

تیسری چیز جسے دیکھنا عبادت ہے، وہ یہ ہے
 کہ اگر کوئی شخص علماء کی طرف دیکھے تو اللہ تعالیٰ ایک

فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت تک اس کی بخشش کی دعا کرتا ہے۔

پھر یہ حکایت بیان کی کہ ”پہلے زمانے میں کوئی شخص جب علماء اور مشائخ کو دیکھتا تو حسد کی وجہ سے منہ پھیر لیتا۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کا رخ قبلہ کی طرف کرنا چاہا لیکن نہ ہوا۔ غیب سے آواز آئی اس کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟ اس نے دنیا میں مشائخ اور علماء سے منہ موڑا۔ ہم اب اپنی رحمت سے اس کا منہ پھیر دیتے ہیں اور قیامت کے دن ریچھ کی صورت میں اس کا حشر کریں گے۔“

حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر چوتھی چیز جسے دیکھنا عبادت ہے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہے ”خانہ کعبہ“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت کرے گا وہ عبادت میں داخل ہوگا۔ اس کی زیارت سے ہزار سال کی عبادت اور حج کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔“

اس کے بعد پانچویں درجہ کی عبادت ہے، اپنے

پیر کو دیکھنا اور اس کی خدمت کرنا۔ میں نے معارف
 المریدین میں لکھا دیکھا ہے کہ شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ
 علیہ فرماتے ہیں کہ: جو شخص اپنے پیر کی خدمت میں
 ایک روز بجالائے، اللہ تعالیٰ بہشت میں مروارید کے
 ہزار محل اُسے عنایت کرے گا اور ہزار سال کی عبادت
 کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔

پھر فرمایا مرید کو لازم ہے کہ جو کچھ پیر کی زبان
 سے سُنے اس پر پوری کوشش سے عمل کرے اور پیر
 کی خدمت کرے اور حاضر خدمت رہے۔ اگر ہر وقت
 نہ کر سکے تو کم از کم اس بات کی کوشش ضرور کرے:
 پھر خواجہ صاحب آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ:
 قیامت کے دن صدیق، اولیاء اور مشائخ ایسی حالت
 میں ہوں گے کہ ان کے کندھوں پر گڈڑیاں ہوں گی اور
 ہر گودڑی میں لاکھوں دھاگے ہوں گے۔ ان کے مُرید
 اور فرزند آکر ان دھاگوں سے لٹک جائیں گے۔ اور
 ایک ایک دھاگہ مضبوط پکڑ لیں گے۔ جب خلق خدا
 حشر قیامت سے فارغ ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ انہیں
 قوت عنایت کرے گا اور وہ پل صراط کے قریب پہنچ

جائیں گے اور اس گودڑی کے وسیلے سے مرید و فرزند
تیس ہزار سال کے راستے اور قیامت کے عذابوں سے
بہ آسانی گزر کر بہشت میں جا پہنچیں گے۔“

کہنے اور سننے کے لئے اتنا کچھ ہے کہ آپ میں سے ہر ایک
کے پاس آپ کی فرصت کا ایک لمحہ بھی نہیں رہے گا۔
اپنے وقت کو گزارنے کے لئے ولی اللہ کی صحبت
سے بہتر اور کون سا راستہ ہے۔ یہ صحبت، اگر ولہ سے
حیات ہوں تو ان کی خدمت میں رہ کر ہو، یا ان کی جمع
کردہ بصیرت کے موتیوں کے مطالعہ کو جذب کرنے سے ہو۔
جب اللہ کے عاشق اپنا وقت اس خوبصورت
طریقے سے گزارتے ہیں تو یہ مدت بھولنے کہ اللہ انہیں
اپنی نگاہِ محبت سے دیکھتا رہتا ہے، اور جب تک
وہ ایسا کرتے رہیں گے وہ رحمتِ الہی کی آغوش میں
محفوظ و مامون ہوں گے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اپنے
حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عاشقین، اپنے
ولیوں اور ولیاؤں کی محبت اور ان کی تعظیم کرنے
کا سلیقہ عطا فرمائے۔ آمین!

۲ جولائی ۲۰۱۰ء

باب (۱۲۱)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو قوت کامل، بصیرت کامل اور علم کامل ہے۔ یہ وہ واحد ذات ہے، جو جب حکم کرتا ہے، تو پھر کسی کو اس حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ اللہ وہ واحد ذات ہے، جو حاکم ہے، ان تمام چیزوں کا حاکم جو کبھی بھی پیدا کی گئی ہوں۔

درد و سلام ہو ان ہستی پر جنہیں پاک بنایا گیا ہے، جن کا دل پاک ہے، اور جن کی نسبت ان تمام سے ہے جو پاک ہیں۔

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے گھرانوں کے لئے۔ سلامتی ہو ان سب پر جو اللہ کا ابد اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ یہی وہ نصیب ہے جو ابد تک ان کے ساتھ رہے گا۔

یہ یقیناً آپ کے اللہ کا کرم ہے کہ آپ کے اللہ کا جمال اور اس کی رحمت آپ میں سے ہر ایک کے شامل حال ہے۔ جس سے چیزیں آپ کے لئے اتنی آسان اور خوبصورت بن جاتی ہیں۔ یہ ہے طریقہ کہ کس طرح اللہ ان لوگوں کے لئے کامل پیار اور کامل رحمت ہیں۔ جو اس سے نسبت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس دن سے کوئی اپنے رب کو پالیتا ہے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اُداسی اور مایوسی کیا ہوتی ہے۔

ایک ولی سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ کی عمر کتنی ہے تو اس نوے سالہ بزرگ نے جواب دیا کہ میری عمر چار سال ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے ایسا عجیب جواب کیوں دیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو اپنے رب کو پائے ہوئے صرف چار سال ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے کی زندگی میرے لئے زندگی نہیں تھی۔

اگر آپ اپنی آنکھیں بند کرتے ہیں اور اپنے رب کی رحمت سے بے خبر رہتے ہیں۔ اگر آپ دنیا میں اس قدر کھوجتے ہیں کہ آپ کو اپنے ارد گرد اللہ کی نشانیاں اور اس کا جلوہ دکھائی دینا بند ہو جاتا

ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ درحقیقت زندہ ہی نہیں ہیں۔ اور اس صورت میں اور ایک مردہ شخص میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مردہ اپنے لئے خود کچھ نہیں کر سکتا۔

اگر آپ خود کو اپنے رب سے دُور رکھیں گے تو آپ خود کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ اللہ کے عاشق اس دنیا سے رخصت ہونے کے باوجود زندہ رہتے ہیں۔ جب آپ اپنے رب سے محبت کرتے ہیں اور وہ محبت جب بلند یوں کو چھو لیتی ہے اور آپ کو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے سوا کسی چیز کی پرواہ نہ ہو تو اس وقت اللہ بڑی خاموشی سے نور کی ایک چنگاری آپ کے اس دل میں روشن کرتا ہے، جو رفتہ رفتہ اس کی تجلی میں بدل جاتا ہے۔ ایسے دل پھر رستے سے کبھی نہیں بھٹکتے۔

کبھی کبھی وہ تجلی اس قدر واضح ہو جاتی ہے، کہ وہ اس عاشق کے چہرے پر دکھائی دیتی ہے۔ یہ (تجلی) اس کے الفاظ میں موجود ہے، اور یہ ان سب کے لئے بھی موجود ہے جو اس کے اطراف رہتے ہیں۔

گو یا سارا عالم اس ٹور سے متور ہو جاتا ہے۔ اس شخص کے کام اور اس کی صحبت کے باعث۔

آئیے آج ایک ایسے شخص کے بارے میں بات کرتے ہیں جن کی ولادت تو چند صدیاں پہلے ہوئی تھی لیکن جن کا نام اس دنیا کے خاتمہ تک باقی رہے گا۔ وہ اسلام کے ایک مضبوط ستون تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی اطاعت میں بسر کیا۔ ان کے کام کی رہنمائی اللہ تعالیٰ براہِ راست خود کرتے ہیں اور بیشک وہ پوری اُمتِ محمدی کے لئے ایک رحمت تھے۔

حضرت نعمان بن ثابت جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں، مشہور ہجری کو کوفہ میں پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب ایران ابھی مسلمانوں کے ہاتھوں فتح نہیں ہوا تھا، وہاں ایک معزز خاندان رہا کرتا تھا جو آتش پرست تھا۔ لیکن جب اسلام کی روشنی دنیا میں پھیلنا شروع ہوئی اور ایران پر اس کی شعاعیں پڑیں تو اسی خاندان کا ایک شخص جس کا نام ذوطی تھا۔ اس نے دینِ حق کو گلے لگا لیا۔

پھر جیسے کہ عام طور سے ہوتا ہے، پورا خاندان اس

کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس لئے اُسے اپنا وطن چھوڑنے کو فرمایا پڑا۔ ذوطی کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک قریبی لگاؤ تھا۔ اور وہ باقاعدگی سے اُن کے دربار میں حاضری دیتا تھا۔

کچھ وقت کے بعد ذوطی کو ایک ثابت نامی فرزند سے نوازا گیا، جس کو وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس دعا کے لئے لے گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس ننھے بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اس کے لئے دعا فرمائی۔ یہ بچہ بڑا ہو کر ایک تاجر بنا اور جب اس کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو اللہ نے اُسے بھی ایک بیٹے نعمان سے نوازا۔ جو آگے چل کر امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بنے۔

آپ کے اپنے پوتے حضرت اسماعیل علی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ میں اسماعیل بن نعمان بن ثابت ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں رہے۔ ہمارے دادا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شہر ہجری میں پیدا ہوئے۔

ثابت بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے خاندان کے بارے میں دعائے خیر کی تھی، ہمیں یقین ہے کہ وہ دعائے اثر ثابت نہیں ہوئی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ فتنوں سے بھرا تھا۔ حجاج بن یوسف کو عراق کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس کی حکومت اسلامی تاریخ میں خون ریزی سے پُر حکومتوں میں سے ایک تھی، یہ اس دور کا تہناظالم حکمران نہیں تھا۔

شام میں ولید، بصرہ میں عثمان اور مصر میں قرہ یہ سب کے سب اپنی حکمرانی میں یکساں طور سے بے رحم اور ظالم تھے۔ مثل مشہور ہے کہ ہر رات کے بعد ہمیشہ دن طلوع ہوتا ہے۔ اسلامی سلطنت پر یہ دن اس وقت طلوع ہوا جب ایک ایک کر کے یہ ظالم دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور سلمان بن عبدالمک نے عمان حکومت سنبھالی۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو مشیر سلطنت اور اپنا جانشین مقرر کیا۔

عمر بن عبد العزیز کے دور میں پورا طرز
حکمرانی بدل گیا۔ تمام ملک میں انصاف کا بول بالا تھا۔
اسلامی علوم کی اشاعت میں اضافہ ہوا جس کے باعث
مسلمانوں میں علم و حکمت کی نئی راہیں کھلیں۔

حجاج کے دور میں جب ظلم اپنی انتہا پر تھا، تو
حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ
سکے۔ اس لئے انہیں اپنے خاندانی کاروبار کی طرف
توجہ دینی پڑی۔ مگر اللہ کی عطا کردہ ذہانت اس وقت
بھی نمایاں تھی۔ جیسے ہی دور بدلا اور سلطان سلیمان نے
ہر ایک کو حصول علم کے لئے راغب کیا۔ حضرت امام
ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بارے میں اپنی خواہش
کی تکمیل کا آغاز کیا۔

پھر ایک دن ایسا واقعہ ہوا کہ جس نے آپ کے
حصول علم کی راہ کو واضح تر کر دیا۔ ایک دفعہ آپ بازار
کی طرف جا رہے تھے، راستے میں آپ حضرت امام
شوبانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے آگے سے گزرے،
جنہوں نے آپ کو ایک طالب علم سمجھا اور بڑے پیار
سے آپ سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ حضرت امام

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو داگر کا نام لیتے ہوئے
جواب دیا کہ وہ اس کے پاس ایک سو داٹے کرنے جا
رہے ہیں۔

اس پر امام شوبانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مگر
میرا مطلب ہے کہ آپ کا استاد کون ہے اور آپ کہاں
پڑھتے ہیں۔ ”میں نہیں پڑھتا“ امام صاحب نے
جواب دیا۔ حضرت امام شوبانی رحمۃ اللہ علیہ تو پہلے سے
ہی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذہین آنکھیں او
ان کے چہرے پر نور بصیرت کو دیکھ چکے تھے۔ اس
وجہ سے انہوں نے آپ کو علماء کی صحبت میں بیٹھنے
کا مشورہ دیا۔ اور فرمایا مجھے تمہارے اندر بڑی صلاحیتیں
نظر آتی ہیں، جاؤ ان کو تلاش کرو، اور اپنے اللہ کی
نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اس ایک جملے نے حضرت امام
ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو بدل ڈالا۔

حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے معروف امام
تھے۔ جن کو یہ افتخار حاصل تھا کہ انہوں نے مختلف حدیثیں
مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے
سنی تھیں۔ انہوں نے کئی تابعین کی صحبت سے استفادہ

حاصل کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے علم و بصیرت کے باعث بہت معروف تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے درد کی دوا پالی۔ اس زمانے میں استاد زبانی لکھوایا کرتے تھے۔ اور شاگرد وہ سب کچھ یاد کیا کرتے تھے جو استاد فرمایا کرتے۔ وہ لکھتے صرف اس وقت تھے جب وہ اسے بہت ضروری سمجھتے۔

استاد طلباء کو ان کے علمی معیار کے مطابق بٹھایا کرتے تھے۔ بائیں طرف نو آمیز بیٹھتے اور دائیں طرف کی جگہ ان طلبہ کے لئے نکھی جن کے علم و بصیرت کی سطح بلند تر تھی۔ ابتدا میں حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بائیں طرف بیٹھے۔ لیکن جلد ہی حضرت امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ پوری کلاس میں حافظہ اور ذہانت کے اعتبار سے ایک طالب علم بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے برابر نہیں تھا۔ اس لئے آپ کو دائیں طرف کی پہلی نشست پر بٹھایا گیا۔

اگرچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کئی استاد رہے لیکن آپ اس بات پر ہمیشہ نازاں رہتے کہ آپ

حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رہے۔ اس محبت کا اظہار اس وقت بھی ہوا جب آپ نے اپنے بیٹے کا نام اپنے استاد کے نام پر حماد رکھا۔

آپ کے اُستادوں میں مشہور محدثین حضرت ثوبان رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ آپ نے بصرہ اور مکہ کا بھی سفر کیا۔ مکہ میں آپ حضرت عطا ابی رباہ کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ جو آپ کو اپنے ساتھ بٹھاتے۔

بائیس (۲۲) سال کی عمر میں آپ نے مدینہ کا سفر کیا۔ جہاں آپ نے جن حضرات کے ساتھ مل کر تعلیم حاصل کی ان میں سلیمان، جو اُمتہ المؤمنین حضرت سمیونہ رضی اللہ عنہما کا غلام تھا اور حضرت سلیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر کے بیٹے تھے۔

علم کی پیاس زندگی کی آخری سالوں تک آپ کے ساتھ رہی۔ آپ اکثر کئی مسافرت کرتے، اور وہاں کئی کئی مہینے قیام کرتے۔ حج کے مہینے میں بڑی تعداد میں وہاں علماء دنیا کے کونے کونے سے آکر جمع ہوتے

تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملا کرتے اور ان سے نورِ حکمت حاصل کرتے تھے۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ آپ نے اپنی زندگی کا ایک لمبا عرصہ حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں گزارا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کے نواسے تھے۔ آپ نے ان سے حدیث اور فقہ کے نایاب علم کا ایک بڑا ذخیرہ حاصل کیا حتیٰ کہ آپ نے حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کسبِ فیض حاصل کیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳ سال بڑے تھے لیکن آپ اکثر ان کے درس میں شریک ہو کرتے، جہاں آپ بڑے باادب انداز میں تشریف رکھتے تھے اس طرح حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس عظیم امام کی عزت و احترام کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن بیان کیا کہ میں ایک دن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ وہاں

ایک درویش تشریف لائے۔ امام صاحب نے ان کی بڑی عزت کی اور انہیں اپنے پاس بٹھایا۔ جب درویش رخصت ہوئے تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ جانتے ہو کہ یہ کون صاحب تھے؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ یہ ابو حنیفہ تھے۔ جو پتھر کے اس ستون کو اگر سونے کا ثابت کرنا چاہتے تو ممکن نہیں کہ کوئی انہیں روک سکتا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے اُستاد حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی منصب اجتہاد پر فائز کر دیا تھا۔ لیکن احترام کی خاطر آپ نے اپنی مجالس منعقد کرنی شروع نہیں فرمائی تھیں۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ حیات رہے میں نے ان کے مکان کی طرف اپنے پاؤں بھی نہیں پھیلائے۔

۱۲۰ ہجری میں حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا اور آپ کی مسند آپ کے فرزند کے حوالے کی گئی۔ لیکن ان کا زیادہ رجحان ادبیات اور لسانیات کی طرف تھا۔ اس لئے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

سے استدعا کی گئی کہ وہ مسندِ درس سنبھالیں۔ ابتدا میں آپ نے انکار کیا، لیکن جب ہر ایک نے اصرار کیا تو آپ بڑے احترام سے اپنے استاد کی جگہ بیٹھے اور پہلا درس ارشاد فرمایا۔

اسی عرصہ میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ مزارِ مقدس کھول رہے ہیں۔ آپ نے سوچا کہ یہ آپ کی نا اہلیت کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن جب آپ نے ایک استاد سے اس کی تعبیر دریافت کی تو آپ کو بتایا گیا کہ آپ ایک مردہ علم کو زندہ کر دیں گے۔

تھوڑے ہی عرصہ میں امام صاحب کی شہرت کو فہر میں پھیل گئی اور کئی درس گاہوں نے امام صاحب کے ساتھ شمولیت اختیار کر لی جتنی کہ آپ کے استادوں نے بھی آپ سے فیض لینا شروع کیا۔ یوں ایک قلیل عرصہ میں سمجھی کے گھر روشن ہونے والا وہ چراغِ حسین پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نگاہِ کرم کھتی، وہی چراغِ معرفت اب پوری دنیا کو منور کر رہا تھا۔ اسپین کے سوا اسلامی سلطنت کا کوئی حصہ ایسا نہ

تھا چہاں آپ کے شاگرد نہ تھے۔ اور جہاں آپ کے علم
کی روشنی نہ پہنچی ہو۔

یہ خلیفہ منصور کا دور تھا کہ جب خانوادہ سادات
زیرِ عتاب آگیا اور خانوادے کے تمام نمایاں لوگوں
کے ساتھ بڑا ظالمانہ سلوک کیا گیا۔ رسول پاک صلی اللہ
علیہ وسلم کے پڑنوے سے محمد نفسِ ذکر یہ کو شہید کیا گیا اور
اس کے بعد ان کے بھائی ابراہیم نے علم سنبھالا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی ہر
ممکن مدد کرنے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت ابراہیم
رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ
علیہ آخری دم تک تاسف کرتے رہے کہ وہ ذاتی طور
سے جا کر اس جنگ میں حصہ نہ لے سکے۔

خلیفہ منصور نے ان سب لوگوں سے بدلہ لیا جنہوں نے
حضرت ابراہیمؒ کا ساتھ دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے حضرت
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک کو بھی طلب کیا۔ وہ آپ کے علم اور
آپ کی شہرت کے بارے میں جانتا تھا۔

اس نے آپ پر دباؤ ڈالا کہ آپ قاضی
کا عہدہ سنبھالیں۔ لیکن امام صاحب نے یہ کہہ کر انکار

کیا کہ میں یہ عظیم ذمہ داری قبول نہیں کر سکتا۔ چنانچہ
سزا کے طور پر امام صاحب کو جیل بھیج دیا گیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کے تاجر
تھے۔ لیکن آپ اپنا تمام منافع محدثین، علماء اور اپنے
شاگردوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ ایک روز ایک خاتون
کپڑے کا ایک ٹھکان لے کر امام صاحب کے پاس آئی،
کہ وہ اسے سو درہم میں فروخت کریں۔ امام صاحب
نے اس خاتون سے کہا کہ کپڑا قیمتی ہے۔ اس پر خاتون
نے کہا کہ تو پھر مجھے دو سو درہم دے دیں لیکن امام
صاحب نے فرمایا، میں آپ کو پانچ سو درہم دوں
گا۔ کیوں کہ یہی اس کی اصل قیمت ہے۔

یہ تھی آپ کی دیانتداری۔ ہر قسم کے معاملات
میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی غیر معمولی دیانت
کے لئے مشہور تھے۔ جو اس واقعہ سے بھی ظاہر ہے۔
ایک دن ایک صاحب کو اپنی بیوی پر غصہ آیا اور
اس نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک تو مجھ سے
نہیں بولے گی، میں تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔
بیوی بھی برابر کی غصیل تھی۔ اس نے بھی غصہ میں آکر

وہی الفاظ دہرائے جو خاوند نے کہے تھے۔

جب عَصَہ ٹھنڈا ہوا تو دونوں بہت پریشان ہو گئے۔ اور انہوں نے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے رائے مانگی۔ انہوں نے قسم کا کفارہ ادا کرنے کو کہا خاوند مایوس ہو کر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جنہوں نے اسی وقت فرمایا جاؤ جس طرح جی میں آئے بات کرو۔ آپ کو کوئی کفارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جب امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو اس فتوے کا علم ہوا تو وہ بہت خفا ہوئے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو گمراہ کیوں کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں تو اب بھی یہی کہوں گا۔

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے سخت لہجے میں پوچھا، یہ آخر کیسے ممکن ہے۔ اس پر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا، جب بیوی سے نے شوہر کو وہی الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بات کرنے کی ابتدا ہو گئی تھی، پھر قسم کہاں باقی

رہی؛ یہ سن کر حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے
فتوے کی تعریف کی۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک شاندار
کردار کے مالک تھے، اور آپ میں صبر و تحمل بے انتہا
تھا۔ آپ کے مخالفین بعض اوقات آپ پر کھچڑا اُچھالتے
تھے۔ لیکن آپ نے سمجھی ان کا جواب نہیں دیا۔ بلکہ ان
کے حق میں آپ دعا کرتے تھے۔ وہ اپنے ارد گرد موجود
تمام لوگوں پر مہربان تھے۔

ایک موچی آپ کے پروس میں رہتا تھا۔ وہ
دن بھر جوتے سیتا مگر رات کے وقت اپنے دوستوں
کے ساتھ شراب پیتا۔ اور بہت شور مچاتا۔ اس ہنگامہ
آرائی کے دوران وہ ایک شعر کہا کرتا تھا کہ، ”لوگوں نے
مجھے کھو دیا اور کیسے بڑے شخصوں کو بھلا دیا، جو لڑائی
کے دن کام آتے۔“

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رات بھر عبادت کیا
کرتے تھے۔ لیکن اس ہنگامہ کے باعث آپ
پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ تاہم آپ نے اس کی کبھی
شکایت نہیں کی۔

ایک دن کو تو ال کا وہاں سے گزر ہوا۔ جب اس نے یہ ہنگامہ دیکھا تو اس نے موجی کو پکڑ کے حوالات میں بند کر دیا۔ اس اقدام پر اہل محلہ نے سکھ کا سالن لیا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کا علم نہ تھا۔ اس لئے جب اس رات شور و غل نہ ہوا تو آپ کو حیرت ہوئی۔ اگلی صبح آپ نے ارد گرد کے لوگوں سے پوچھا کہ موجی کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ جیسے ہی آپ کو سارے واقعہ کا پتہ چلا، آپ کو فکر لاحق ہو گئی اور آپ دارالامارات یعنی گورنر کی رہائش گاہ جا پہنچے۔

جب حاکم نے آپ کو دیکھا تو احتراماً جگہ سے کھڑے ہو گئے اور کہا: حضور! ”آپ نے مجھے کیوں طلب نہیں کیا، میں خود ہی حاضر ہو سکتا تھا۔“

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے موجی کو رہا کرنے کے لئے فرمایا۔ اور اسے فوری طور پر رہا کیا گیا۔ گھر لوٹتے ہوئے امام صاحب نے موجی سے پوچھا: ”کیوں ہم نے تمہیں کھو تو نہیں دیا، یہ اس شعر کا حوالہ تھا جو موجی پڑھا کرتا تھا۔ موجی نے رونا شروع کر دیا۔ اور

اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ پھر اس نے امام صاحب
 کی مجالس میں بیٹھنا شروع کر دیا اور فقیہ کھلانے لگا۔
 امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ انتہائی پاک باز تھے۔
 آپ ہر اس عمل سے گریز فرماتے جس میں ہلکا سا بھی
 شبہ ہوتا۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ
 فرمایا کہ بیس سال میں میں نے امام صاحب کو کبھی
 ننگے سر نہیں دیکھا اور نہ کبھی پاؤں پسارے، نہ خلوت
 میں نہ ہی جلوت میں۔ ایک بار میں نے ان سے عرض
 کی کہ جب آپ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کیا آپ اپنے
 پاؤں پھیلاتے ہیں؟ اس پر آپ نے جواب دیا میں
 بندوں کا احترام کروں اور تنہائی میں خدا کا احترام
 بھول جاؤں۔ یہ کسی عجیب بات ہے۔

ایک بار آپ رحمۃ اللہ علیہ کہیں سے گزر رہے
 تھے کہ آپ نے دو عورتوں کو بات کرتے ہوئے سنا۔
 کہ ”تم نے دیکھا یہ ہیں ابو حنیفہ، بڑے پاک باز اور
 شب بیدار۔ یہ اپنی فجر کی نماز عشاء کے وضو کے
 ساتھ پڑھتے ہیں۔“

جب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو
 مارے خوف کے کانپ گئے۔ اگرچہ آپ ساری
 رات جاگا کرتے تھے لیکن وہ اس دوران کبھی کبھار
 آرام بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس دن کے بعد آپ نے
 ساری ساری رات جاگنا شروع کیا۔ اس سے آپ کی
 صحت پر اثر ہونا شروع ہوا۔ جب آپ کے احباب
 اور شاگردوں نے آپ سے عرض کی کہ رات کو مختوراً سا
 آرام فرمایا کریں، تو آپ نے اس واقعہ کا ذکر کرتے
 ہوئے فرمایا: ”میں اس دن سے ڈرتا ہوں، جب
 میرا خدا مجھ سے پوچھے گا، کہ ابو حنیفہ! وہ شکل کیوں
 بنائی تھی جسے دیکھ کر لوگ دھوکا کھاتے تھے۔“

آپ کی کثرتِ ریاضت، گرمیہ اور نفس کشی نے
 پردے اٹھائے اور آپ کی کشف کی قوت اس قدر
 بڑھ گئی کہ آپ ان گناہوں کو دیکھ سکتے تھے جن کو وضو
 دھو ڈالتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے کہ کوئی
 شخص نماز کی پابندی کرے تو وضو کا پانی گناہوں کو دھو
 دیتا ہے۔

خلیفہ منصور نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی کا عہدہ قبول نہ کرنے کی پاداش میں جیل میں ڈال دیا۔ لیکن جیل میں ہونے کے باوجود آپ کی شہرت کم نہ ہوئی۔ بغداد کے علماء امام صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اس لئے خلیفہ منصور آپ کو کھلے عام نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ جیل میں ہوتے ہوئے بھی آپ کے درس کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کے محبوب شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کال کوٹھری میں آپ سے سبق لیا کرتے تھے۔

ایک دن خلیفہ منصور نے اپنے انتقام اور حسد سے اندھا ہو کر بڑی خاموشی سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو زہر دلوادیا۔ جب امام صاحب نے زہر کے اثر کو محسوس کیا تو سجدے میں گر کر دعا فرمائی کہ ”اے اللہ! تیرا بندہ حاضر ہے۔ سجدے سے زندگی کا آغاز کیا اور سجدے ہی پر حیات ختم ہو گئی۔ تجھ سے ابتدا ہے اور تو ہی انتہا ہے“

شیخ ابوعلی عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا۔ ”میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے قریب

سورہا تھا کہ میں نے خواب میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بابِ بانی شیبہ سے داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ آپ کے ساتھ ایک عمر رسیدہ شخص تھا جس کو آپ نے آغوش میں لے رکھا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حیران دیکھا تو فرمایا: مسلمانوں کے امام اور تمہارے ملک کا بادشاہ ابو حنیفہ ہے۔“

ایک دفعہ جب حضرت معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو کس جگہ تلاش کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ابو حنیفہ کے علم کے قریب۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ میں پچاس ہزار افراد شریک تھے اور یہ نماز چھ مرتبہ پڑھائی گئی۔“

جس وقت حضرت شوہار رحمۃ اللہ علیہ، جو کہ آپ کے استاد اور امام بصرہ تھے، نے آپ کے شہادت کے بارے میں سنا تو فرمایا: ”آج کو فس پر اندھیرا پھیل گیا۔ ایسی عظیم ہستی کے لئے اور بہت

کچھ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے الفاظ کا حق
نہیں ہو سکتے۔ قلم کافی نہیں ہو سکتے، اور وقت کافی
نہیں ہو سکتا۔

سچ ہے کہ ایسی ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوتی
ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مراتب کو بلند
سے بلند تر فرمائے اور ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم اپنے
دین کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم کے ذریعے
سیکھیں۔

آمین!



۹۔ جولائی ۲۰۱۰ء

باب (۱۲۲)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس نے فرمایا:
”پاکھی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے
گیا مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک جس کے ارد گرد ہم
نے برکت رکھی ہے، ہم نے اُسے اپنی عظیم نشانیاں
دکھائیں۔ بے شک وہ سُنتا دیکھتا ہے“

درود و سلام ہوں محبوبِ الہی صلی اللہ علیہ وسلم
پر، درود اس تعداد کے مطابق جو لوح و قلم میں لکھی
ہوئی ہیں۔ ہر دن و رات میں، ہر ساعت میں اور ہر
سال میں دس کروڑ مرتبہ، یومِ قیامت تک، درود
ان پر جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ: **وَاللّٰهُ اِسْمُهُ
جِبْرِیْلُ خَادِمُهُ وَالْبُرَاقُ مَرْكَبُهُ وَالْمِعْرَاجُ
سَفْرُهُ وَسِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی مَقَامُهُ وَقَابِ قَوْسَیْنِ
مَطْلُوْبُهُ وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُهُ مَوْجُوْدُهُ.....**

دُرُودِ وِسلامِ اُن پر جو زینتِ کائنات اور فخرِ مخلوقات ہیں، جو اپنے اللہ کی آنکھوں کا نجم ہیں۔ سلامِ رحمت اور برکتیں ہوں آپ کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے، سلامتی اُن سب پر جو جانتے ہیں کہ دل کے معاملات کتنے نازک ہوتے ہیں اور ان کا خیال رکھنا کتنا اہم ہے۔

رجب اللہ کا مہینہ ہے۔ یہ وہ ماہِ مبارک ہے، جب اللہ پاک دُنیا پر نگاہِ کرم ڈالتا ہے، وہ لطف و عطا، رحم و غنا کی بارش ان سب پر برساتا ہے جو اس کی طلب کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے عاشقوں کو اپنی آغوشِ رحمت و برکت میں لیتا ہے۔ بیشک اس ماہِ مبارک میں ان سب کے لئے بہت کچھ ہے۔ جو اس کے بارے میں جانتے ہیں۔

یہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں دعائیں براہِ راست اللہ پاک تک پہنچتی ہیں۔ بغیر کسی رکاوٹ کے۔ جب اللہ اپنی رحمتیں، عنایتیں اور اپنی فیاضی ان سب پر بچھا کر کرتا ہے، جو اس کے ہو گئے ہیں۔

یہ ایک خاص مہینہ ہے، بے شک ایک ایسا

ہمیں کہ جس میں ایک خاص رات آتی ہے، وہ رات جس کے بارے میں اگرچہ بہت کچھ کہا جا چکا ہے، تاہم اس کے بارے میں بہت کم معلوم ہے۔

محبت ایک نہایت مضبوط جذبہ ہے۔ اس کے اظہار کے مختلف طریقے ہیں۔ جب آپ کو محبت ہو جاتی ہے تو آپ ہر چیز بڑے مختلف انداز میں کرتے ہیں۔ آپ خاموشی سے مسکراتے ہیں، خاموشی سے ہنستے ہیں، خاموشی سے آہیں بھرتے اور خاموشی سے روتے ہیں۔ آپ یہ سب کچھ اس لئے خاموشی سے کرتے ہیں تاکہ کوئی آپ کے راز کو پا نہ سکے۔ وہ راز کہ آپ کسی سے محبت کرتے ہیں۔

لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے محبت ایک نہایت عجیب جذبہ ہے، چاہے آپ اپنے اس راز کو چھپانے کی کتنی کوشش کریں یہ اتنا ہی ظاہر اور نمایاں ہو جاتا ہے۔

محبت ذرا صل ایک خوشبو ہے۔ یہ خاموشی سے استعمال تو ہو سکتی ہے لیکن اس کی خوشبو کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ آپ ان ٹمٹماتے ستاروں کو کیسے چھپا

سکتے ہیں جو کسی عاشق کی آنکھوں میں چمکتے ہیں۔ آپ اس نرم
 و دلکش مسکان کو کس طرح چھپا سکتے ہیں جو اس عاشق
 کے چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے معشوق
 کے خیالوں میں گم ہوتا ہے اور وہ آپ کیسے چھپی رہ
 سکتی ہیں جو عاشق کے سینے سے نکلتی ہیں۔ چاہے وہ
 لاکھ انہیں کنٹرول کرنے کی کوشش کرے، تو کیا محبت
 ایک نہایت عجیب جذبہ نہیں ہے؟

ایک رات ایسی آئی کہ ایک حسین عاشق محبت
 میں مکمل طور سے تڑپتا تھا۔ ان کے جسم اطہر کا ایک ایک
 پور وکھ رہا تھا۔ ان کا دل ایک خاص ردھم میں دھڑک
 رہا تھا۔ اور ہر دھڑکن سے ایک شدید درد اٹھتا تھا وہ
 درد جو کسی کے لئے تڑپنے والوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔
 یہ عاشق اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے، وہ بستر
 جو سوکھے پتوں اور تنکوں سے بنا ہوا ایک خالی کمرے
 میں بچھا یا ہوا تھا۔ اور جس میں کوئی دنیاوی اثاثہ نہ
 تھا۔ لیکن اس کے باوجود ایک خزانے سے بھرا تھا۔
 یہ خزانہ نہایت گراں بہا اور قیمتی تھا۔

ایسی کوئی چیز نہ تھی جو اس کے حسن کا مقابلہ کر

سکتی یا اس کی قدر کا تعین کر سکتی۔ یہ خزانہ ایک عاشق کا دل تھا جو بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا اور جس کی ہر ایک دھڑکن میں محبوب کے لئے ایک شدید طلب اور ٹرپ موجود تھی۔

وہ رات ٹھنڈی تھی، تاریک آسمان پر ہر ستارے چمک رہے تھے۔ ہلکی ہوا سے پتوں سے بھری شاخیں جھوم رہی تھیں۔ فضا میں امید کا ایک عجیب احساس موجود تھا۔ ہر طرف ایک عجیب خام سا چھایا ہوا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے آسمان کو نشہ پلا دیا ہو۔ جیسے کسی نے ہوا اور درختوں کو نشہ پلا دیا ہو۔ ایسے لگ رہا تھا کہ کسی جگہ ایک خاموش رقص جاری تھا اور کسی سنگیت کے مہر ہوا میں بکھر رہے تھے۔

یہ وہ سماں تھا جب عاشق کے سینے سے ایک گہری آہ اُٹھی اور اُن کی نیم وا آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ نرم و نازک ہونٹ بڑی نرمی سے، بڑی آہستگی سے اپنے اللہ کی محبت اپنے ربی اور اپنے عشق اور اپنے اللہ کے لئے کراہ اُٹھے۔

یہی وہ وقت تھا جب حجابات اُٹھائے گئے

اور دُوریاں قُربتوں میں بدل گئیں، یہی وہ وقت تھا
جب شبِ ہجرالِ ختم ہوئی، یہی وہ وقت تھا کہ جب

یہ کمالِ حسن کا معجزہ !

کہ فراقِ حق بھی نہ سہہ سکا

شبِ معراج لیا عرشِ بریں پر بلوا

صدمہٴ ہجر خدا سے بھی گوارا نہ ہوا

سوئے مُنتہیٰ وہ چلے نئی!

بَلِّغِ الْعَالَمِ بِكَمَالِهِ

كشفت الدجے بکمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلو علیہ وآلہ

یہ عشق، آہوں اور ملاقاتوں کی ایک خوبصورت

رات تھی۔ وہ رات جس میں اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ

علیہ وسلم کو اپنے پاس بلوالیا۔ تمام مخلوقات کو اُن کے

مقام، اُن کی افضلیت اور فضیلت دکھانے کے لئے۔

حبیبِ آپ پر ہزاروں دُرود و سلام

سب رسولوں کے سرور، انبیاء کے امام

شبِ معراج کا مقصد حقیقتاً ہے یہ

عرشِ والے بھی دیکھیں حبیبِ رب کا مقام

یہ رُوح الامین تھے جو اس حجرے میں داخل ہوئے جہاں رحمتِ کائنات سوریے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پیروں کو نہایت خاموشی سے بوسہ دیا۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جگایا گیا۔ تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا آپ کے سامنے جبریل علیہ السلام اپنی چمکدار پیشانی کے ساتھ کھڑے تھے، جن کی رنگت برف جیسی سفید جن کے لباس میں موتی جڑے ہوئے اور سونے کی کشیدہ کاری تھی۔

ہر رنگ کے تہہ بہ تہہ پر ان کے جسم پر لرزاں تھے۔ وہ اپنے ساتھ حیرت انگیز رفتار والی ایک سواری لائے تھے، یعنی براق۔ ایک سفید جالور، چچرے زیادہ مماثلت والا، جس کے دونوں طرف پر تھے۔ جن سے وہ اپنے ٹانگوں کو حرکت دیتا تھا۔ اس کے ایک قدم کا فاصلہ اس کی حدِ نگاہ تھا۔ وہ نہایت تیز رفتاری سے شمال کی جانب اڑے۔ یثرب سے آگے، خیبر سے ہوتے ہوئے یروشلم پہنچے۔

وہاں اُن کی ملاقات نبیوں کی ایک جماعت سے ہوئی، جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے شامل تھے۔

دُنیا کی کسی اور مسجد کو ایسی جماعت کا شرف حاصل نہیں جس کے تمام مقتدی انبیاء تھے۔ ان مقتدیوں کو ایک ایسے امام کی ضرورت تھی جو اُن میں سے ہر ایک کے نبی تھے۔ مقتدی اگر لاجواب و باکمال ہیں تو امام بھی بے مثال و محب کمال ہیں اور صاحبِ حُسن و جمال ہیں۔“

س نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سرعیاں ہوں میں اوّل و آخر

کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر
جو سلطنت آ کے کر گئے تھے
یہ اُن کی آمد کا و بدبہ تھا
نیکھار ہر شے کا ہو رہا تھا
بخم و افلاک جام و مینا ؛
اُجالتے تھے کھنگلتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی امامت
عبادت گاہ کے احاطے میں فرمائی اور تمام انبیاء آپ
کے پیچھے صف بستہ ہو گئے۔

اس کے بعد دو پیالے آپ کی خدمت میں پیش
کئے گئے۔ ایک میں شراب تھی اور ایک میں دودھ
آپ نے دودھ والا پیالہ لیا اور اس میں سے پیامگر
شراب سے بھرا پیالہ وہیں چھوڑ دیا۔ اس پر جبریل علیہ
السلام نے فرمایا:

”آپ کی رہنمائی اس راہ کی طرف کی
گئی ہے، جو آپ کا مقدر ہے۔ اور جس
پر اپنے لوگوں کو چلنے کی ہدایت دی گئی۔
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے لئے
شراب کو حرام کر دیا گیا ہے؛“

پھر وہاں سے آپ کو اس دنیاوی زندگی سے
اٹھا کر آسمان پر لے جایا گیا۔ عبادت گاہ کے احاطے
کے مرکز میں رکھے پتھر سے بندھے براق پر آپ ایک بار
پھر سوار ہوئے۔ جس نے اپنے پر ہلا کر اوپر پرواز شروع
کی۔ اس وقت اس زمین پر کسے معلوم تھا کہ آسمانوں

میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا کوئی ان تیاریوں، ان زیباؤں اور ان خوبصورتیوں کا ادراک کر سکتا ہے جو اس دولہا کے لئے کی جا رہی تھیں، جو اپنے محبوب سے ملنے جا رہے تھے۔

سہ ہفت سماع تیرے واسطے سجایا گیا
 بہشت میں بھی جشنِ خوشی منایا گیا!
 بھجائی گئی ہے جہنم کی آگ اس خاطر
 حدیثِ آپ کو ہے عرش پر بلایا گیا
 جبریل علیہ السلام کی رہنمائی میں جو اب ایک
 ملکوتی جسم میں ڈھلے ہوئے تھے، وہ زمینی فضا سے
 بہت اوپر پہنچ گئے تھے، یعنی زمان و مکان سے ماورا
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پھر ان انبیاء
 سے ملاقات کی، جن کے ساتھ آپ نے یروشلم میں
 نماز پڑھی تھی۔ لیکن وہاں وہ آپ کے سامنے اس طرح
 پیش ہوئے جیسے اپنی زمینی زندگی میں تھے۔ جب کہ
 اب یہاں آپ ان کو ان کے افلاکی رنگ میں دیکھ
 رہے تھے۔ اور ان کی اس شاندار تبدیلی پر حنین کر
 رہے تھے۔

یوسف علیہ السلام کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ ان کے چہرے پر پورے چاند کی چمک دمک تھی۔ تاہم اس کے باعث ان کے دوسرے بھائیوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیرت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

مختلف آسمانوں پر جن باغوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورہ کیا تھا۔ ان کے بارے میں بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ”جنت کا ایک کمان برابر ٹکڑا سورج کے طلوع و غروب کے درمیان موجود تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ اور اگر جنتیوں کی کوئی خاتون زمین والوں کے سامنے آئے تو اس کے نور اور اس کی خوشبو سے آسمان و زمین کے درمیانی خلا پر ہو جائے۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے فرشتے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو دیکھا، انہ کو اتنا بڑا پایا کہ ان کی دو آنکھوں کے درمیان کا فاصلہ ستر ہزار (۷۰۰۰) دن کی مسافت کے برابر تھا۔ وہ ایک لاکھ بٹالین کو کام پہ لگاتے ہیں اور ہر وقت ایک بہت بڑی کتاب میں ان لوگوں کے ناموں

کا اندراج کرتے گزارتے ہیں، جو مر رہے ہیں یا پیدا ہو رہے ہیں۔

یہ ہے اللہ اپنے چاہنے والوں کے لئے جمال اور رحمت۔ لیکن کیا کوئی اس کے جلال کے آگے ٹھہر سکتا ہے، اس کی خاصیت کے آگے۔

یہ ان لوگوں کے لئے کتنی بڑی بد نصیبی ہے کہ ان تمام تہنیوں کے باوجود اپنے آشیانوں میں آرام کی بند سو رہے ہیں۔

اے اُمّتِ محمدی! اللہ کے دو لہانے عظیم مناظر کا مشاہدہ کیا۔ بے شمار چیزیں آپ کو دکھائی گئیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک آپ معراج کی انتہا کے مقام پر پہنچے۔ یہ سدرۃ المنتہیٰ کا درخت تھا جس سے آگے تو جبریل علیہ السلام بھی نہیں بڑھ سکتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں والے ملائک بھی دیکھے، جو دنیا کے گناہوں کے لئے رو رہے تھے۔ اور اس کے علاوہ ایک اور بہت بڑے فرشتے کو بھی دیکھا جس کا آدھا دھڑ برف کا اور آدھا آگ سے

بنا ہوا تھا، جس کے ارد گرد آفاقی مخلوق تھی جو مسلسل
بیخ رہے تھے کہ :

وہ اے خدا! تو نے برف اور آگ
کو یکجا کیا ہے، تو نے اپنے تمام بندوں کو
اطاعت میں ملا دیا ہے۔

ساتویں آسمان پر جہاں نیک ارواح کا مقام ہے
وہاں ایک فرشتہ تھا جو پوری دنیا سے زیادہ بڑا تھا۔
اپنے ستر ہزار سروں کے ساتھ، ہر سر میں ستر ہزار منہ
تھے، ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں تھیں۔ اور ہر زبان ستر
ہزار بولیوں میں اللہ کی حمد بیان کر رہی تھی۔

اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
گنہگاروں پر عذاب آتے دیکھا، تاکہ اُمرتِ محمدی
کے لئے یہ ایک سبق بن جائے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمرت
سے فرمایا جب میں نے ایسے آدمیوں کو دیکھا جن کے
ہونٹ اُوٹوں جیسے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں آگ کی
گنبدیں تھیں جنہیں وہ اپنے منہ میں ٹھونس رہے
تھے۔ جو پھر سے ان کی پیٹھوں سے نکل رہے تھے۔

جنہیں پھر وہ اپنے مُتہ میں کھولنس رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے یتیموں کو لوٹا۔

پھر میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ بڑے تھے۔ ان کے اوپر سے لوگ پاگل اوتوں کی طرح گزر رہے تھے۔ جیسے وہ آگ پر سے گزر رہے ہوں۔ جن لوگوں کو روند ڈالا گیا ہے وہ اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑے رہے۔

میں نے پوچھا اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے جواب دیا یہ سُود خور ہیں۔ پھر میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، جس پر مزیدار فریب گوشت اور ساتھ ہی بدبودار گوشت پڑا ہوا تھا۔ وہ ہٹا ہوا خراب گوشت کھا رہے تھے، اور تازہ مزیدار گوشت کو ہاتھ نہیں لگا رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں اے جبریل! انہوں نے کہا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کو چھوڑ کر، جو اللہ نے ان کے لئے حلال کی ہیں، دوسری عورتوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ جو ان کے لئے ناجائز ہیں۔

پھر میں نے لوگوں کا ایک گروہ دیکھا جن کے ناخن
 تلبے کے بنے ہوئے تھے۔ جن سے وہ اپنے چہروں
 اور سینوں کو چھیر رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا، یہ
 کون لوگ ہیں؟ اس کے جواب میں جبریل علیہ السلام
 نے کہا۔ یہ مرد اور عورتیں وہ ہیں جو جنجل خور تھے، جو
 دوسرے لوگوں کا گوشت کھایا کرتے اور ان کو بے عزت
 کرتے تھے۔

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنجل خوروں کو اس
 حال میں بھی دیکھا کہ گوشت ان کے اپنے ہی پہلوؤں
 سے کاٹا جا رہا تھا جسے وہ کھا رہے تھے۔ اور ان سے
 کہا جا رہا تھا کہ اسے اسی طرح کھاؤ، جس طرح تم اپنے
 بھائیوں کا گوشت کھاتے رہے ہو۔

جب میں نے جبریل علیہ السلام سے ان کے
 بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا، یہ لوگ غیبت
 کرنے والے، جنجل خور ہیں۔ اس دن ایسے کئی سبق
 امت کو سکھائے جا رہے تھے۔

لیکن اگر آپ سب اپنے اندر جھانکیں اور اپنے
 ارد گرد نگاہ ڈالیں تو کیا اب یہ گناہ آپ کو روزہ مرہ

زندگی کے معمول کی طرح نظر نہیں آتے۔ کسے خیال ہے کہ ان کے ساتھ کیا ہوگا۔ جب ان کی آنکھیں بند ہوں گی، جب ان کے جسموں کو مٹی تلے دبا دیا جائے گا۔ یقیناً ان کے جسموں کو کھالیا جائے گا لیکن ان گناہوں کی سزا ابد تک برقرار رہے گی۔ بس ذرا سا اپنی مصروف زندگی سے چند لمحے نکالئے اور آخرت کے بارے میں سوچئے! سوچئے اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔

اُڑنے کی طاقت نہ جبریل کے پر میں
ایسے بھی مقام آئے تیری راہ گزر میں!

کہا جاتا ہے کہ سدرۃ المنہق والے درخت

کی جڑیں تختِ الہی کے نیچے پیوست ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ اس مقام پر ہر ایک کے علم کا خاتمہ ہے۔ چاہے وہ ملائکہ کا سردار ہو، نبی ہو یا رسول۔ اس سے آگے ایک پوشیدہ اسرار ہے جس کا علم خدائے واحد کے علاوہ کسی کو نہیں۔

کائنات کے اس بلند ترین مقام پر جبریل علیہ

السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی اصلی ملکوتی شان و شوکت کے ساتھ ظاہر ہوئے، بالکل اسی حالت میں

جب وہ پیدا کئے گئے تھے۔

پھر وحی کے الفاظ میں: جیبِ صدر پر
چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا، آنکھ کسی طرف
پھیری نہ حد سے بڑھی، بے شک آپ نے
رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں؛
(سورہ نجم)

یہ الوہی روشنی تھی جو صدر پر پڑی اور اسے کامل
طور پر اپنی لپیٹ میں لے لیا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ
وسلم کی آنکھ اس پر جمی رہی، ادھر ادھر بٹکے بغیر۔
اسے اُمّتِ محمدی! جب آپ اپنے بہت ہی
پیارے محبوب سے ملتے ہیں تو اس کے سامنے آپ کیا
کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ آپ اپنی محبت نچا کر
گئے اور اس محبت کے عملی اظہار میں اسے ایسے ہدیئے
اور تحفے پیش کریں گے جو اس کی محبوب کے شایانِ شان
ہوں۔

تو وہ لوگ جو محبت کے ان معاملات کو جانتے
ہیں۔ انہوں نے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی
یہی سوال پوچھا۔ شبِ معراج میں رب کی طرف سے

اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا تحفہ تھا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو دلوں کے نازک معاملات کو جانتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس حسین محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے معشوق کی صفات میں ملبوس کیا گیا۔ ان کو دیدار اور بالمشافہ گفتگو سے نوازا گیا۔ کیا یہی بات کلام پاک کی آیت میں نہیں کہی گئی ہے کہ: "اس پیارے چمکتے ہوئے تارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم، جب یہ معراج سے اترے، تمہارے صاحب نہ بیگے نہ بے راہ چلے"

یہ کسی نازل کی ہوئی وحی سے کم نہیں جو انہیں ایک بے انتہا طاقت والی ہستی نے سکھائی، قوت حاصل کرتے ہوئے وہ مضبوط رہے، جب وہ بلند ترین افق پر تھے۔ وہ قریب گئے اور بیٹھ گئے۔ اور وہ دو کمانوں کے درمیان برابر فاصلے پر تھے، بلکہ قریب تر۔ اس نے اپنے بندے پر ظاہر کر دیا جو ظاہر کیا۔ دل گھرایا نہیں جو کچھ اس نے دیکھا۔ اس نے ان کو ایک دوسرے موقع پر دیکھا تھا۔ سُدْرَةُ الْمُنْتَهَى پر جنت الماویٰ کے قریب۔ جس وقت سدرہ کو ڈھانپا گیا اس روشنی

سے ان کی آنکھ نہ بہی اور نہ حد سے بڑھی۔ انہوں نے اپنے رب کی کچھ عظیم ترین نشانیوں کو دیکھا۔
 اے اُمتِ محمدی! یہ تھے اللہ کے حسین محبوب
 اُس دن تسلیم و نیاز اور بے انتہا حمد و ثناء میں۔

ایک اور سوال ہے جو صوفی حضرات اٹھاتے ہیں کہ ایک انسان اللہ کا ایک مومن بندہ کتنا عروج کر سکتا ہے معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب آسانی سے دیتی ہے۔ یہ انسانی صفات کے ترک کرنے میں مضمر ہے، جو فنا ہونے پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسانی صفات الوہی صفات میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہی معراج کا اصل پیغام ہے، یعنی دوئی کو ختم کرنا، اپنی ذات کی نفی کرنا، انسانی صفات کو ترک کرنا اپنے آپ کو مکمل طور سے ختم کرنا تاکہ الوہیت، بشریت کو اس طرح ڈھانپے جس طرح لباس بدن کو ڈھانپتا ہے۔ تبدیلی کے اس عمل میں تمام بشری چیزوں کا الوہی وحدت میں معدوم یا تحلیل ہونے کا خطرہ ہے۔

تو معراج نے احادیث اور ذات کی نفی کا سبق سکھایا۔ یہ ہے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام۔ اللہ کے سب سے محبوب ترین

رسول کا یہ ہے وہ سب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو سکھایا۔
 ان تمام خاص لوگوں کو جو رب کے آگے سہر نیاز خم کرنے کو تیار تھے۔
 اے اُمتِ محمدی! اپنے دل سے اپنی انا
 کو نکال پھینکیں۔ پھر اپنی خواہشات، اپنی دُنیا
 کو ترک کر دیں۔ پھر دھیرے دھیرے اپنے وجود سے
 چھٹکارا پالیں۔ اور جلد ہی آپ کو احساس ہو گا کہ یہ تو
 بس ”وہ“ ہے جو باقی ہے۔ ”وہ“ جو ابدی ہے جو حق
 ہے، اور جو حقیقت ہے۔ یہ معراج آپ میں سے ہر
 ایک کے لئے ہے۔ بس اپنے پوشیدہ دل کو کشادہ کریں۔ اور بلاشبہ
 بہت جلد ہی آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ جائیں گے۔
 ہستی مستی ہے یارو اور، ہستی کچھ نہیں
 بے خودی مستی ہے یارو اور مستی کچھ نہیں
 لامکاں کی منزلت پاتا ہے کب کون و مکال
 ہو کے ویرانے کے آگے ہے کہ ہستی کچھ نہیں
 کچھ نہیں سب کچھ ہے یارو اور سب کچھ نہیں
 غیر اس کے معنی جو سمجھیں ہیں ہستی کچھ نہیں
 بندگی اور حق پرستی کچھ نہ ہونا ہے نیاز
 کچھ نہ ہونے کے سوا اور حق پرستی کچھ نہیں

ان سب کو اللہ پاک کی مہیا رک یاد ہو جنہوں نے
 اصلی معراج کو سمجھ لیا ہے۔ اے اُمتِ محمدی! میری
 وُعا ہے کہ ”اے اللہ ہماری آخری سالن کو ایمان پر
 ختم کر۔ اے خدائے رحمن و رحیم ہمیں اپنے پیارے
 محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اپنے مقدس دیدار
 سے سرفراز فرما، یا حنان یا منان! اے اللہ تو ہی وہ واحد ہے
 جو مجلہ گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ تو ہی رؤت الرحیم ہے۔ اپنے
 حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے صدقے ہمارے کبیرہ صغیرہ
 گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ ہمارے دلوں سے اس دنیا
 کی چاہت دُور فرما۔ ہمیں اپنی محبت اور چاہت سے ملبوس فرما۔
 ہمیں اس راہ پر چلا جو تیری طرف جاتی ہے۔ ہمیں آگ سے نجات
 دے اور ہمارے دلوں میں اپنی اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم
 کی محبت و اُلفت میں اضافہ فرما دے۔ اے اللہ!
 اس شبِ معراج کو ہم سب کے لئے باعثِ رحمت بنا
 اور ہماری دُعاؤں کو قبول فرما۔ ہماری دُعاؤں و قبول
 ہوں اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے
 صدقے سے۔

آمین!

۱۶ جولائی ۲۰۱۰ء

باب (۱۲۳)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو اپنے تمام دوستوں کا دوست ہے، جو اپنے جملہ عاشقین کا انعام ہے۔ اور جو تمام صادقین، صالحین اور شہداء کے لئے رحمت ہے۔

دُرود و سلام ہوں رحمتہ اللعالمین پر، اُن پر جو صاحبِ جمال اور صاحبِ کمال ہیں۔ جو ساری کائنات کا نور ہیں اور جو اپنی اُمت کے بہترین دوست ہیں۔ سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ کے لئے اور آپ کے گھرانوں کے لئے اور سلامتی ہو اُن سب عارفی نور یوں کے لئے جو اس خوبصورت محفل میں آکر شریک ہوتے ہیں اور تیزی سے محبت کا مطلب سیکھ رہے ہیں۔ آپ ایک اچھے دوست کی پہچان کس طرح کر سکتے ہیں؟ آج کل لوگ اس رشتے کو زیادہ خاطر میں نہیں

لاتے جو حقیقت میں انسانوں کے لئے تحفہ ہے۔ یہ کہتے
افسوس کی بات ہے کہ آپ اس لفظ کو وہاں استعمال کرتے
ہیں جہاں اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ ان ذمہ
داروں کو پورا نہیں کرتے جو اس رشتے کا تقاضہ ہیں۔

دوست دراصل وہ شخص ہے جو ہر وقت آپ کے
ساتھ ہو۔ دوستی وہ رشتہ ہے جس میں خوئی روابط ہو بھی
سکتے ہیں اور نہیں بھی ہو سکتے۔ لیکن یہ کسی بھی دوسرے
رشتے سے مضبوط تر ہے۔ یہ مجبوری سے نہیں ہوتی بلکہ اس
لئے ہوتی ہے کہ یہ آپ کی اپنی پسند ہے کہ کسے اپنا دوست بنائیں۔
خون کے تمام رشتے ایک مجبوری ہیں جنہیں آپ کو
نبھاننا ہے ایسا ممکن نہیں ہے کہ اگر آپ کو اپنے بھائی سے اختلاف ہے
تو آپ اس سے رشتہ ختم کر کے اس سے کہیں کہ وہ آپ
کا بھائی نہیں ہے۔ دوستی میں یہ مجبوریاں نہیں ہیں اس
کے معنی یہ ہیں کہ آپ پیدائشی طور سے کسی کے دوست
نہیں۔ لیکن پھر بھی سچی دوستی کسی بھی دوسرے رشتے سے زیادہ مضبوط
ہو سکتی ہے۔ حقیقت میں سچی دوستی کا تعلق دل کے معاملات
سے ہے۔ ایسی دوستی کی بنیاد بے غرضی پر ہونی چاہیے۔
اگر آپ کسی کو اپنا دوست کہتے ہیں لیکن اس کے پیچھے

اگر آپ کی کسی غرض کا کوئی شبہ تک ہو یا آپ کا کوئی مقصد ہو تو ظاہر ہے کہ یہ سچی دوستی نہیں ہے۔

دوستی ایک مقدس رشتہ ہے۔ یہ نسل عقیدہ یا کسی بھی رشتے سے بالاتر ہے۔ آپ آسانی سے ایسے لوگوں سے دوستی کر سکتے ہیں جو آپ جیسے نہ ہوں، جن کا تعلق کسی دوسری ثقافت یا قوم سے ہو، جن کی معاشرتی حالت آپ سے مختلف ہو۔

اختلافات بہت سے ہو سکتے ہیں لیکن ان میں ایک قدر مشترک ہوگی اور وہ یہ کہ ان کے دل آپس میں ملتے ہیں اور وہ حقیقی طور سے ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے بغیر کسی غرض کے ملتے ہیں، وہ ایک دوسرے سے ہنستے ہیں، وہ ایک دوسرے کو اپنے دل کا حال بتاتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے لئے ہر وقت حاضر رہتے ہیں۔

اپنی زندگی میں آپ بہت سارے دوست بنا سکتے ہیں لیکن حقیقت میں ہر ایک کا ایک بہترین دوست ہوتا ہے، جو کہ باقی تمام دوستوں سے بالاتر ہوتا ہے۔ آپ کو آپ کی زندگی کے دوران یہ دوست کسی

بھی وقت مل سکتا ہے۔ اور ایک بار جب وہ آپ کو مل جائے تو وہ آخری دم تک آپ کا دوست رہے گا۔ کبھی کبھی آپ کو یہ دوست آپ کے جیون ساتھی کے رُوپ میں ملے گا۔ یا اپنے بھائی بہن میں یا وہ کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے۔ جسے آپ زندگی بھر جانتے ہوں، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، آپ سے کسی کی ملاقات ہوتی ہے اور آپ فوری طور سے اسے پسند کرتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ آپ کو احساس ہوتا ہے، آپ جب کبھی بھی زندگی میں کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں تو وہ شخص ہر وقت آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف خوشیوں میں آپ کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ غموں میں بھی وہ آپ کا ساتھی ہوتا ہے۔ ایک سچا دوست سائے کی طرح ہوتا ہے کبھی جدا نہ ہونے والا۔

جنگ کے دوران ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”آپ دونوں میں سے ایک کی مدد جبریل علیہ السلام اور ایک کی میکائیل علیہ السلام کر رہے ہیں۔“

کیا کوئی ایسا دوست ہو سکتا ہے جو اللہ اور اس کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خود اپنے بیٹے کی قربانی دینے سے پس و پیش کرے۔

کہتے ہیں کہ یوم بدر کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن مشرکین کے ساتھ تھے۔ جب اُس نے اسلام قبول کیا تو اس نے اپنے والد سے کہا کہ ”بدر والے دن آپ کئی بار میری زد میں آئے، لیکن میں آپ کو نقصان پہنچائے بنا دوڑ چلا جاتا تھا۔“ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ”اس دن تم اگر میری زد میں آتے تو میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑتا۔“

جس وقت اس پیارے دوست نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ”میں، میرا مال، میری زندگی، میری ہر چیز آپ کی ہے۔“ تو وہ یہ سب کچھ کہنے میں واقعی سنجیدہ اور پر خلوص تھے۔ وہ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ فیاض تھے۔ اُن کے لئے تو قرآن میں بھی فرمایا گیا کہ: (سورۃ اللیل) اور ”بہت اُسے دوڑ رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہوگا جو

اپنا مال دیتے ہیں کہ سُتھرا ہو۔“

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اس وقت وہ عرب میں سب سے زیادہ مال دار شخص تھے۔ کہتے ہیں کہ اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے جو انہوں نے سب کے سب اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کئے اور جب انہوں نے مدینہ ہجرت کی تو ان کے پاس صرف پانچ ہزار درہم رہ گئے تھے۔ جن کو بھی انہوں نے مسلمانوں پر خرچ کر دیا۔ آپ کے دوسرے دوست بھی آپ کی فیاضی کو دیکھ کر رشک کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کچھ صدقہ دینے کو کہا۔ اس وقت گھر میں میرے پاس بہت مال تھا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر مجھے کبھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بازی لے جانی ہے تو وہ آج کا دن ہے۔

چنانچہ میں نے اپنے مال کا آدھا حصہ لا کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا۔ ”آپ نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟“ اس کے جواب میں میں نے عرض کیا کہ ”اتنا ہی جتنا میں یہاں لایا ہوں۔“

اور جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے ماں کے ساتھ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہی سوال پوچھا کہ ”اے ابو بکر! اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟“ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست نے عرض کیا ”ان کے لئے میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔“ جب میں نے یہ سنا تو میں نے اپنے دل میں کہا! ”عمر! رضی اللہ عنہ تم ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں رکھ سکتے۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اللہ کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں پہلی وحی کے نزول سے پہلے آپس میں دوست تھے۔ پہلی وحی کے آنے کے بعد کا وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بڑا سخت اور بھاری وقت تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ کفر کے جھوٹے خداؤں کے خلاف آواز اٹھانے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لوگوں کی سخت اور ضدی فطرت سے بخوبی آگاہ تھے۔ آپ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے، کہ یہ لوگ محض چھوٹی چھوٹی باتوں پر تلواریں نکالتے تھے جنہیں وہ اس وقت تک نیاموں میں واپس نہیں ڈالتے تھے جب کہ ان کے خون کی پیاس نہیں بجھتی لیکن اس کے باوجود کوئی چیز آپ کو اپنی تحریک سے نہیں روک سکتی تھی۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اپنے قریبی عزیزوں اور مخلص دوستوں کو اس کے بارے میں بتایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عرصے سے جانتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں صادق اور امین کہتے ہیں۔ اسی لئے وہ جانتے تھے کہ توحید کا پیغام بلاشبہ حق اور سچ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے پہلے بالغ مرد کے لئے آپ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے فوری طور سے ”لبیک“ کہا۔

حسن بن ثابت اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں کہ
 ”جب آپ کو اپنے بھائیوں میں سے کسی کا غم ستائے تو
 براہِ کرم اپنے بھائی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کے کارناموں
 کے باعث یاد کریں۔“

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ سب
 سے زیادہ خداترس تھے۔ اور عدل و انصاف کی بالا
 دستی کے لئے آپ نے جو بھی ذمہ داریاں قبول کی تھیں،
 انہیں باحسُن و خوبی نبھایا۔ ایک مسکراہٹ کے ساتھ
 مشکلات کا مقابلہ کرنے میں آپ کسی سے پیچھے نہیں
 تھے۔ آپ انسانوں میں پہلے انسان ہیں، جس نے انبیاء
 و رسل کے نزول کی تصدیق کی۔

یہ دونوں کے درمیان ایک بے مثال دوستی
 یعنی محبوب رب اور ان کے رفیقِ اعلیٰ کے درمیان
 جب سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے، تو
 یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے کبھی ایک لمحے
 کے لئے بھی آپ کے سچے ہونے پر شک نہیں کیا۔
 جب کافر کو پتہ چل گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کیا فرما رہے ہیں، کس طرح وہ خدائے واحد کی

بات کر رہے ہیں۔ اور کس طرح وہ ان کے جھوٹے
خداؤں کی مذمت کر رہے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے خلاف ظلم
و ستم کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔

اس دورِ ابتلا میں حضرت ابو بکر صدیق رضی
اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ، اپنی جائیدادیں، اپنا اثر
ورسوخ، اپنی تمام تر صلاحیت اور حتیٰ کہ اپنی زندگی
تک کو اسلام کے لئے وقف کر دیا۔ رسول پاک صلی اللہ
علیہ وسلم روزانہ دو مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ یعنی صبح کے وقت
اور شام کے وقت اور اس دوران ان کی خفیہ ملاقاتیں
دیر تک جاری رہتی۔

یہ دونوں دوست مختلف قبائل کی طرف سے
آنے والے وفود سے تبلیغ کے لئے ایک ساتھ ملاقاتیں
کرتے یا عربوں کے اجتماعات سے خطاب کرتے
وقت بھی دونوں ساتھ ہوتے۔ چونکہ حضرت ابو بکر
رضی اللہ عنہ ایک ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور
ان کا وسیع کاروبار بھی تھا۔ اس لئے ان کے مختلف قبیلوں

سے روالبط تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف ایسے تمام لوگوں سے اور اجتماعات میں کرواتے تھے۔ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑی بے جگری سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ظالم لوگوں سے بچاتے تھے۔

ایک دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو عقبہ بن معیط نے اپنی چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر آپ کا گلا دبانے لگا۔ اتفاق سے عین اسی وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور فوری طور سے خود کو عقبہ پر گرا کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا لیا۔ پھر اس حرکت پر غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

”کیا تم ایک ایسے آدمی کو مار ڈالنا چاہتے ہو، جو تمہارے لئے اللہ کی نشانیاں لائے ہیں۔ اور جو کہتے ہیں کہ جہانوں کا مالک اللہ ہے۔ حتیٰ کہ ہجرت کے وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بہترین

دوست کی رفاقت حاصل تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً حضرت ابو بکر کے گھر صبح کے وقت یا شام کے وقت تشریف لے جاتے تھے۔ لیکن اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوست کے گھر ایک غیر معمولی وقت پر تشریف لائے۔ جو یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ وہاں کوئی غیر موجود نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے ہجرت کرنے کا حکم ملا ہے۔

نہایت قلیل وقت میں تمام تیاریاں مکمل ہوئیں اور دونوں اونٹوں پر سوار مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ ان دو مسافروں کا پہلا پڑاؤ غارِ ثور تھا۔ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے جو پہلے غار میں داخل ہوئے اور جب ان کو اطمینان ہوا کہ اندر کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تو انہوں نے غار کے اندر ہر ایک سوراخ کو بند کیا، جو انہیں نظر آیا۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر داخل ہونے کی درخواست کی۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر داخل ہوئے اور چاہا کہ کچھ آرام فرمائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رانوں پر سر رکھ دیا اور آپ کو نیند آگئی۔

عین اسی وقت ایک زہریلے سانپ نے غار کے ایک سوراخ سے سر نکالا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ سچا رفیق یہ چاہتا کہ ان کے پیارے نبی کو کوئی نقصان پہنچے یا ان کے آرام میں خلل ہو۔ تو اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا انگوٹھا اس سوراخ پر رکھ دیا۔ اس کے ردِ عمل میں سانپ نے آپ رضی اللہ عنہ کو ڈس لیا۔

لیکن اس کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درد کو برداشت کیا اور بلا ہلے جھلے خاموش رہے لیکن چند لمحوں میں ہی درد اتنا شدید ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جن میں سے کچھ قطرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک پر ٹپک پڑے۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ اٹھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شدید درد و کرب کے عالم میں دیکھا تو فرمایا:

”کیا بات ہے ابو بکر؟“ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ”آپ پر میرے مال باپ قربان ہوں، ایک سانپ نے مجھے ڈس لیا ہے۔“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور سے اپنا لعاب مبارک زخم پر لگایا اور سانپ کے زہر نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر کوئی اثر نہیں کیا۔

اپنی پوری زندگی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی زندگی اپنے آرام اور اپنے مال و اسباب کی پرواہ نہیں کی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ میری ہر چیز آپ پر قربان ہے یا نبی! تو یہ نہ صرف آپ نے کہا بلکہ ساری دنیا کو اپنے عمل سے یہ دکھا بھی دیا کہ آپ اپنے قول کے کتنے سچے ہیں۔ جنگِ بدر حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن معرکہ تھی۔ اللہ کے عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ گاہ ایک بڑے پتھر کے سائے میں تھی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ سے سدا محبت کرنے والے دوست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے محافظ کے طور پر موجود تھے۔ کفار ہر طرف سے آپ کے

آقا پر حملہ کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن بہادر ابو بکر رضی اللہ عنہ بڑی شجاعت سے ہر اس حملہ آور کو پسپا کرتے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آنے کی جرأت کرتا۔ آپ رضی اللہ عنہ دوسرے سپاہیوں کے بجھے ہوئے جذبات کو دوبارہ ابھارنے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے اشعار بھی پڑھ کر سناتے تھے۔ اسی طرح جنگ اُحد میں جس وقت جیتی ہوئی لڑائی چند سپاہیوں کی غلطی کی وجہ سے شکست میں تبدیل ہوئی تو میدانِ جنگ میں کئی مجاہدین کے حوصلے پست ہو گئے۔ لیکن یہ وفادار دوست آخری لمحہ تک چٹان کی طرح اپنی جگہ ڈٹے رہے۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑی چوٹی پر لے جایا گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ جب لڑائی ختم ہوئی تو بھاگتے ہوئے مکہ والوں کے تعاقب کے لئے مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا جتھہ ترتیب دیا گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس پارٹی میں شامل تھے۔ اُحد کے بعد کئی اور لڑائیاں لڑی گئیں۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے بہترین دوست نے تقریباً ان سب لڑائیوں
میں حصہ لیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ”صدیق“ کا لقب
دیا گیا تھا۔ کیوں کہ آپ نے زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی
جھوٹ نہیں بولا تھا۔ لیکن یہ لقب لوگوں میں شبِ معراج
کے دن مشہور ہوا۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے
سامنے اپنے معراج کے سفر کا حال بیان فرما رہے تھے، تو
وہ سب آپ پر تمسخر کرنے لگے۔ مشرکین میں سے کچھ لوگ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین دوست کے پاس
گئے اور بولے، کیا آپ اب بھی اپنے دوست سے تعلق
رکھیں گے۔ جب وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ کل رات وہ
بیت المقدس گئے ہیں؟

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا انہوں
نے یہی کہا تھا؟ مشرکین نے کہا ہاں۔ اس پر حضرت
ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تو پھر وہ سچ بول رہے
ہیں۔ اگر وہ یہ فرمائیں کہ انہیں صبح و شام آسمان سے
خبریں ملتی ہیں تو پھر بھی میں انہیں سچا ہی مانوں گا۔“

یہی وہ وقت تھا جب آپ رضی اللہ عنہ صدیق
کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس لقب کا ذکر جبریل علیہ
السلام نے بھی شبِ معراج میں کیا تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس
گھروٹ رہے تھے۔ مسجد ذی توئی پر پیارے نبی پاک
صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے کہا: "اے
جبریل! لوگ میری تصدیق نہیں کریں گے" اس پر اللہ
کے فرشتے نے جواب دیا۔ ابو بکر صدیق آپ کی تصدیق
کریں گے اور وہ صادق ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک بار رسول پاک
صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حسین دوست کی تصدیق کرتے
ہوئے فرمایا کہ ابو بکر وہ شخص ہیں جن کو اللہ نے صادق
کہا ہے۔ جبریل علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی زبان مبارک کے ذریعے۔ وہ نماز میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ
وسلم نے ان کو دین کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ اس لئے
ہم نے انہیں اپنی دنیا (خلافت) کے لئے چنا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں

سے ایک تھے، جنہوں نے پورے قرآن کو حفظ کیا تھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ اسلام بن گئے تو اس وقت تک جنگوں میں کئی حفاظ شہید ہو چکے تھے۔ خاص طور سے پیامہ کی جنگ میں۔ اس لئے آپ نے خلیفہ کی حیثیت میں حضرت زید بن ثابت کو مقرر کیا کہ وہ قرآن کو جمع کریں۔ جو انہوں نے بڑی احتیاط سے کیا۔ انہوں نے منتشر اجزاء (اوراق) کو جمع کر کے انہیں ایک کتاب کی صورت دے دی۔

آپ کی خلافت کا دور سب کا مہ خیر تھا۔ خاص طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد کئی چھوٹے نبیوں نے اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک لمحہ پس و پیش کئے بنا ان کی سرکوبی کے لئے اپنی فوجیں بھیج دیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے عراق اور شام کو فتح کر کے اسلامی سلطنت کی سرحدوں کو وسیع کیا۔ اس کے علاوہ مکران کے بھی کئی چھوٹے شہر اور قبضے فتح ہوئے۔ اور خاص طور سے ظراح کی فتح سے اتنی دولت آئی کہ خلیفہ اسلام اس قابل ہوئے کہ وہ مدینہ کی ہر ایک مرد عورت اور غلام

کو ایک ایک دینا ردے سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت سے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے دو وزیر آسمان سے اور دو زمین سے ہوتے ہیں۔ میرے آسمانی وزیر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل ہیں۔ اور زمینی وزیر حضرت ابوبکر اور عمر ہیں۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس انداز سے مسجد میں داخل ہوئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں طرف اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں طرف تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں جوہروں کے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت والے دن ہمیں اس طرح اٹھایا جائے گا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! میری اُمت میں سے جنت میں سب سے پہلے آپ داخل ہوں گے۔ ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بہترین ساتھی یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سچی دوستی بے پناہ محبت اور عزت و تکریم کا اعتراف

فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :
مجھ پر اپنی ہم نشینی اور مال کے ساتھ متام
لوگوں سے بڑھ کر حضرت ابو بکر نے احسان
کیا ہے۔ اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو
دوست رکھتا تو ابو بکر کو رکھتا لیکن اخوتِ
اسلامی سب سے اچھی ہے۔

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے یارِ
غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان جیسی
دوستی اور کہیں نظر نہیں آئے گی۔ جب دل پتھے ہوں
اور ایک ساتھ دھڑکتے ہوں تو پھر کوئی شک نہیں کہ
سچی محبت کی مضبوط ڈور ایسے دلوں کو آپس میں باندھ
لیتی ہے۔ اللہ ہر وقت ایسی دوستی کے رشتوں میں سچائی
اور خلوص کو دیکھتا ہے جو ہر امتحان میں پورے اترتے
ہیں۔ اور ابد تک قائم رہتے ہیں۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دوستی تا ابد سب کے لئے
ایک مثالی ہوگی۔

السلام اے حضرت صدیق اکبر السلام
السلام اے خاصہ و مقبول داور السلام
السلام اے اول الایمان رقیق مصطفیٰ السلام
السلام اے عاشق ذاتِ پیمبر السلام
السلام اے رازدارِ سدرہ بنبرِ مصطفیٰ
اے وزیر اعظم خاص پیمبر السلام!



۲۳ جولائی ۲۰۱۰ء

باب (۱۲۴)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو رب ہے مشرق
کا اور رب ہے مغرب کا۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو
بنایا اور جو کچھ اُن میں ہے۔ بے شک وہ عظیم ترین ہے۔
اور زبردست قوت والا ہے۔

درود و سلام اللہ کے نبی پر جو پیدا ہونے والوں میں
سب سے اول تھے اور جو اللہ کے آخری رسول ہیں۔ یہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جن کو وہ اُمّت دی گئی ہے
جو رہتی دنیا تک باقی رہے گی۔

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ کے لئے اور
آپ کے گھرانوں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن سب کے لئے
جو اپنے اللہ کے لئے یہاں تین گھنٹے بسر کرتے ہیں اور
اللہ ہی سب سے بہترین اجر دینے والا ہے، اُن کے
وقت کا۔

اللہ کی بہت ساری نشانیاں ایسی ہیں جو کھلی آنکھ سے دکھائی دیتی ہیں، جو آپ کو اپنے اطراف نظر آسکتی ہیں۔ یہ عظیم الشان نیلا آسمان چمکتے ستارے، اپنے مدار میں گردش کرتی کہکشاں، یہ اُبلتے چشمے، اور یہ طوفانی مہاساگر۔ اس زمین اور آسمانوں کا ایسا کوئی ایک بھی ذرہ نہیں جو آپ کے رب کی عظمت نہ بیان کرتا ہو کہ اُس کا کام کتنا حیران کن ہے۔ کیا کوئی ہے ایسا جو اُس کا ایک چھوٹا سا حصہ بھی کر سکتا ہے، جو اُس نے کہا ہے، یا وہ جو کر سکتا ہے؟

بے شک وَلَوْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ
(سورہ اخلاص) اور بے شک نہ کوئی اُس کے جوڑ کا ہے۔

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک جو کائنات کی تشکیل کے وقت موجود تھی اور جو دنیا کے خاتمے تک باقی رہے گی۔ وہ ہے زمان، یعنی وقت۔ زمان کو کائناتوں کو بناتے وقت پیدا کیا گیا تھا۔ اور جو اُس وقت ختم ہو گا جب صُورِ اسرافیل پھونکا جائے گا۔ وقت ایک بڑی قیمتی شے ہے، مگر چاہے آپ اُسے کتنا ہی استعمال کریں، یہ کم نہیں ہوتا۔ اس کو کوئی

طریقوں سے ناپا جاتا ہے۔ مثلاً دن رات کا حساب کر کے۔ یعنی زمین کا اپنے گرد گھومنا، اور زمین کا سورج کے گرد گھومنا۔ اس دنیا میں ہر چیز رک سکتی ہے، لوگ ایسا نڈار ہونا ترک کر سکتے ہیں، بچے بڑوں کا احترام کرنا چھوڑ سکتے ہیں، قلم لکھنا ترک کر سکتے ہیں اور درخت بڑھنا چھوڑ سکتے ہیں۔ یعنی ہر چیز رک سکتی ہے، سوائے وقت کے۔ یہ وقت ہی ہے جو صوراً سہرا فیل کے پھونکے جانے تک چلتا رہے گا۔

وقت اللہ کی ایک نشانی ہے اور یہ اپنے رب کی اطاعت کرنا جانتا ہے۔ یہ بڑی خاموشی سے آگے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لمحہ بہ لمحہ، لمحہ بہ لمحہ، ساعت بہ ساعت۔ یہ تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے، اپنے خلتے کی طرف۔ ہر ایک شے جو کبھی بھی پیدا کی گئی ہو، اپنے خاتمہ کو پہنچے گی۔ سانس لینے والے انسان مر جائیں گے۔ ہوا میں جھومتے ہوئے درخت بھی بوڑھے ہو کر ختم ہو جائیں گے۔ جھیل سوکھ جائے گی، اور زمینیں ڈوب جائیں گی۔

یہ اللہ کا نظام ہے، ہر مخلوق اپنے انجام کو پہنچے

گی۔ اس کا انحصار بس اس پر ہے کہ اللہ نے اُسے جینے کی کتنی مہلت دی ہے۔ ایک بار جو وہ خاتمہ آن پہنچے تو پھر کوئی بھی اپنے اللہ سے ایک اضافی لمحہ بھی خرید نہیں سکتا۔ موت برحق ہے، اور اللہ کی ہر مخلوق کو اس کا مزہ چکھنا ہے۔ بے شک وہ تمام جو سالس لیتے ہیں، وہ موت کا ذائقہ بھی چکھیں گے۔

اسی طرح زمین بھی اللہ کی تخلیق کردہ ہے اور اسے بھی مرنا ہے، اسے بھی اپنے انجام تک پہنچنا ہے۔

ہم نے دُنیا میں آکے کیا دیکھا
 دیکھا جو کچھ سو خواب سا دیکھا
 ہے تو انسان خاک کا پُستلا!
 لیکن پانی کا بلبلا دیکھا
 جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفر
 معراج میں تھے تو آپ کو ایک بہت بوڑھی عورت
 دکھائی گئی، جس کے بال سفید تھے۔ جبریل علیہ السلام
 نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا: یہ ہے دُنیا اور یہ
 ہے اُس کی اصل عمر۔

ایک مرتبہ کسی شاعر نے برسلا کہا تھا کہ :
 خبردار! دُنیا ایک عمارت کے سائے کی طرح ہے
 اور لامحالہ تیرا یہ سایہ ایک دن ختم ہو جائے گا
 خبردار! دُنیا ایک سوار کے قبیلہ کرنے کی جگہ ہے
 جہاں سے اُس نے حاجت پوری کی اور روانہ
 ہو گیا۔

بس ایک لمحہ کے لئے سوچئے تو ذرا، کہ وقت
 ہے کیا؟ یہ درحقیقت ”آج“ ہے جو آپ کے لئے ہے۔
 یہ لمحات جو اس وقت آپ کے ہاتھ ہیں، یہی ”آج“
 ہیں۔ اس لئے کہ جو ”کل“ تھا وہ گزر گیا۔ اس کے لئے
 اب آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اور جو آنے والا ”کل“ ہے وہ
 ابھی تک آیا ہی نہیں ہے۔ تو اس لئے اس کے لئے بھی
 آپ کچھ زیادہ نہیں کر سکتے۔

یہ ”آج“ لازمی طور سے ”کل“ بن جائے گا، یعنی
 آپ کا ماضی۔ اور ماضی تو مُردہ اور بے حرکت ہے۔
 دُنیا نے بھی اپنا کل گزار لیا ہے اور اس کا ”آج“ تیزی
 سے تاریکی کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔ جب کہ آنے والا
 ”کل“ خود کو اس وقت کے بہت قریب لا رہا ہے۔

جب وقت نیچے گا ہی نہیں۔

”وہ دن جب ہوں گے انسان بچھے
ہوئے پیتنگوں کی مانند اور ہوں گے
پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی مانند“

(القارعہ: پ ۳۰)

اسے وقت کا خاتمہ کہتے ہیں۔ قیامت کے صحیح
وقت کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے۔ یہاں تک کہ اس
کے کسی ملائک کو، یا نبیوں میں سے کسی کو یہ علم نہیں۔
یہ اللہ کا بھید ہے اور اللہ اپنے بھیدوں کا بہترین
رکھوالا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کے خاتمے کی نشانیوں کے
بارے میں اپنی اُمت کو آگاہ کر دیا تھا۔ تمام انبیاء نے اپنے
اپنے لوگوں کو یوم حساب کے بابت تنبیہ کی تھی۔ مگر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں اپنے لوگوں
کو بڑی شد و مد سے تنبیہ کرتے رہے۔ کیوں کہ آپ کو
بخوبی علم تھا کہ آپ کی اُمت قریب قیامت کی نشانیوں
کا مشاہدہ کرے گی، اور اگر انہیں اس کے بارے میں
نہیں بتایا جائے، تو وہ گمراہی اور تباہی کا شکار ہو

جائیں گے۔

دنیا کے آخری ایام اتنے سخت ہوں گے کہ دنیا نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ آئیے کچھ نشانیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف تنبیہ فرمائی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورہ قمر میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ”فیصلے کی گھڑی قریب ہے اور چاند میں دراڑ پڑ گیا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند اُس وقت شق ہوا جب مکہ والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی نبوت کا ثبوت مانگا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُنگلی سے چاند کو شک کر دیا تھا۔ اسی سورہ میں اللہ تعالیٰ نہ فقط اس کی شہادت دیا ہے بلکہ اس کی طرف واضح اشارہ بھی کر رہا ہے کہ آخری گھڑی قریب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے یوم محشر کے اتنے قریب لے جایا گیا جتنا کہ ان دو اُنگلیوں کے درمیان کا فاصلہ ہے۔“ اور اللہ بہتر جانتا ہے، کیوں کہ اس نے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ ”وہ آپ سے آخری

گھڑی کے بارے میں سوال کریں گے کہ اُس کا مقررہ وقت کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اُس کا علم صرف میرے رب کو ہے۔ فقط وہی اس کا انکشاف کر سکتا ہے کہ اس کا واقعہ کب ہوگا۔ بے شک بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں، تم پر نہ آئے گی مگر اچانک؛ (الاعراف)

تو یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اور اُمتیوں پر متواتر زور دیتے رہے کہ وہ یوم آخر کو پیش نظر رکھیں۔ ایک حدیث شریفین ہے کہ: ”جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلامِ ایمان اور احسان کے بارے میں پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قُربِ قیامت کی نشانیوں کے بارے میں بھی بتایا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث چودہ سو سال پرانی ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج ہونے والے واقعات کی بڑی واضح اور صاف تصویر کشی فرمائی تھی ”... اور آپ دیکھیں گے کہ

تنگے پاؤں اور بد حال بدو چرواہے اونچی عمارتوں کی تعمیر کے مقابلہ میں حصہ لے رہے ہوں گے۔“

علمائے دین کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجد یعنی حجاز کے مشرقی علاقوں کے بدوؤں کا تذکرہ فرما رہے تھے، حین میں ریاض، دہران، دمام، الخبیر، اور خلیجی ریاستیں شامل ہیں۔

تیل کی دریافت سے پہلے نجد کے لوگ خیموں میں رہتے تھے، مگر تیل کی دولت ملنے کے بعد ان کی زندگیاں مکمل تبدیل ہو گئیں۔ صحرا میں تعمیر ہونے والی پہلی بلند ترین عمارت ریاض کی فیصلہ بلڈنگ ہے۔ جس کی اونچائی ۲۶۹ میٹر ہے۔ یہ اپریل ۲۰۰۰ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ پھر اسی جگہ پر سال ۲۰۰۳ء میں ایک اور بلڈنگ تعمیر ہوئی، یعنی ”دی کنگڈم سینٹر“ جس کی اونچائی ۳۰۰ میٹر ہے۔

اب نجد کے لوگ کے درمیان اونچی عمارتیں بنانے کا ایک مقابلہ ہے، اور اس طرح نئی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۲۰۰ سال پہلے کی حدیث سچی ثابت ہو رہی ہے۔ قریب قیامت کے وقت مصائب اور انعام بھی

بہت ہوں گے۔ وہ جو دین کے راستے پر ہوں گے، ان پر سخت دشواریاں آن پڑیں گی۔ ان مصائب میں صبر کرنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت میں اللہ کی طرف سے ان کے لئے بڑے انعام کا وعدہ فرمایا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ”ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب لوگوں کے لئے اپنے دین کو قائم رکھنا اتنا مشکل ہو گا جتنا کہ ہفتیلی پر جلتا ہوا انگارہ رکھنا“ اور ایسے لوگوں کے لئے جو انعامات ہیں، ان کے بارے میں ایک اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”انہیں ایک آسمانی کتاب دکھائی دے گی جس پر وہ یقین کریں گے مجھے دیکھے بغیر، اس کے ظاہر ہونے کے دوران۔ یہ انہیں اوراق کی صورت میں ملے گی۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا انعام بہترین ہے“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ میری امت اپنے سے اگلی قوموں کے طور طریقے اختیار نہیں کریں گے، مکمل طور سے“۔ پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم، حتیٰ کہ اہل فارس یارومیوں کی طرح، فرمایا کہ
اُن کے علاوہ اور کون ہوگا؟“

اس حدیث مبارکہ میں رومیوں سے مراد اہل مغرب
اور اہل فارس سے مراد مشرقی اقوام ہیں۔ کیا آپ دیکھ
نہیں رہے ہیں کہ پوری دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ مغرب
کے لوگوں کی ہر طرح سے نقالی کی جا رہی ہے، اُن کے فیشنز
میں، ان کے لباس میں، ان کی ثقافت میں، ان کے
نظریات میں اور ان کی اقدار میں۔

اگر آپ سب لوگوں میں ممتاز رہنا چاہتے ہیں،
تو آپ جتنی ممکن ہو مغرب کی نقالی کی کوشش کریں۔
آج کل مرد و خواتین کے آزادانہ مخلوط اجتماعات ہوتے
ہیں۔ بدکاری ہر جگہ عام ہے۔ مسلمان مرد بلا جھجک ریشم
کا استعمال کر رہے ہیں، اس طرح جیسے کہ یہ ممنوع ہی
نہیں ہے۔

بہت سے مسلمانوں نے، اب شراب اور ڈرگز
جیسی منشیات کو اختیار کیا ہوا ہے۔ وہ سنگیت کے رسیا
ہو گئے ہیں جو خواہشات کو ابھارتی ہے۔ جو اب ایک عالمی
منظہر بن چکی ہے۔ آج مسلمان اس طرز حیات کے پیچھے

بیچھے سر کے بل دوڑے جا رہے ہیں۔ اپنی اسلامی اقتدار کو پس پشت ڈالتے ہوئے۔ اور یہ وقت کے خانے کی واضح ترین نشانی ہے۔

• اُمت کے آخری ایام میں علم، بالخصوص دینی علم میں کمی آئے گی۔ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا، تو انہوں نے فرمایا: کیا میں آپ کو ایک ایسی حدیث کے بارے میں بتاؤں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، جسے میرے بعد کوئی نہ سنا سکے گا؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا:

”بے شک آخری ایام کی علامات میں یہ نشانی بھی شامل ہوگی کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہالت عام ہوگی، شراب نوشی ہوگی، زنا و بدکاری ہر جگہ ہوگی۔ مردوں کی شرح اموات بڑھ جائے گی اور عورتوں کی تعداد اتنی بڑھی گی کہ پچاس عورتوں سے کسی کفالت (یا پاسداری) ایک مرد کرے گا۔“

آپ سب جانتے ہیں کہ ماضی میں مسلمانوں کی تعلیمی نصاب میں حصولِ رزق کے لئے پیشہ وارانہ علوم کے علاوہ قرآن و حدیث اور شریعت کی تعلیم بھی شامل تھی۔ لیکن بدقسمتی سے آج کل اُس تعلیم پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے، جس کے ذریعے سے زندگی کی بہترین آسائشیں مل سکیں۔ جب کہ دینی تعلیم کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی ہے۔ اور بعض صورتوں میں تو اس کا وجود ہی نہیں رہا۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی نکتہ نگاہ سے یہ تعلیم نہیں جہالت کا پھیلاؤ ہے۔

● وقت کا شکرانہ :

فرمایا رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخری دور میں زمان بہت سُکڑ جائے گا۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ: ”بے شک آخری ایام کی نشانیوں میں یہ بھی ہے کہ وقت سُکڑ جائے گا، علم میں کمی ہوگی، اشیاء کی قلت اور کجوسی عام ہوگی۔ نئی نئی بیماریاں ظاہر ہوں گی اور بہت حرج ہوگا،“ لوگوں نے پوچھا ”یا رسول اللہ! حرج کیا ہے؟“ فرمایا: ”خونریزی“

کشت و خون

اس حدیث کی تفسیر یوں ہو سکتی ہے کہ سفر اور ریل و رسائل کو اتنی ترقی ملے گی کہ ان پر وقت کم صرف ہوگا، اور اس طرح فاصلاتی فرق کم ہو جائے گا۔ پرانے زمانے میں اگر کسی کو چند میل کے فاصلے پر موجود کسی گاؤں میں جانا ہوتا تو اُسے گدھے کی سواری کے ذریعے کئی گھنٹے درکار ہوتے، یا پھر پورا دن اُسے پیدل چلنا پڑتا تھا۔ اب اس فاصلے کو طے کرنے کے لئے مشکل پانچ منٹ درکار ہوتے ہیں۔

جوں جوں آخری ایام قریب تر ہوتے جائیں گے، وقت زیادہ سے زیادہ سکرٹا جائے گا۔ ایک سال کا سفر ایک ماہ میں پورا ہوتا ہے۔ بھاپ میں چلنے والے جہاز کی ایجاد سے ایک سال کا سفر ایک ماہ میں طے ہونے لگا۔ ریل گاڑی، کار گاڑی اور ہوائی جہاز کی ایجاد سے وقت مزید سکرٹ گیا۔ ایک ماہ سے ایک ہفتہ، ایک ہفتہ سے ایک دن اور ایک دن سے ایک گھنٹہ ہو گیا۔ آج کل چین سے حجاز تک کے سفر میں چند گھنٹے ہی لگتے ہیں۔

عالموں کی جگہ جاہل رہنا:

حدیث شریف میں ہے کہ: "اللہ عالموں کے دلوں سے علم کو نہیں اٹھائے گا، لیکن وہ عالموں کو اٹھائے گا" (یعنی وہ مر جائیں گے)۔ ان کی جگہ لینے کے لئے کوئی عالم باقی نہیں رہیں گے۔ اس لئے لوگ انتہائی جاہل رہناؤں کو اپنائیں گے، ان سے سوال پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے جاری کریں گے۔ وہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

بدقسمتی یہ ہے کہ آج کل کے اسلامی رہنما مسجدوں کو جاہِ ہدایت بنانے کی بجائے ان میں دنیاوی معاملات پر بحث کرتے ہیں۔ چاہے وہ سیاسی معاملات ہوں یا چندہ وغیرہ کے۔ چوں کہ اسلامی تعلیمات اس کی صحیح روح کے ساتھ نہیں دی جائیں گی، اس لئے بہ رہنما رہنمائی کے لئے نااہل ہیں، اور ان میں سے بیشتر اپنی انا اور خواہشات کے پیش نظر بات کرتے ہیں۔

قرآن کھلا ہے :

یہ حدیث کہتی ہے کہ قرآن بڑے پیمانے پر موجود ہوگا، بہت زیادہ پڑھا جائے گا، مگر اس پر عمل کم ہی ہوگا۔ آزمائشیں ہوں گی، جن میں بڑی رفومات اکٹھی ہوں گی۔ اور قرآن کو کھولا جائے گا اس حد تک کہ اسے مومن اور کافروں پڑھیں گے۔ مرد اور عورتیں، جوان اور بوڑھے، سب پڑھیں گے۔

ایک شخص اُسے پڑھے گا اور پکار اُٹھے گا: میری کوئی پیروی نہیں کر رہا، اس لئے وہ اپنے گھر چلا جاتا ہے اور مسجد کی طرح ایک کمرہ بنائے گا۔ پھر وہ دین میں ایسی چیزوں کا اضافہ کرے گا جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں اور نہ ہی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ہیں۔ ایسی چیزوں سے خبردار رہیے جن کی یہ اختراء کرتے ہیں کیوں کہ یہ گمراہی ہے۔

آج کل بالکل یہی ہو رہا ہے بڑے پیمانے پر قرآن کے ہزاروں ترجمے ہر ایک کتاب کی دکان پر ہر زبان میں موجود ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم سب اُسے پڑھتے ہیں۔ لیکن بغیر گہرے علم اور سمجھ کے۔ آج ہر آدمی اپنا اُستاد خود

ہے۔ اپنے خیالات پر زور دیتا ہے اور دوسروں کو رد کرتا ہے۔ اس طرح وہ وقت کے خاتمہ کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق عمل کر رہا ہے۔

● تشدد وسیع پیمانے پر :

• ایک وقت آئے گا جس میں کچھ لوگوں کو دوسروں پر غلبہ حاصل ہوگا جسے وہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کریں گے۔

اس حدیث کی ایک تشریح یہ ہے کہ حکمران خود کو اقتدار میں رکھنے کے لئے بڑے پیمانے پر تشدد اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں ملوث ہوں گے۔ لوگ اپنے منصوبوں پر قابض رہنے کے لئے ظالم بن جائیں گے۔ چاہے کوئی اخبار اٹھا کر دیکھیں حقیقت میں کوئی بھی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں وحشیانہ قتل خودکش حملوں اور نامعلوم فائرنگ کرنے والوں کو خبریں نہ چھپتی ہوں۔ کیا یہ نشانی ماضی کے مقابلے میں آج کل زیادہ واضح نہیں ہے؟

ایک اور حدیث جو ہمارے آج کل کے حالات

سے مطابقت رکھتی ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ: جہنم کے باسیوں میں دو قسم کے لوگ ہیں جن کو میں نے کہیں اور نہیں دیکھا ہے۔

پہلی قسم کے وہ لوگ ہوں گے جن کے ہاتھوں میں سیلوں کی دم جیسے کوڑے ہوں گے، جن سے وہ لوگوں کو پیٹیں گے۔ دوسری قسم ان عورتوں کی ہے جو لباس میں ہوتے ہوئے بھی ننگی ہیں۔ مستی میں جھومتی، لہراتی اور ناچتی ہوئی۔ ان کے سر اونٹوں کے کونوں کی طرح ہیں۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ انہیں تو اس کی خوشبو تک نہیں آئے گی۔ حالانکہ اس کی خوشبو بڑی دور تک پہنچتی ہے۔

چودہ سو سال پہلے کے لوگ تو آج کے اسٹائلز اور فیشن کا تصور تک نہیں کر سکتے ہوں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہوگا کہ کوئی لباس پہنے ہوئے ہو اور ایسے لگتا ہو گویا اس نے کچھ نہ پہنا ہو۔ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ لباس یا تو اتنا چست اور ضد و خال نمایاں کرنے والا ہو یا باریک ہو، جس سے جسم ظاہر نمایاں ہو۔

آپ ذرا اپنے اطراف نگاہ ڈالیں، تو آپ کو

خود احساس ہوگا کہ یہ حدیث شریف کتنی سچی ہے۔
 دوسری پیش گوئی یہ ہے کہ مسلمان، اجنبی مسلمانوں کو
 سلام نہیں کریں گے۔ وہ تو صرف ان کو سلام کریں گے
 جنہیں وہ جانتے ہوں۔

بے شک وقت کے قریب آنے پر سلام صرف
 جاننے والوں کو پیش کیا جائے گا۔ تجارت اور کاروبار
 بڑھے گا۔ یہاں تک کہ پیسہ کمانے کی خاطر بیوی اپنے
 خاوند کی مدد کرے گی۔ خاندانی رشتے ٹوٹیں گے۔ جھوٹی
 گواہیاں ہوں گی۔ سچائی چھپائی جائے گی۔ اور تسلیم کی
 اہمیت بڑھ جائے گی۔

اس حدیث پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں
 میں اتحاد اور بھائی چارے کا فقدان ہوگا اور لوگ
 دنیاوی دولت کے پیچھے اس قدر پڑ جائیں گے کہ ہر
 ایک بس کمانے میں لگا ہوگا۔ اس طرح خاندانی رشتے
 گھٹتے جائیں گے۔ ہر طرف جھوٹ اور فریب کا راج ہو
 گا، اور علم، یعنی دنیاوی علم کی ہر طرف یلغار ہوگی۔
 انٹرنیٹ کے ذریعے۔

اے امتِ محمدی! کیا آپ نہیں دیکھ سکتے کہ

حصنہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے زمانے کے ایک ایک لمحے، ایک ایک لحظے کی کتنی سچائی سے پیش گوئی کی ہے :

کیا آپ میں سے کسی کو بھی اس پر شک ہے کہ آپ سب واقعی وقت کے خاتمے کے دور میں رہ رہے ہیں؛ وہ وقت جو بڑی تیزی سے اپنی تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ وقت کہ جب لمحوں لمحوں اور گھنٹوں میں کوئی فرق نہیں۔ وہ وقت کہ جب بہت جلد، بلکہ آپ کے گمان سے بھی جلد تر آپ کو دجال کے ظہور کی نشانیوں دکھائی دینی شروع ہوں گی۔ کیا اب بھی آپ کو آنکھیں کھلی رکھنے کے لئے مزید جھنجھوڑنے کی ضرورت ہے؟

اے اُمّتِ محمدی! اب وقت آ گیا ہے کہ مزید وقت ضائع کئے بغیر اللہ سے پناہ مانگیں اور اس سے ہدایت طلب کریں۔ کیوں کہ وقت کے خاتمے کی بربریت سے صرف وہی لوگ بچائے جاسکتے ہیں جو اللہ کی امان میں ہیں۔

اے اُمّتِ محمدی!

میری دُعا ہے کہ اللہ حشر والے دن ہمیں اپنے
 حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت سے محروم نہ رکھ۔
 ہمیں ہمیشہ اُن پاکباز لوگوں کی صحبت عطا کر جنہیں
 تیری رضا حاصل ہے۔ جس طرح تو نے ہمیں یہاں
 اُمتِ محمدی میں ہونے کا اعزاز بخشا ہے، اسی
 طرح ہمیں حشر والے دن بھی اُن کی قربت عطا فرما۔
 ہمیں اپنا غلام بنا اور اس غلامی میں ہمیں خوش رکھ۔
 ہمیں ایمان کے ساتھ زندگی عطا فرما اور ایمان کی
 حالت میں موت نصیب فرما۔

آمین!



۲۶ جولائی ۲۰۱۰ء

باب (۱۲۵)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو ذاتِ بے
نیاز اور ذاتِ عالی شان ہے۔ بجز کرم و عنایت اور تمام
دلوں کا رکھوالا ہے۔

دُرود و سلامِ نبیٰ محترم پر جو اللہ کے حبیب ہیں جنہیں
وہ اونچا مقام عطا ہوا ہے، جہاں کوئی بھی مخلوق کبھی بھی
نہیں پہنچ سکتی۔ جو اپنی اُمت کے غم خوار اور مونس
ہیں۔

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ کے لئے اور
آپ کے گھرانوں کے لئے۔ سلامتی ان سب خوبصورت
دلوں کے لئے جو یہاں جمع ہیں اور جو ہمیشہ یہاں بے حد
عزت اور تعظیم کے ساتھ موجود ہیں۔

کیا آپ کبھی محبت کو ناپ سکتے ہیں۔ کیا آپ
کسی کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں آپ سے اس قدر محبت

کرتا ہوں، اور پھر کیا آپ اس محبت کو ناپ سکتے ہیں۔
 اگر آپ اپنے ارد گرد نظر ڈالیں تو آپ کو ہر چیز کی
 ایک حد نظر آئے گی۔

”حد سے مراد ایک خانہ“ جس کا مطلب ہے کہ
 ساری چیزیں نپٹی ہیں۔ اگر آپ زمین کی پیمائش کرنے
 کی کوشش کرتے ہیں، تو ایسا ہو سکتا ہے۔ آپ یہ بھی
 اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہوا کی کتنی مقدار اور پانی کا کتنا
 ذخیرہ موجود ہے۔

ہر چیز کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے سوائے محبت
 کے، جسے کسی صورت ناپا تو لانا نہیں جاسکتا۔ کیا کوئی
 آپ کو بتا سکتا ہے کہ ایک ماں اپنے بچے سے کس قدر
 پیار کرتی ہے۔ ایک ماں اپنے بچے کے آرام و دیکھ
 بھال کے لئے کس حد تک جاسکتی ہے۔ ایک ماں کی
 محبت کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں ہوتی، اس کی محبت
 اصلی اور سچی ہوتی ہے۔ وہ خود بھوکا رہ کر اپنے بچے
 کو غذا کھلاتی ہے۔ وہ پہلے اپنے بچے کو لباس پہناتی
 ہے اور اس کے بعد اپنی ضرورت کے بارے میں سوچتی
 ہے۔ جب وہ سردی محسوس کرتی ہے تو وہ سب

سے پہلا کام جو کرے گی وہ اپنے بچے کو کمبل فراہم کرے
 گی، اس کے بعد اپنے بچے کے بارے میں سوچے گی۔
 کیا کوئی کسی ماں کی محبت کو ناپ سکتا ہے؟
 یہ دراصل ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ایک باپ کا
 پیار بھی اصلی اور بے انتہا ہے۔ وہ دن رات اپنے
 گھرانے کے لئے جھگ دوڑ میں لگا رہتا ہے۔ اگر وہ
 خود پڑھا لکھا نہیں ہے، تو وہ اپنے بچوں کو علم فراہم
 کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کے
 آرام کے لئے سختیوں اور کوششوں سے دریغ نہیں کرتا۔
 بچوں کے درمیان ہونے والی محبت بھی خوبصورت
 ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ معمولی باتوں پر آپس میں اُلجھتے
 ہوں لیکن اگر کوئی غیر ان کے بھائیوں یا بہنوں کے بارے
 میں کچھ کہے تو وہ اسے برداشت نہیں کرتے۔ وہ ہر
 وقت ایک دوسرے کے لئے آمادہ رہتے ہیں۔ بچپن
 سے لے کر آخری سالس تک۔ بڑی عمر میں چاہے وہ
 ایک دوسرے سے کتنی دُور کیوں نہ رہتے ہوں لیکن
 ان کی چاہت کبھی ختم نہیں ہوتی۔
 اسی طرح کئی دوسرے قسم کی مختلف محبتیں بھی ہوتی

ہیں کسی اُستاد کی اپنے طلباء کے لئے محبت، ایک مُرشد کی اپنے مُریدوں سے محبت، محبت کی مختلف اقسام کی حد بھی مقرر نہیں کر سکتے، اس کی مختلف صورتیں ہیں اور کچھ تو ایسی بھی ہو سکتی ہیں جن کا آپ کو احساس بھی نہیں۔ انسان اور جانور کے درمیان محبت ہو سکتی ہے۔ انسان اور قدرت کے درمیان بھی محبت ہو سکتی ہے۔ اور یقیناً انسان اور اس کے خالق کے درمیان کی محبت ہے۔

جب آپ لفظ محبت کہتے ہیں تو اس کا مطلب وہ محبت جو آلودگیوں اور ذاتی غرض سے پاک محبت ہے۔ یہ محبت کی اصلی صورت ہے، کیوں کہ یہ سچی محبت ہے۔ آپ کسی سبب کے بغیر محبت کرتے ہیں، کیونکہ اگر محبت کسی سبب کا باعث ہے، تو اس سبب کے خاتمے پر وہ محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

محبت کا اظہار کئی طرح سے کیا جاتا ہے۔ آپ اس کا اظہار اپنے پیارے کی دیکھ بھال سے کرتے ہیں۔ نیک نیتی کے ساتھ اپنا آرام و آسائش اس کے لئے قربان کرتے ہوئے اپنی دُنیا اور اپنی ذات کو اس پر چھپا کر دیتے

ہوئے۔ جیسے جیسے محبت کا یہ جذبہ بڑھے گا تو آپ کا آنا
 آپ کے محبوب کا آرام بن جائے گا۔ آپ کی خوشی آپ
 کے محبوب کی خوشی بن جائے گی۔ آپ اسے آسانی سے
 اس وقت سمجھ سکتے ہیں، جب آپ ایک ماں کی محبت
 کو دیکھیں گے۔ جب اس کا بچہ خوش ہے تو وہ بھی خوش
 ہوتی ہے۔ جب بچہ ادا اس ہو تو وہ بھی ادا اس ہو جاتی
 ہے، وہ اپنا تمام آرام و خوشی ترک کرتی ہے، اگر اس
 کا بچہ بے آرام ہو۔

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے شب و
 روز یہ سوچتے ہوئے گزارتی ہے کہ کس طرح وہ اپنے بچے
 کو زیادہ محبت اور آرام دے سکتی ہے۔ اسے بہترین
 بننے دیکھنا چاہتی ہے اور وہ اس خواہش کی تکمیل کے
 لئے سب کچھ کرتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بچے کے لئے اس
 ماں کی محبت مکمل بے غرضانہ ہے، چاہے یہ بچہ اس
 بدلے میں کچھ نہیں دیتا ہو۔ لیکن وہ اسے پیار کرتی رہے
 گی۔ یہ دنیاوی محبت ہے یعنی وہ محبت جو دنیا میں
 ایک دوسرے سے کی جاتی ہے۔ یہ محبت درحقیقت

اپنی مخلوقات کے لئے اللہ کی رحمت ہے۔

اللہ کی محبت ہمیشہ اصلی ہوتی ہے۔ تو پھر ظاہر ہے کہ یہ محبت جو اس دنیا میں موجود ہے، یہ بھی اپنی اصلی صورت میں آتی ہے۔ یہ انسان خود ہیں جو اس محبت کو اپنی خود غرضی سے آلودہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کی نسبت اللہ سے ہے تو پھر آپ کو شش کریں گے کہ آپ کی محبت میں کوئی بد نہی نہ ہو اور یہ ان لوگوں کے لئے پاک اور اصلی حالت میں رہے جنہیں آپ پیار کرتے ہیں۔ جب دنیاوی محبت میں اتنی شدت اور خوبصورتی ہے تو ذرا سوچئے اللہ کی محبت کی شدت اور حسن کا کیا عالم ہوگا۔ ایسا کوئی لفظ نہیں جو اس کو بیان کر سکے، یا کوئی ایسی زبان نہیں جو اس کی تعریف کر سکے۔ یا کوئی ایسا آلہ نہیں جو اسے ناپ سکے۔ اللہ کی محبت ہی محبت کی اصل صورت ہے، یہ کسی سبب یا غرض کے بغیر ہے۔

اللہ صمد ہے، یعنی بے نیاز ہے اسے کسی کی ضرورت نہیں اور نہ ہی وہ کسی شخص یا چیز کا محتاج ہے، اسکی محبت بے لوث ہے۔ وہ ہر ایک کو عطا کرتا ہے، وہ عطا کرنے میں منسرق نہیں کرتا۔ یہ نعمتیں جو آپ دنیا میں دیکھتے ہیں، یہ سب

کے لئے ہیں، چاہے وہ مومن ہوں یا کافر۔
 کیا کبھی اللہ نے یہ کہا ہے کہ تازہ ہوا صرف
 مومنوں کے لئے ہے۔ اور کافروں کا اس میں کوئی حصہ
 نہیں ہے۔ اپنے اطراف نگاہ ڈالیں جب ہر ایک
 سوکراٹھتا ہے تو سورج کی کرنیں اس کا استقبال کرتی ہیں۔
 قطع نظر اس کے کہ وہ کون ہے۔

جب کوئی بھوکا ہوتا ہے تو اللہ یہ تخصیص کر کے
 نہیں کہتا کہ اگر یہ شخص غیر مسلم ہے، تو اسے کھانا نہیں
 دیا جائے گا اور صرف اللہ کو ماننے والوں کو کھلایا
 جائے گا۔

کیا آپ ان نعمتوں کا شمار کر سکتے ہیں جو آپ میں
 سے ہر ایک کے لئے ہیں؟ کیا آپ نے کبھی وقت نکال
 کر اللہ کی رحمتوں کے بارے میں سوچا ہے، اس کی
 نشانیوں کے بارے میں سوچا ہے۔ ذرا باہر نکل کر دیکھیں
 کہ آسمان کتنا بے عیب ہے۔ اور اللہ نے اسے کس
 طرح سورج چاند اور ستاروں سے سجایا ہے۔

اس دنیا میں موجود ہر ایک مخلوق کا ایک مقصد
 و مراد ہے۔ وہ نہ فقط ایک دوسرے کی مدد کرتے

ہیں۔ بلکہ وہ ایک دوسرے کے وجود کے لئے بھی لازم
و ملزوم ہیں۔

ایک پودا جب نکل آتا ہے تو وہ چوپایوں
کے لئے غذا بن جاتا ہے۔ چوپائے پھر انسانوں اور
دوسرے جانوروں کے لئے غذا کا ذریعہ بنتے ہیں۔
اسی طرح انسانوں کو بھی اس دنیا کو اللہ کی دوسری
مخلوقات کے لئے ایک آرام دہ جگہ بنانی چاہیے۔

اللہ نے ہر ایک کو دوسرے کے لئے سہارا اور
آرام کا ذریعہ بنایا ہے۔ اللہ کا نظام کسی کو محروم نہیں
رکھتا لیکن بدقسمتی سے یہ انسان کی طمع ہے جو اس نظام
کو غیر متوازن کرتی رہتی ہے۔

ہم اللہ کی محبت کی بات کر رہے تھے، یہ کیسے ہو
سکتا ہے کہ یہ کافروں کے لئے بھی ہے۔ وہ اس کا
لطف کیوں اٹھائیں جب کہ ان کے پاس ایمان نہیں
ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ انصاف و عدل
کرنے والا ہے۔ اس کے انصاف کی کوئی مثل نہیں۔
یہی وجہ ہے کہ ان سب کو اس دنیا میں نوازا جا رہا ہے۔
اگر اس نے سب کو پیدا کیا ہے تو پھر کیوں نہ

انہیں عطا کرے۔ اس کی نعمتیں سب پر یکساں برسائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ صرف اہل ایمان ہی ہیں جو اُن سے کو دیکھتے ہیں، اور اس کے لئے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے تو باقیوں کو تو ان نعمتوں کا احساس تک نہیں ہوتا اور اگر احساس ہوتا بھی ہو تو ان کا بہرہ (گریڈ) اپنے جھوٹے خداؤں کی نظر کرتے ہیں۔

اللہ کا عدل کہتا ہے کہ جب اللہ سب کو عطا کرنے کے بارے میں انصاف کرتا ہے تو آپ کا بھی فرض ہے کہ آپ ان نعمتوں کا اقرار کریں اور اپنے اللہ کے شکر گزار رہیں۔ وہ لوگ جو ایسا نہیں کرتے انہیں بھی اللہ کی فیاضی کمتر نہیں دے گی، لیکن انہیں سے یہ نعمتیں فقط اس دنیا میں ہی دی جائیں گی۔

کافروں کو ان نعمتوں کا حصہ اسی دنیا میں دیا جاتا ہے۔ اور ان کے لئے آخرت کی زندگی میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ بھی اللہ کا عدل ہے۔ کیوں کہ اللہ نے ہر ایک کو اپنے اللہ کے جاننے کا موقع دیا تھا۔ ہر ایک کو اللہ کی راہ کی طرف جانے کی ہدایت کی گئی تھی۔ حق کا پیغام تو روزِ ازل سے ہی واضح تھا۔ لیکن اگر دل بند ہوں اور

آنکھیں دیکھنے پر آمادہ نہ ہوں، تو پھر یہ کس کی غلطی ہے؟
 جب وہ اس دنیا کے ہنگامے کا حصہ بننا چاہتے ہیں،
 اور پیغامِ حق کو خود ہی نظر انداز کرنا چاہتے ہیں، تو پھر یہ
 کس کا قصور ہے؟

اللہ تو آپ سب کو ماؤں سے ستر گنا زیادہ محبت
 کرتا ہے۔ کیا آپ اس محبت کو محدود کر سکتے ہیں۔ اس
 کی اس محبت کو جو آپ سب کے لئے ہے۔ اس کی
 اس محبت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور اس کا اندازہ
 آپ ان نعمتوں سے لگا سکتے ہیں جو اللہ نے آپ میں
 سے ہر ایک پر نچھاور کی ہیں۔

کیا آپ اس خوبصورت ترین نعمت کو ناپ سکتے
 ہیں جو اللہ نے اس دنیا کو عطا فرمائی ہیں۔ اللہ نے
 آپ میں سے ہر ایک کو اپنا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم
 عطا کر دیا ہے۔ اس کا دار و مدار آپ کے اپنے دل کی
 کیفیت پر ہے کہ آپ اس نعمت کا کتنا احترام کرتے
 ہیں۔ اس پورے جہاں میں اللہ کے خزانوں میں اس
 سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔

جنت میں قربِ الہی کے بعد یہ قربِ محمدی

ہے، جس کے لئے جنتی ترپا کریں گے، وہ دن رات اس
 قُرب کے لئے ترسیں گے۔ اور جب یہ انہیں عطا ہوگا،
 تو وہ دن ان کے لئے عید کے اور راتیں شبِ برات کی ہوں گی۔
 لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ آپ اس کے لئے اتنا
 لمبا انتظار کریں، اس کی قربت تو اب بھی موجود ہے۔ یہ
 ہمیشہ سے تھی اور اس کے چاہنے والوں کے لئے، اس کے
 عاشقین کے لئے ہمیشہ رہے گی۔ بس اپنے دل کو اس
 دُنیا سے ہٹائیے۔ اس دنیا کی فضول خواہشات سے خالی
 کریں، اس پر سے تکبر کے سیاہ دھبوں کو کھڑچ ڈالیں۔
 اس کو دل کی بیماریوں سے بچائیں، اور اپنے دل کو ذکر
 اللہ اور ذکرِ محمدؐ کا مسکن بنا لیں۔

پھر انتظار کر کے دکھیں کہ لطفِ انتظار کس طرح
 آنا شروع ہوگا۔ ان ایک ہستی کی جانب سے جو رحمت
 اللعالمین ہیں۔ مصباحِ المقربین ہیں۔ اور جو اپنے عاشقین
 کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ جب آپ اللہ کے محبوب
 صلی اللہ علیہ وسلم سے کرم و عطا وصول کرنا شروع کریں
 گے، تو سمجھ لیں کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے اپنی خوبورتیاں
 آپ پر برسائی ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہی اللہ کی نعمتوں کے تقسیم کرنے والے ہیں۔ بے شک
 آپ انہیں سب سے زیادہ فیاض پائیں گے۔ یہی وہ
 ہستی ہیں جنہوں نے دنیا کو سچی محبت کے بارے میں اللہ
 کے بارے میں، رب واحد کے بارے میں بتایا تھا۔

انہوں نے اپنا ہر لمحہ ہر لحظہ اپنی اُمت کو اللہ کی
 محبت کے اسباق سکھانے میں صرف کیا ہے۔ اور بلا
 شبہ انہوں نے یہ کام بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔

اگر آپ اللہ کی نعمتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ
 اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں۔ اور اگر آپ رب
 دو جہاں اور اس کے محبوبِ عظیم کے عشق کو دیکھنا چاہتے
 ہیں تو ذرا ان نعمتوں کو ذہن میں لائیے جو اُس نے اپنے
 محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو عطا کی ہیں۔

آج کی رات بھی ایک ایسی ہی رات ہے۔ نعمتوں
 کی رات، رحمتوں کی رات اور عطا کی رات، یہ شبِ برات
 کی رات ہے، اسے لیلۃ المبارک بھی کہتے ہیں۔ یعنی
 برکت والی رات، یہ ایک مبارک رات ہے۔ کیوں کہ
 اس رات میں اللہ کی رحمتیں، برکتیں، خیر اور مغفرت
 تقسیم ہوتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”نصف شعبان
 میں اللہ تعالیٰ سب سے نچلے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔
 اور سوائے مشرکین، وہ لوگ جن کے دلوں میں کینہ ہے،
 جہنوں نے اپنے عزیزوں سے قطع تعلق کیا ہے۔ اور
 وہ جو سیاہ کار ہیں۔ وہ سب کو معاف فرماتا ہے۔“
 حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ
 ”نصف شعبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی خاموشی
 سے باہر نکل گئے۔ جب میں نے انہیں پایا تو انہوں
 نے مجھ سے فرمایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا؛ یہ کون سی رات ہے۔ میں
 نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی
 باخوبی واقف ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ
 نصف شعبان کی رات ہے۔ اس رات میں دنیا کے
 اعمال، بندوں کے اعمال اوپر اٹھائے جلتے ہیں اللہ
 تعالیٰ اس رات بنی قلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد
 میں لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتے ہیں۔ تو کیا آج کی رات
 مجھے عبادت کی آزادی دیتی ہو۔ میں نے عرض کی ضرور۔“
 پھر آپ نے نماز پڑھی۔ قیام میں تحفیف کی سورہ
 فاتحہ اور ایک چھوٹی سی سورت پڑھی۔ پھر آدھی رات تک

سجدے میں رہے پھر کھڑے ہو کر دوسری رکعت پڑھی۔ اور پہلی رکعت کی طرح اس رکعت میں بھی قرأت فرمائی، پھر آپ سجدے میں چلے گئے۔ یہ سجدہ فجر تک رہا۔ میں دیکھتی رہی۔ پھر جب میرا انتظار طویل ہو گیا تو میں آپ کے قریب پہنچی اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں کو چھوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرکت فرمائی۔ میں نے خود سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی حالت میں یہ الفاظ ادا فرما رہے تھے:

”الہی تیرے عذاب سے، تیری عفو و بخشش کی پناہ میں آتا ہوں، تیرے قہر سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں۔ تجھ سے ہی پناہ چاہتا ہوں۔ تیری ذات بزرگ ہے، میں تیری شایانِ شانِ ثناء بیان نہیں کر سکتا۔ تو ہی آپ اپنی ثناء کر سکتا ہے اور کوئی نہیں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نصف شعبان میں اگلے سال کے امور کو طے فرماتا ہے۔ کچھ لوگ جو زندہ ہیں ان کے نام مرنے والوں میں

شامل کئے جاتے ہیں۔ اور جو لوگ حج کے لئے جائیں گے ان کے نام بھی لکھے جاتے ہیں۔ ان ناموں کے لکھے جانے کے بعد اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نصف شعبان میں حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف دیکھیں۔ میں نے ان سے پوچھا یہ کون سی رات ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ رات ہے کہ جس میں اللہ اپنی رحمت کے تین سو دروازوں کو کھول دیتا ہے۔ اور وہ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے شرک کیا، جو جادوگر، کاہن، سود خور، زانی، عادی شرابی ہیں، باقی سب کو معاف فرماتا ہے۔ اللہ ان کو اس وقت تک معاف نہیں کرتا، جب تک وہ توبہ نہیں کرتے۔“

جب رات ایک چوتھائی بیت گئی تو حضرت جبریل علیہ السلام دوبارہ آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوپر آسمان کی طرف دیکھئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسا ہی کیا۔ پھر فرشتے نے کہا کیا آپ

نے دیکھا کہ جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ پہلے دروازے کا فرشتہ کہہ رہا ہے خوش خبری ہو ان لوگوں کو جنہوں نے اس رات میں رکوع کیا۔ دوسرے دروازے کا فرشتہ کہہ رہا ہے بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس رات میں سجدہ کیا۔ پھر تیسرے دروازے کا فرشتہ کہہ رہا ہے خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس رات میں دُعا مانگی۔

پھر چوتھے دروازے پر ایک اور فرشتہ پکار رہا تھا، بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس رات کے دوران ذکر کیا اور پانچویں دروازے کا فرشتہ کہہ رہا تھا خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے خوفِ اللہ میں گریہ کیا۔ پھر چھٹے دروازے پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا۔ بشارت ہے تمام مسلمانوں کے لئے۔ پھر ساتویں دروازے پر ایک اور فرشتہ کہہ رہا تھا ہے کوئی اور مانگنے والا تاکہ اس کی طلب پوری کی جائے آٹھویں دروازے پر ایک اور فرشتہ کہہ رہا تھا، ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا تاکہ اُسے معاف کیا جاسکے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا،

کہ یہ دروازے کب تک کھلے رہیں گے؛ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ اول شب سے طلوع فجر تک۔ پھر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس رات میں جو لوگ دوزخ سے رہائی پائیں گے، ان کی تعداد بنی قلب کی بکریوں کے بالوں کے برابر ہے۔ اے اُمّتِ محمدی! اس حسین رات کی خوبصورتیوں سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ رات جو سبحانی رات ہے۔ آپ کے اللہ کی نعمتوں کی رات ہے۔ یہ رات اُمّتِ محمدی کے لئے ایک تحفہ ہے۔ اس لئے اپنے رب کے آگے کھڑے ہو جائیے، ایک پاک دل کے ساتھ، ایک سچی محبت کے ساتھ اور پھر خود کو اس کے حوالے کیجئے پھر دیکھئے وہ کس طرح آپ کو اپنے انعام سے، اپنے نور سے اور اپنی تجلی سے نوازتا ہے۔

پھر آپ حقیقی طور سے جانیں گے کہ اللہ کی بے حساب محبت کے کیا معنی ہیں۔

اے اُمّتِ محمدی!

اللہ اپنے دل کی گہرائی سے آپ سب سے بے حد محبت کرتا ہے۔ آمین!

۲۹ جولائی ۲۰۱۰ء

باب (۱۲۶)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو اپنے عاشقوں کے لئے مکمل محبت اور کامل رحمت ہے۔ جس کی شان کی کوئی حد نہیں اور جو تمام دلوں کا مالک ہے۔
درود و سلام، سلطانِ جہاں پر، جو اللہ کے محبوب عبد ہیں اور جن کا ایک ایک لمحہ اللہ کے عشق میں لبر ہوتا ہے۔

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو ان تمام افضلی، عارفی اور نور یوں کے لئے، جو یہاں اپنے پیارے مرشد کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے موجود ہیں۔ جو خود بھی آپ سب سے اپنے دل کی گہرائی سے محبت کرتے ہیں۔

محبت ایک بڑا میٹھا جذبہ ہے، مٹھاس اور

سُورج سے بھر پور۔ یہ واحد جذبہ ہے جو پوری دُنیا کو اپنے محور پر گھما رہا ہے۔ سیاروں کو سُورج کے مدار میں، سُورج کو کہکشانوں کے مدار میں اور کہکشانوں کو کائنات کے مدار میں گردش دیتے ہوئے۔

اگر عشق کا وجود نہ ہوتا، تو یہ زمین نہ ہوتی، یہ چاند، سُورج، کہکشاؤں، یا یہ کائنات کچھ بھی نہ ہوتا۔ عشق و محبت ہے۔ وہ نرم و لطیف احساس جو دل کو نرم تر و گداز کرتا ہے۔ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں دل کی سختی غائب ہو جاتی ہے۔ زندگی کا جبر کچھ قابل برداشت ہو جاتا ہے اور محبوب کا جمال جینے کا بنیادی مقصد بن جاتا ہے۔

یہ سُورج بے وجود ہو جائیں گے، ستاروں کے روشنی مانند پڑ جائے گی اور آسمانوں کے سینے چاک ہو جائیں گے۔ یہی وہ وقت ہو گا جب تمام جاندار مَر جائیں گے۔ اور وہ سب کچھ مٹ جائے گا جہنیں تخلیق کیا گیا ہو۔ سب کا وجود ختم ہو جائے گا۔ سب کچھ سوائے عشق کے، جس کا وجود کبھی بھی ختم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ عشق اللہ کی طرف سے ہے۔ عشق ازل سے

تھا اور ابد تک رہے گا۔ کوئی بھی دوسرا جذبہ عشق سے بڑھ کر طاقت ور نہیں ہے۔ ایک شاعر کا کہنا ہے :

زاہدوں میں ہوں نہ رندوں میں نہ مے خواروں میں ہوں
 بے خود ہر دو جہاں ہوں، تیرے سرشاروں میں ہوں
 بے خودی ہے، محبت کا نہ پوچھو حال کچھ
 بے خبر ظاہر میں ہوں، باطن میں ہوشیاروں میں ہوں
 یہ اشعار ایک سچے عاشق کا صحیح عکاس ہیں۔
 جب عشق عاشق کی آنکھوں میں ڈوب جاتا ہے، تو
 پھر ان آنکھوں میں فقط جلوہ جاناں ہی نظر آتا ہے۔
 پھر اس کے شب و روز محبت کی خوشبو میں لبر ہو جاتے
 ہیں۔ اور اس کے بعد کسی چیز کی پروا نہیں رہتی۔ اس
 کی پروا نہیں کہ دنیا کیا کہہ رہی ہے، یا زندگی کتنی
 مشکل ہے۔

جس واحد شے کی فکر رہتی ہے، وہ محبوب کا
 دل ہے۔ جو دنیا کی سب سے قیمتی چیز بن جاتا ہے۔
 سیاہ کار تھے، با وفا ہو گئے ہم !
 تیرے عشق میں کیا سے کیا ہو گئے ہم

زندگی بہت مشکل ہے۔ یہ واقعی بہت مشکل ہے۔ کسی کو بھی دوسرے کی مشکلات کا احساس نہیں ہو سکتا۔ جب آپ راہ گزار ہستی پر چلتے ہیں تو رکاوٹیں اور مشکلیں سائے کی طرح آپ کا پیچھا کرتی ہیں۔ کوئی بھی ان کو اکیلے برداشت نہیں کر سکتا۔

اگر آپ دنیا میں خود کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو ایک ایسے سہارے کی ضرورت ہے جو آپ کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھامے اور آپ کا مشکلات میں ساتھ دے۔ اکثر لوگ یہی کرتے ہیں کہ وہ اس ہاتھ کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور جو اس دنیا میں لوگوں کو سہارا دے سکتے ہیں۔

اللہ کے طریقے بڑے خوبصورت ہیں۔ اس نے تمام انسانوں کو جیون سائنسیوں، بچوں یا دوستوں کے ذریعے تسکین فراہم کی ہے، یہ آپ کے دنیاوی سہارے ہیں۔ اس تسکین کے ساتھ ایک شرط لگی ہوئی ہے اور وہ ہے بے لوثی۔ اگر آپ کسی کے ہاتھ کو محض اس لئے تھامے ہوئے ہیں کہ اس کے پیچھے آپ کا کوئی مقصد ہے، کوئی غرض ہے، تو پھر ایسا رشتہ

اُس غرض سے آلودہ ہو جاتا ہے۔

ایک بار مطلب پورا ہو گیا تو ہاتھ تھامنے کو
وجہ ختم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ تعلق طبیعت پر گراں
گزرتا ہے۔ لیکن اگر یہ رشتہ خالص محبت کی بنیاد پر
قائم ہے، تو پھر وہ محبت اس تعلق کو دوام بخشتی
ہے۔

جو بھی محبت اس دنیا میں موجود ہے، یعنی
پاک اور سچی محبت، وہی درحقیقت مقدس محبت
ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی شریک
حیات، اپنی اولاد، اپنے احباب سے خلوص نیت
اور دل سے محبت کرتا ہے۔ تو پھر یقیناً اس کی توفیق
اُسے اس کے اللہ ہی نے دی ہے۔

اخلاص اللہ کو پسند ہے۔ آپ خود مشاہدہ کر
سکتے ہیں کہ تازہ ہوا اور گیسوں بھری آلودہ ہوا میں
کیا فرق ہے۔ کیا آپ آلودہ پانی پر پاک صاف
پانی کو ترجیح نہیں دیں گے؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ
خالص سونا کتنا چمکدار ہوتا ہے اس سونے سے جس
میں سلاوٹ کی گٹی ہو۔

اسی طرح جو دل پاک و صاف ہے اس کی کوئی
 مثل نہیں ہے۔ ایک پاک و صاف دل کا واقعہ
 کوئی مقابلہ نہیں۔ ایک پاک دل کے کئی مظاہر
 ہیں۔ یہ ہر وقت دوسروں کے لئے جذبہ خیر رکھتا
 ہے، یہ مہربان ہوتا ہے، یہ نرم ہوتا ہے، یہ دوسروں
 کی تکلیف کو آسانی سے محسوس کرتا ہے اور محبت کرتا
 ہے۔ یہ محبت و راصل ایک نعمت ہے جو یہ دل اپنے
 رب سے، اپنے اللہ سے براہ راست وصول کرتا
 ہے۔ یہ نعمتیں نور کی صورت میں، ہدایت کی صورت
 میں، سکون کی صورت میں اور خوشی کی صورت میں
 ہوتی ہیں۔ ایسے دل امنوں ہیں اور آج کل نایاب
 ہیں۔ لیکن ایک بار جو یہ آپ کو مل جائے، تو آپ
 اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیں گے، کھودینا نہیں چاہیں گے۔
 یہ دوسروں کو اپنی طرف اس طرح کھینچتا ہے،
 جیسے مقناطیس لوہے کو، جیسے پھول شہد کی مکھیوں کو یا جیسے
 پانی مچھلی کو۔ ایسے دلوں کے مالک و راصل بڑے مقدس
 لوگ ہیں۔ یہ اللہ کے ولی ہیں جو اس دنیا میں سب کے
 لئے موجود ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آپ کو پیسے کی ضرورت ہے، دوستوں کی محبت درکار ہے۔ آپ کو اپنی صحت کی ضرورت ہے۔ آپ کو سہی درکار ہے۔ آپ میں سے اکثر کو وہ شے درکار ہے جو فقط وہی دیتا ہے، الوہی کرم کا زندہ وجود۔ ولی الوہی کرم کا زندہ وجود ہے۔ ان کا ہر ایک عمل اور ہر ایک لفظ حق کی عکاسی کرتا ہے ابدی حق کی وہ جو آغاز سے ہی موجود تھا اور جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

ایک ولی دُنیا کو محبت کی لطافتوں، اُسکی لذتوں، اس کی مدہوشیوں اور اس کی گہرائیوں سے آشنا کرتا ہے۔ ولی پہلے خود بحر الہی میں غوطہ لگاتا ہے، پھر ان سب کو ساتھ لے جاتا ہے جو اس کے قریب اور ارد گرد ہوتے ہیں۔ وہ ہر وقت اپنے اللہ کے لطف و کرم میں نثر لور رہتا ہے۔ اور پھر یہ لطف و کرم بڑی فراخ دلی سے پوری دُنیا پر چھڑکا جاتا ہے۔

ایک ولی اللہ کی عطا اور انعام کو بلا تفریق تقسیم کرتا ہے۔ لیکن اس کا انحصار ہر ایک کے دل کی حالت پر ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو کس قدر جذب کر سکتا ہے۔

یا وہ کس حد تک خود کو اُن سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔
تجویدِ لطفِ یار کی لذت میں کیا کہوں
شکوے تمام شکر کے عنوان ہو گئے

وہ کون سی شے ہے جو ایک ولی کو دوسرے
لوگوں سے ممتاز کرتی ہے؛ ایسا کیوں ہے کہ ایک شخص
جو اپنے ظاہرِ خدو و حال میں دوسروں کی طرح نظر آتا ہے۔
اُسے اللہ کا دوست کہا جاتا ہے؛ آج کی دنیا میں لوگ
اپنے مذہب کے اصل مفہوم کو بھول چکے ہیں۔ وہ بہت
مصروف ہو چکے ہیں۔ شاید اتنے زیادہ مصروف کہ اُن
کو اپنی بھلائی کا بھی خیال نہیں۔

یہ تیز رفتار زندگی، جھبٹ پٹ کھانا، تیز دوستانہ،
تیز رفتار تفریح اور صرف آج کے لئے جینے کا دور ہے۔
لوگ ہر وقت عجلت میں ہیں۔ ایسا نہیں کہ لوگ اپنے
دین پر عمل نہیں کرتے۔ بات صرف یہ ہے کہ ان کے
پاس دین کی تفصیلات جاننے اور اس کی گہرائی میں
جانے کا وقت نہیں ہے۔

ایک ولی کا دل دنیا سے کبھی پریشان نہیں
ہوتا۔ وہ اسی دنیا میں رہتا ہے، وہ اسی دنیا کے

باسیوں کے ساتھ رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی
 شے اس کے دل کی کیفیت کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ یہ وہ
 شخص ہے جو لوگوں کو ہر چیز اور سب کچھ دے سکتا ہے،
 سوائے اپنے دل کے۔

یہ دل صرف اس کے محبوب کے لئے ہے۔ یعنی
 اس کے اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے
 لئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی اتنی رکھوالی کرتا ہے،
 وہ اس کی، ہر قسم کے وسوسے اور شیطان کے وار سے
 حفاظت کرتا ہے۔ وہ تکبر کی گھاس پھونس کو اکھاڑتا
 رہتا ہے۔ اور دنیا کے اس سونے کے پھندے کے خلاف
 ہر پیکار رہتا ہے۔ جو ہر اس شخص کو چھانسنے پر تیار ہے
 جو اس سے بچنے کے لئے پوری طرح مستعد نہیں ہے۔
 ولی کی ایک اور خوبصورت نشانی ہے جو اس
 میں نمایاں نظر آتی ہے، اور وہ ہے اس کے پیارے نبی کا
 عکس۔ یہ عکس اتنا نمایاں ہے کہ یہ دلوں کو مسحور کرتا ہے۔
 ”صوفی“ کی تشریح کیا ہے؟ فنائے رسول۔ فنا
 کے معنی نیست ہونا، نابود ہونا۔ اور فنائے رسول کا مطلب
 اپنی ذات کو مٹا دینا، اپنی دنیا کو مٹا دینا تاکہ آپ کا محبوب رسول

صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہے۔ یہ ہے فنائے رسول اور
 یہ روحانیت میں بہت ہی بلند اور محترم مقام ہے۔
 ایک ایسے شخص کی مثال جو اپنی زندگی میں فنا
 رسول ہوں، وہ حضرت خواجہ شاہ محمد افضل رحمۃ اللہ
 علیہ سے بہتر اور کون ہو سکتے ہیں؟ ہمارے خوبصورت
 حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ کے مُرشد۔ فنا رسول کے معنی
 آپ کے ”میں“ کا وجود نہیں ہے۔ یعنی آپ کا دنیاوی
 وجود ہے ہی نہیں۔

آپ رسولِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں
 اس قدر ڈوب جاتے ہیں کہ آپ کی نظر میں باقی جملہ
 چیزیں بے وجود ہو جاتی ہیں۔ اب جو کچھ بھی آپ کہتے
 ہیں، یہ وہ الفاظ ہیں جو انبیاء کرام کے لب ہائے
 مبارک سے آتے ہیں۔ آپ کے تمام اعمال رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمالِ مبارک کا عکاس ہوتے ہیں۔
 اور آپ کی زندگی ایک اصلی غلام، یعنی غلامِ مصطفیٰ کی
 طرح بسر ہوگی۔

یہ ہیں ہمارے مُرشد، جو خوشبوئے مصطفیٰ ہیں۔
 جو عشقِ نبی میں مہمور ہیں۔ جو نورِ نبی میں ملفوف ہیں

اور جو ذاتِ نبی میں فنا ہیں۔ اُن کے دل کی نرمی، اُن کی آنکھوں سے مھلکتی تھی۔ اور ان کے الفاظ کے حُسن نے کئی دلوں اور کئی زندگیوں کو بدل ڈالا۔

یہ ہوتا ہے اُس شخص کے ساتھ جو فنا، رسول ہے۔ یعنی اُن کے وجود سے ایسا اثر اور ایسی کشش پھوٹتی ہے کہ لوگ بے اختیار اُن کے پیچھے چلے آتے ہیں۔ یہ دراصل محبت کی کشش ہے۔ لطف و عطا کی وہ بارش ہے، جو ہمارے مُرشد کو اُن کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا کرتی تھی، اور جسے اللہ کے یہ ولی بڑی فراخ دلی سے اُن لوگوں میں تقسیم کرتے تھے جو اُس وقت اُن کے قریب تھے۔ اور وہ لوگ بھی جو اُس وقت اُن کے اِرد گرد موجود ہیں۔

کائے کو دل اے عشق تیرے غم سے بچے گا
 اب ہم نہ بچیں گے، نہ یہ ہم سے بچے گا
 لے لیگی دل اُن کے رُخِ روشن کی تجلی
 بالفرض جو اُس گیسوئے پر خم سے بچے گا
 فنا، رسول وہ شخص ہے جن کا دل اُن کے محبوب
 کے دل کا عکاس ہے۔ ہے کوئی جو ایسے دل کی تشریح

کر کے؛ کیا کسی نے ایسا آتش فشاں دیکھا ہے جو ابھی
 زندہ ہے؛ بظاہر تو یہ ایک پہاڑ ہے۔ عالیشان اور
 ساکت۔ مگر اس پہاڑ کے باطن کا قصہ کچھ اور ہے۔
 اس چٹان کے اندر اور اس کے نیچے جو آگ اور تپش ہے
 وہ عموماً اس قسم کی ہے جسے قابو میں نہیں رکھا جاسکتا۔
 اس پہاڑ کا ظاہر اس کے باطن کی کیفیت کو
 چھپاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو کبھی کبھی اس میں سے
 نکلتا ہوا دھواں نظر آئے یا گڑ گڑاہٹ سنانی دے۔
 لیکن پھر بھی آپ یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس کے
 اندر کیا طوفان برپا ہے۔ ایسا ہی ہوتا ہے دل عاشقان کے
 ساتھ۔ یعنی ان کے ظاہر سے کوئی بھی ان کے باطن کا اندازہ
 نہیں لگا سکتا۔

اور ایسے دل پر کیا بنتی ہوگی جو ایک فنا خانے
 الرسول کا دل ہو؛ آپ اس سلگتے دل سے نکلتی ہوئی
 آپس سن سکتے ہیں۔ اس سے نکلتے ہوئے غبار کو دیکھ
 سکتے ہیں، مگر کوئی بھی اس آگ اور اس کی شدت کا
 اندازہ نہیں لگا سکتا جو اس کے اندر سلگ رہی ہے۔
 یہ ہمارے مرشد پر بالکل عیاں تھی۔ اس لئے

آپ نے فرمایا :

”فقیر اہل محبت ہے۔ فقیر کو عشق نور الہی سے

خلق کیا گیا۔ فقیرانِ چشت اہل بہشت انسانی قلب میں
اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی چنگاری
پھونک کر آتشِ عشق جلا دیتے ہیں۔ فقیر کی محبت ایک
درد ہے جس میں قرار نہیں، ایک لشر ہے جس میں
ہوش نہیں۔“

فقیر کی محبت جب قلب پر مقام اختیار کرتی ہے،

تو یہ مشاہدہ ہے فنا کا۔ جب نفس پر مقام کرتی ہے تو

یہ ایک لشر ہے۔ اور محبت جب رُوح پر مقام کرتی

ہے، تو یہ بقا ہے۔ محبتِ الہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم اور محبتِ فقیر ایک لطیف نور ہے۔ اور یہ نور قلب

کی بنیائی تیز کردیتا ہے۔ اور جس شخص کو یہ نور حاصل ہوتا

ہے، اُسے چشمِ باطن عطا ہوتا ہے اور وہ نورِ معرفت

سے اپنے رب کو دیکھتا ہے۔

جب کوئی انسان اپنے رب کو محبت سے یاد

کرتا ہے، تو اس کا رب بھی اُسے محبت سے یاد کرتا ہے

اللہ کو ایسے لوگ پسند ہیں جو شکر کرتے ہیں جو پریشانیوں

میں اپنی لغزشوں پر نگاہ رکھتے ہیں اور معبود کا گلہ شکوہ نہیں کرتے ہیں۔ اہل محبت پر شکر کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ جو شکر کرتے ہیں اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے۔ کبھی دنیا کھانے سے تکلیف محسوس نہ کرو، بلکہ منے جانب اللہ سمجھ کر راضی ہو جاؤ۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَكْلِيْفٌ دَفْعٌ هُوَ جَائِزٌ گئی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود صبر و شکر کا پیکر تھے تو پھر کیوں ایک فناء رسول مُرشد و لیسا ہی نہ ہوتے؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی خطرے کے بے خوف تھے اور زندگی کی مشکلات میں قوت کا ایک ستون تھے، تو پھر کیوں ایک فناء فی الرسول مُرشد و لیسا ہی نہ ہوتے؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مہربان، نرم خوا اور نہایت محبت کرنے والے تھے، تو پھر کیوں نہ ایک فناء فی الرسول مُرشد و لیسا ہی نہ ہوتے؟

اللہ کے عاشق، ہمارے مُرشد خوشبوئے مصطفیٰ ہیں۔ انہوں نے محبت کی لطافتیں اپنے مُرشد سے سیکھی تھیں۔ یہ ان کے آگے مکمل ادب اور کامل تسلیم تھے۔ اس تسلیم

نے آپ کو فنا فی المرشد کے مقام تک پہنچا دیا۔
 ایک شخص جو فنا فی المرشد ہو، تو اس کا دل
 ایک طوفانی سمندر کو عبور کرتا ہے جس کی اونچی لہریں
 اپنے محبوبِ جاناں کی تلاش میں اوپر کی طرف مچلتی
 ہوئی اٹھتی ہیں۔ پھر ایسے دلوں کی رکھوالی اللہ کے رسول
 عزیز جانِ جاناں فرماتے ہیں۔ فقط رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں کہ ”ایسے طوفانِ بدوشِ دل
 کا کیا علاج ہے۔ ایسے درد کے لئے کس دوا کی ضرورت
 ہے۔ اور وہ کون ہے جو انہیں یہ دوا تیار کر کے دے
 سکتا ہے؟“۔

فنا، رسول کی فنایت کا یہ دوسرا مقام ہے۔
 یعنی خود کو عشقِ رسول میں مٹا دینا۔ ان کی سنت کا مکمل
 ادب کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کامل
 اطاعت کے ساتھ سہرِ نیاز جھکا دینا۔ اس تسلیم نے ہمارے
 مرشدِ رحمتہ اللہ علیہ، خوشبوئے مصطفیٰ کو فنا فی الرسول
 کے رتبے تک بلند کیا۔

جب کوئی اس مقام پر پہنچتا ہے، تو اس کا دل
 عکسِ محدی بن جاتا ہے۔ اور یہ کیفیت مضبوط تر اور

زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ عاشق کی طلب اور پیاس
شدید سے شدید تر ہو جاتی ہے۔ اور یہ شدت ایسی
ہے کہ جیسے مولانا روم نے فرمایا:

”میں نشہ میں چور ہوں

ہاں، میں جانتا ہوں

مگر اس کے جلوے میں غرق

ہاں، اس کے دریائے شراب میں.....

یہ اس کی شیرینی ہے، اس کا گلشن ہے

جس نے مجھے غذا بخشی۔

میں یہاں بول رہا ہوں

مگر اس کی آواز سے۔“

یہی وہ وقت ہے کہ ایسے درد کا، ایسے طوفان

کا ایک ہی علاج ہے۔ یعنی خود کو اللہ کی ذات میں

مٹا دینا۔ یہ فنا فی اللہ کا مقام ہے۔ جہاں اللہ کے رو

بہ رو ادب اتنا کامل اور سپردگی اتنی مکمل ہے کہ باقی

ساری چیزیں بے وجود ہو جاتی ہیں۔ فقط ذاتِ اول

وآخر باقی رہتی ہے۔

فنا فی اللہ کی حالت انسانوں کو اس دنیا سے دور

لے جاتی ہے۔ یہ اُسے حَسُنِ حقیقی کے جمال میں مکمل طور سے جھکڑ لیتی ہے۔

اے اُمّتِ محمدی! ایک کامل ولی اس مقام پر رُکنا نہیں۔ ہمارے پیارے مُرشدِ رحمتہ اللہ علیہ، اللہ کے افضل، نُورِ بقاء باللہ بھی تھے۔ وہ بلند ترین مقام جہاں ذاتِ حق میں اپنی ذات کی تحلیل مکمل ہوتی ہے۔ لیکن اُس کے وجود وہ دنیا میں لوٹ کر آتا ہے تاکہ ہر ایک کو محبت کی حقیقت سکھا سکے۔

آپ اس کو ایسا شخص قرار دے سکتے ہیں کہ جب وہ بولتا ہے، تو الفاظ اللہ کے ہوتے ہیں، جب وہ دیکھتا ہے تو آنکھیں اللہ کی ہوتی ہیں۔ جب وہ کچھ کرتا ہے، تو ہاتھ اللہ کے ہوتے ہیں۔

اے اُمّتِ محمدی! یہ ہے وہ راہِ سلوک جس پر چل کر ہمارے مُرشدِ پاک، شاہِ محمد افضل، خوشبوئے مصطفیٰ، اللہ کے افضل نور، فنا فی المرشد، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ اور باقی باللہ تھے۔ بس ہمارے مرشد کے ہاتھ تھام لیں۔ کیوں کہ یہ وہ مشعل ہیں جو راہِ حق کو روشن رکھے ہوئے ہیں۔ اور یقیناً اس مشعل کا نور اللہ کے تمام عاشقین

کے دلوں کو منور کرتا رہے گا۔

• جہاں جاؤ، جہاں عشق میں اک شور برپا ہے
جدھر دیکھو، تمہارے حسن روز افزوں کا چرچا ہے

• بہت کچھ ضبطِ غم کے بعد نلے لب تک آتے ہیں
ہماری بیقراری کی شکایت ان کو بھی ہے !

• وہ ہنس دیتے ہیں اکثر دیکھ کر گرم نظر ٹھیکو
عرض یہ ہے کہ روشن ہم پہ سارا حال تیرا ہے !

اللہ کے محبوب ولی شاہ محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ کے
عرس مبارک پر اللہ کی طرف سے مبارک باد ہو، جن کی
افضلیت، عارفیت اور نوریت تا ابد جاری و ساری
رہیں گی۔

اے اُمّتِ محمدی! میری دعا ہے کہ اے اللہ
ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ رسول کی نعمتوں
سے بہرہ ور فرما۔ اے اللہ ہمیں اپنے اپنے مرشدین
کی نسبت کا اہل بنا۔ اے اللہ! ہمارے مرشدین کی
ارواحِ مقدسہ کو دائمی خوشی و انبساط میں رکھ۔ اے

اللہ! ہمارے مرشدین کی ہدایت یافتہ ارواح پر اپنی
 رحمتیں برسا، جن کی دی ہوئی تعلیم سے ہم مستفین بن ہوئے
 ہیں۔ اے اللہ! ہمارے مرشدین کے صدقے میں ہمیں
 دینِ اسلام پر استقامت عطا فرما۔ اور ہمارے دلوں کو
 وحدتِ الہی کے نور سے منور فرما۔

اے اللہ! ہم سب کو ایک نیک انجام نصیب
 فرما۔ ہماری دُعاؤں کو اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ
 وسلم اور ہمارے مرشدین کے صدقے میں اپنی بازگاہِ عالی
 میں قبول فرما۔

آمین!



۳ جولائی ۲۰۱۰ء

باب (۱۲۷)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو تمام نفوس کا مالک ہے۔ اور جس کی رحمت ان سب پر برسی ہے جو اس سے نسبت رکھتے ہیں۔ جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

درود و سلام ہوں رسولِ محترم پر، اس مخلص دل پر جسے سب سے محبت ہے اور اس محبت کی بارش ان سب پر برساتے ہیں، جو محبت کے معنی سے آشنا ہیں۔

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو ان باوفاؤں پر جو جانتے ہیں کہ رب حق کا پہلا سبق اپنے خالق کے ساتھ مکمل اور شدید وفا کے عملی اظہار سے شروع ہوتا ہے۔

کیا آپ کو کبھی اس بات پر خیرت ہوئی ہے کہ ہم عشق کے بارے میں اتنی بات کیوں کرتے ہیں۔ اس محبت

کے بارے میں جسے ہم دل کے لطیف معاملات قرار دیتے ہیں۔ یہی چیزان بیانات کو ان بیانات سے اتنا مختلف بناتی ہے جو آپ نے پہلے سُننے ہوں۔

اگر آپ ایک لمحے کے لئے سوچیں تو پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ محبت ہی وہ سبب ہے جس سے یہ کائنات چل رہی ہے۔ اگر محبت ہے تو چیزیں درست ہیں۔ ان کا عمل معمول کے مطابق ہوتا ہے لیکن اگر اس محبت کو علیحدہ کیا جائے تو پھر ہر چیز میں بگاڑ پیدا ہوگا۔

محبت وہ ایندھن ہے جو چیزوں کو آسانی اور بہارت سے چلاتی ہے۔ ذرا دنیا کی تصویر ذہن میں لائیے کیا ہوگا، اگر دنیا سے اس واحد جذبہ محبت کو اٹھالیں؟ ذرا غور تو فرمائیں کہ کیا ہوگا؟ اگر ماؤں کی ممتا کو اس جہاں سے اٹھالیا جائے؟ اس کے معنی یہ ہونے کہ پیدا ہونے پر بچوں کی دیکھ بھال نہیں ہوگی۔ وہ دودھ پائے گی اور ضرورت کے لئے روئیں گے، لیکن اس رونے کا اثر ماں پر نہیں پڑتا ہوگا۔

کیا آپ کو اندازہ ہے کہ کوئی بچہ ایسی حالت میں کتنے دن زندہ رہ سکتا ہے؟ کیا ہوگا اگر ایک باپ اپنے

بچوں سے محبت کرنا چھوڑ دیتا ہے، وہ کما بھی رہا ہوگا۔
مگر وہ اپنے بچوں پر خرچ کرنے سے گریز کرے گا۔ آپ اندازہ
لگا سکتے ہیں کہ یہ بچے کتنے بے سہارا ہوں گے؟

اگر انسانیت کے لئے دلوں سے محبت ختم ہو جائے
ہر شخص بس اپنے لئے جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ڈیڑھ
انچ کی مسجد میں رہے اور اگر اس کے ارد گرد کسی مصیبت
میں پھنسے ہوئے شخص کو تھوڑی سی مدد کی ضرورت ہو تو
پھر بھی اس کے دل پر اثر نہیں ہوگا۔

اگر انسانوں اور اللہ کی دیگر مخلوقات میں باہمی
محبت ہوگی تو دنیا کا نظام بڑی خوش اسلوبی سے چلے
گا۔ لیکن اگر دلوں میں یہ محبت کم ہو جائے تو پھر آپ
دیکھ سکیں گے کہ کتنی وحشیانہ تباہی آئے گی۔

درخت کاٹے جائیں گے، جنگل صفحہ ہستی سے
مٹا دیئے جائیں گے۔ حیوانوں کو ان کی کھال یا محض انسانی
خوشی کی خاطر مارا جائے گا۔

پانی کو آلودہ کیا جائے گا جس سے آبی حیات مر
جائے گی۔ صنعتی فضلہ سے ہوا آلودہ ہو جائے گی۔ اس
طرح زمین انسانی حیات کے لئے ایک مشکل جگہ بنے

جائے گی۔ یہ دنیا ایک بہت خوفناک جگہ بن جائے گی۔
 محض اس لئے کہ محبت سے خالی دل والے لوگ، کثیر
 آبادیوں کو تباہ کرنے والے بم بنانا شروع کریں گے۔ جو
 پوری دنیا کو چند لمحوں میں تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتے
 ہیں۔

تو آپ دیکھ سکتے ہیں کہ دنیا میں محبت کے ہونے
 یا نہ ہونے کے کیا اثرات ہوں گے۔ اب آپ اس بات
 پر اتفاق کریں گے کہ اس دنیا کو خوش اسلوبی سے چلانے
 کے لئے محبت ہی ایک انتہائی ممتاز اور خصوصی جذبہ
 ہے۔ یہ سبق تو اس وقت سے دیا جا رہا ہے کہ جب
 یہ دنیا پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔

نورِ محمدی کو جنم لینے ہی اللہ کی محبت کا تجربہ ہوا۔
 اس تجربے کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے جاہ
 و جلال کا، اس کی رحمانیت کا اور اس کی باقی تمام
 صفاتِ الہیہ کا تجربہ اور عرفان ہوا۔ نورِ محمدی تو خود ہی
 محبت سے تشکیل دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے
 اسی وقت اس جذبے کو پہچان لیا۔ جب اللہ نے نورِ
 محمدی سے باقی ماندہ کائنات کو پیدا کیا تو درحقیقت

اس نے یہ سب کچھ محبت ہی سے تخلیق کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک تخلیق نے پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس جذبہ کو پہچان کر قبول کیا تھا۔ حتیٰ کہ ابلیس بھی اس کے بارے میں جانتا ہے۔ لیکن آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے خلاف اس کا تکبر اور حسد تھا کہ اس نے اس جذبے کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔

تکبر پہلا منفی جذبہ تھا۔ جس کا تمام مخلوقات نے مشاہدہ کیا اور باقی تمام منفی جذبے اسی ایک تکبر کے جذبے کی پیداوار ہیں۔ تکبر بھی ایک طرح کی محبت ہے۔ مگر یہ محبت انسان خود سے یا اپنی ذات سے کم کرتا ہے۔ یہی تو اس کا مقصد ہے۔ یعنی ہر ایک آدمی اپنی محبت کا رخ اس کی طرف موڑے جس کے دل میں تکبر ہے۔ دوسرے لفظوں میں سوائے اپنی ذات کے کسی اور سے محبت نہ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ کی محبت سے نوازا گیا اور باقی تمام مخلوقات کو ان کی برتری کے علامت کے طور پر سجدہ کرنے کو کہا گیا۔ تو ابلیس کے تکبر نے اسے اس سے انکار کرنے کو کہا۔ وہ اس بات پر آمادہ نہ ہو سکا کہ کسی اور کو اس سے بڑھ کر محبت ملے۔ اس تکبر

کے باعث حسد نے جنم لیا۔ جو کہ دوسرا منفی جذبہ تھا جس کا دنیا نے مشاہدہ کیا۔ تو تکبرِ محبت کا مخالف اور دشمن ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ابلیس نے آدم علیہ السلام کو اس درخت کی طرف بہکا یا جو ان کے لئے ممنوع تھا۔ اور انہیں اس کا پھل کھانے پر مائل کیا۔ یہ دھوکا بھی ان کے دلوں میں سے پیدا ہوا جن میں تکبر کی بدی تھی۔ اور حضرت آدم علیہ السلام اپنی معصومیت کے باعث دھوکے میں آگئے۔

دنیا اچھی طرح جانتی ہے کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ کہ کس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو جنت چھوڑنے اور دنیا میں رہنے کو کہا گیا، کہ دنیا ان کا اور ان کے اولاد کا مسکن ہوگی۔ اس یومِ حساب تک جب اعمال تو لے جائیں گے۔ اور جزا و سزا کا تعین کیا جائے گا اگر آپ اس پر گہرائی سے غور کریں تو آپ کو احساس ہوگا کہ اس دنیا میں دو بنیادی قوتیں کام کر رہی ہیں مثبت قوت عشق اور منفی قوت تکبر ہے۔ باقی تمام مثبت جذبے عشق سے پھوٹتے ہیں اور تمام منفی جذبے تکبر سے پیدا

ہوتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کو اسلام کا پیغام دیا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ یہ بھی ایک ایسا موقع تھا جب عشقِ تکبر کے مقابل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حقیقی محبت کا یہ پیغام دیا تھا۔ لیکن وہ دل جو تکبر سے بھرے تھے، انہوں نے اس پیغام کو قبول نہ کیا۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ حقیقت سے آشنا نہ تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور امین تھے۔

وہ باخوبی جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو نہیں مانا۔ جہلا وہ دل اس کو کیسے قبول کر سکتے ہیں جو تکبر اور غرور سے پر ہوں۔

لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں، دعوتِ حقِ آخر کار اُن کے دلوں میں داخل ہو گئی اور سب نے اسلام کو قبول کرتے ہوئے سچ کی روشنی کو دیکھ لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تکبر کا منفی جذبہ کتنا ہی شدید نظر آئے یہ عشق ہی

ہے جو فتح یاب ہوتا ہے۔

صدیوں سے عشق کا یہی سبق ہے جو اللہ کے عاشق
ساری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ آپ اللہ کے کسی بھی ولی
کی تعلیمات پر نظر ڈالیں۔ آپ انہیں اللہ کے انبیاء اور
اللہ کے رسولوں کی تعلیمات سے کبھی مختلف نہیں پائیں گے۔
انہوں نے بھی اللہ کی واحدانیت کی تعلیم دی ہے۔ جو عشق
کا بنیادی منبع ہے۔ پھر انہوں نے عشق کو یہ کہتے ہوئے
پھیلا یا کہ ایک دوسرے سے محبت کرو، ساری مخلوقات
سے محبت کرو۔ یہ بہت آسان ہے۔ اگر آپ اسے
سمجھنا چاہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جمعہ کے خطابات میں عشق کے
بارے میں اتنا کچھ کہا جاتا ہے۔ عشق ہی سب کچھ ہے۔
سے کیوں عشق میں ابھی سے نہ ہو جائیں ہم فنا
کیا جانے کہ موت کب آتی ہے کب نہیں
یہ خوبصورت پیغام ابھی تو اصل عشق ہے۔

اگر آپ اس عشق کے معنی دوبارہ سمجھنے کی کوشش
کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو سکھائے
تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عشق آپ کے

معشوق کی ذات میں مکمل فنا ہونا ہے۔

عشق کا پہلا زینہ اپنے عاشق کو قبول کرنا ہے۔

جس کے معنی ہیں کہ فقط اس کا وجود ہے۔ پھر رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے سکھا یا کہ یہ قبولیت دو طرح سے ہوتی ہے۔

پہلا یہ کہ اپنا کلمہ طیبہ پڑھنا اور اس کے ہر ایک عمل پر

کامل عمل کرنا۔ پھر یہ قبولیت دوسرے طریقے سے بھی

نظاہر ہوتی ہے۔ جب آپ اپنے اللہ کے آگے نماز کے

لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

قبولیت کے بعد عشق کا دوسرا زینہ اپنے اللہ کے

آگے سر نیاز تسلیم کرنا، جس کے معنی ہیں کہ آپ صرف وہی

کریں گے جو اس نے آپ سے کرنے کو کہا ہے۔ اس کے

یہ بھی معنی ہیں کہ اب جو اس کی رضا ہے وہی آپ کی رضا

ہے۔ آپ نماز کے دوران حالت رکوع میں تسلیم کا مظاہرہ

کرتے ہیں جس کا مطلب ہے، جی ہاں میرے پروردگار

جو آپ کی رضا ہے وہ مجھے منظور ہے۔

یہ مقصد قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے سے بھی حاصل

ہوتا ہے اور اپنی زندگیوں میں اسے عملی طور سے نافذ

کر کے سنت کی اتباع کرتے ہوئے۔ یہ عشق کا دوسرا زینہ

ہے۔ تیسرا زمین یعنی آخری زمین مرٹ جاتا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ اب آپ کا وجود ختم ہو گیا۔ اب تو فقط وہ ہے۔ جس کا وجود ہے۔ یہ نماز کے دوران حالتِ سجدہ میں کیا جاتا ہے۔ جب آپ کی پیشانی زمین کو چھو لیتی ہے اور آپ کا وجود اس کے آگے ختم ہو جاتا ہے جو ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور بہتوں پر عذاب ثابت ہو چکا۔ اور جسے اللہ ذلیل کر دے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (سورۃ الحج سجدہ)۔ ازراہِ کرمِ محفل کے بعد سجدہ کیجئے، کیوں کہ یہ آیت سجدہ ہے۔ مٹا دینے کا یہ عمل عشق کی تکمیل کرتا ہے۔ اگر آپ نے ان تین زمیوں میں سے کسی ایک کو بھی طے نہیں کیا، آپ کا عشق کامل نہ ہو گا۔ مٹا دینے کا مطلب ہے کہ اب آپ کی ذات ذاتِ واحد میں تحلیل ہو گئی اور اللہ کے سوا کسی کا وجود نہیں۔ آپ کی دنیا آپ کا گھرانہ

آپ کا مال، آپ کی آل، آپ کی جان یعنی ہر چیز جو ختم ہو جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ صرف اس کا وجود ہے۔

یار کو ہم نے جا بجا دیکھا
کہیں ظاہر کہیں چھپا دیکھا
کہیں ممکن ہوا کہیں واجب
کہیں فانی کہیں بقا دیکھا
کہیں بھولا بھالا وہ کہہ کہ است
کہیں بندہ کہیں خدا دیکھا
کہیں بیگانہ وحشی نظر آیا
کہیں صورت سے آشنا دیکھا
کہیں وہ بادشاہ تخت نشین
کہیں کاسہ لئے گدا دیکھا
کہیں وہ درلباس معشوقاں
برسرِ ناز و ادا دیکھا
کہیں عشق نیاز کی صورت
سینہ بریاں و دل جلا دیکھا

یہ ہے وہ عشق کا سبق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے سکھایا اور یہی عشق کا سبق آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے تمام عاشقین نے، تمام ولیوں نے سکھایا۔ اور
 یہی سبق یعنی عشق کا سبق ہمارے مرشد حضرت افضل
 سرکار خوشبوئے مصطفیٰ، رحمۃ اللہ علیہ نے سکھایا۔
 مرشد پاک فرماتے ہیں کہ ”جسم اور عقل سے دنیاوی
 منزلیں طے ہوتی ہیں۔ اور روح اور قلب سے انسان
 معرفت کی راہیں طے کرتا ہے۔ انسان جسم قلب اور روح
 کی آزمائش کا ایک حسین امتزاج ہے۔ فقیر اپنے جسم کو دنیاوی
 کاموں میں مصروف رکھتا ہے۔ اپنے قلب کو اللہ کے
 ذکر میں بہر وقت مشغول رکھتا ہے۔ اور اپنی روح کو اللہ
 اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑے رکھتا ہے۔“
 انہوں نے فرمایا کہ ”اصل چیز ذکر ہے۔ اور اگر یہ
 اصل نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ ”اقیموا الصلوٰۃ
 لا ذکر“ یعنی قائم کر نماز میرے ذکر کے ساتھ۔ سمجھ کی بات
 ہے۔ نمازیں دو ہیں۔ ایک وقتی اور دوسری دائمی۔
 وقتی یہ ہے جو تم پڑھتے ہو۔ دائمی وہ ہے جو اس فقیر
 کی طرف سے اور رابعہ کے توسط سے آپ سب کو عطا
 ہے۔ آپ سوئے ہوئے ہوتے ہیں تو بھی اگر کسی کے پاس
 سماعت باطنی ہے، تو وہ سن سکتا ہے۔ اللہ اللہ اللہ“

اللہ فرماتا ہے کہ ”قائم کرنا ز میرے ذکر سے۔“
 پھر فرمایا میں کہیں نہیں سماتا مگر مومن کے دل میں کیوں؛
 اس لئے کہ خود کو سنتا ہے۔ مومن کے دل میں آواز کس کی
 آتی ہے، کون بولتا ہے اور کون سنتا ہے۔ اس لئے
 کہا گیا کہ :

کعب تعمیر خلیل است
 دل گزر گاہِ رب جلیل است
 اظہر کعبہ یک دل بہتر است
 دل بدست آواز کہ حج اکبر است
 یعنی کعبہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا،
 لیکن دل اللہ تعالیٰ کی گزر گاہ ہے۔ ہزار ہا کعبوں سے
 ایک دل بہتر ہے۔ اس لئے کہ ایک دل کو جیتنا حج
 اکبر کے برابر ہے۔

محبت کی گہرائی ہمارے مرشد پاک حضرت افضل
 سرکار رحمۃ اللہ علیہ بہت اچھی طرح جانتے تھے انہوں
 نے بڑی خوبصورتی سے اپنے روحی بچے بچوں کو محبت
 سکھائی۔

وہ فرماتے ہیں: ”جب تک حقیقتِ محمدیؐ

سے آگاہ نہیں ہوں گے، تب تک نشانِ محمدیؐ سے بھی واقف نہیں ہوں گے۔ پھر آپ کا ایمان بھی اس حدیث کے مطابق تکمیل نہیں پاسکتا۔“

حنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب تک تم اپنی اولاد، اپنے ماں باپ، ہر چیز سے زیادہ عزیز نہیں جانو گے، تمہارے ایمان کی تکمیل نہیں ہوگی۔ ایمان کیا چیز ہے۔ ایمان محبت ہے اور محبت کس سے، محبت حنور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔“

مرشدِ پاک صابر ثنائی عارف لائٹانی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جن بندوں پر رحم و کرم فرماتے ہیں، تو ان کے قلب کو جلوہ گاہ بناتے ہیں۔ اور ان کے قلوب پر اپنی تجلی فرماتے ہیں۔

تجلی کی دو حالتیں ہیں۔ ایک جلالی اور ایک جمالی۔ جمالی تجلی کے ساتھ محبت نصیب ہوتی ہے اور رب کی اس محبت کی پکار کا نام ذکر ہے۔ جلالی تجلی کے ساتھ دہشت اور خوف کی کیفیت وارد ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو بھی پسند فرماتے ہیں۔ اور وہ اپنی مراد کو پہنچ جاتے ہیں۔

تلاشِ حق میں جو نکلا وہ کھو گیا آخر
 خدا کو ڈھونڈنے والا اسی کا ہو گیا آخر
 ہر تجلی کا ایک رنگ ہے اور اس رنگ کی ایسی
 ایک حقیقت ہے، اور ایک کیفیت ہے۔ تجلیات کا
 نزول رب کی طرف سے اپنے بندے کے قلب و روح
 کی کیفیت کے مطابق ہوتا ہے۔ جب تجلیات انسانی
 قلب پر اثر انداز ہوتی ہیں تو قلب کی روشنی کی حالت
 بدلتی رہتی ہے۔

مرشدِ پاک فرماتے ہیں: ”کہ قلب کی اپنی حالت
 بالکل سفید براق ہے۔ پھر سخت سرخ، پھر گہرا سبز
 ہوتا ہے۔ اور پھر تجلیات کا نزول روح پر ہوتا ہے۔
 اور روح سے کام لیا جاتا ہے۔ پھر ایسا رنگ چڑھتا ہے
 کہ جس رنگ کی کوئی مثال نہیں۔ جوں جوں تجلیات
 تجلی گاہ پر پڑتی جاتی ہیں، توں توں قلب و روح حیات
 ابدی حاصل کرتے رہتے ہیں۔

اور جب قلب حقیقی زندگی حاصل کرتا ہے تو
 پھر روح کے آنے اور جانے کا پورا احساس ہوتا ہے۔
 تین چیزیں اگر سچی ہو جائیں تو دنیا بدل جائے۔ ایک

قیام، ایک رکوع اور ایک سجدہ۔“

کیا یہ وہی بات نہ تھی جو اس بیان کے شروع میں کہی گئی۔ یعنی عشق پہلے تو قبولیت پھر تسلیم ہے۔ اور اسی کی تکمیل ذات کو مٹا دینا ہے۔ مٹا دینے کا مطلب اس ہستی میں فنا ہونا جو بقلب ہے۔ یہ اس دریا کی مانند ہے جو اپنی بے قراری سے بے قابو ہے جا رہا ہے۔ یہ بہتا جائے گا، ایک لمحہ بھی رُکے بغیر۔ اس کی روانی اس قدر پر شوق اور مست ہے کہ اس کی راہ میں جو آتا ہے وہ اسے بہا کر لے جاتا ہے۔

دریا ہمیشہ سمندر میں جا کرتا ہے، اور سمندر ہمیشہ ہما ساگر سے جا ملتا ہے۔ دریا راہِ طریقت کے لوگ ہیں جو جب مستی کا ذائقہ چکھتے ہیں، تو پھر کوئی شے انہیں ان کے محبوب سے جدا نہیں کر سکتی۔

سمندر ولی اور مرشدین ہیں جو خود بھی جامِ عشق پیتے ہیں اور دوسروں کو بھی پلاتے ہیں۔ اور بحرِ مہا ساگر، وہ بحر ہے جس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہاء۔ جو تمام عاشقین کے لئے منزلِ عشق ہے۔

اے اُمّتِ محمدی! خود کو عشق کے زنگوں میں

رنگیے، رنگِ محمدی میں۔ کیوں کہ اس رنگ سے بڑھ کر زیادہ گہرا اور خوبصورت رنگ کوئی بھی نہیں ہے۔ بس ڈوب جائیے اس میں، اور ابد تک اسی حالت میں رہیے۔

کہتے ہیں جس کو عشق ہمارا ہی نام ہے
شور و فغاں کی اپنے یہاں دھوم دھا ہے
گر کھونک دیں جہاں کو تو کچھ عجب نہیں
میں آگ کا بھوکا ہوں میرا یہ کام ہے
ہوش و خرد سے ہم کو سروکار کچھ نہیں
ان دونوں صاحبوں کو ہمارا سلام ہے

اے اُمتِ محمدی! میری دُعا ہے کہ اللہ ہمیں ہمیشہ اپنے
ضکر اور یاد میں رکھے۔ ہمیں الوہی یاد کی لذت سے آشنا کیجئے۔
کیوں کہ اللہ ان کو یاد کرتا ہے، جو آپ کو یاد کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے
محبوبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہ کیجئے۔ ہماری زبانوں کو اپنے
اور اپنے محبوبِ نبی کے ذکرِ زیبائش عطا کر دیجئے۔ اپنی اور اپنے
محبوبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ہمارے دلوں کو منور فرما
دیجئے۔ ہمارے چہروں کو روشن اور دلوں کو پاک رکھیے۔ ہمیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ کا کارکن بنانے کے لائق بنا دیجئے۔

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم تلے جمع اپنے عاشقین میں
شامل کیجئے۔

ہماری خطاؤں پر پردہ ڈال دیجئے اور انہیں معاف فرما
دیجئے۔ ہمیں اپنے عدل کی نگاہ سے نہ دیکھئے، بلکہ ہمیں اپنی بخشش
سے نوازیئے۔ سارے مسلمان اور اہل ایمان کی نجات فرما۔ ہمارے
دلوں کو اپنی محبت میں ہمیشہ کے لئے یکجا کر۔

آمین



۶ اگست ۲۰۱۰ء

باب (۱۲۸)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس کی بزرگی پوری
کائنات پر محیط ہے۔ جو قادرِ مطلق ہے، جو ان تمام
چیزوں کا مالک ہے جو پیدا کی گئی ہیں۔ یا جو آئندہ کی
جائیں گی اور جس نے دنیا کو محبت کرنا سکھایا ہے۔
درود و سلام اُس نازک دل پر جو اپنے پیاروں
کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ جو شب و
روزان سب کے لئے دعاؤں میں مصروف ہے اور
جو اپنی امت کی ہدایت کے لئے دن رات مصروف
عمل ہیں۔

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے
لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی اس محفل کے
خوبصورت دل پر جو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے
دھیرے دھیرے محبت کی نراکتیں سیکھ رہے ہیں۔

اے اُمّتِ محمدی! آپ کو چاہیے کہ آپ اس ہستی سے علم حاصل کریں اور اس سے پڑھیں جو سب سے بہترین اُستاد ہیں۔ وہ واحد ہستی جو نامعلوم زمانے سے سکھا رہے ہیں اور جو ابد تک سکھاتے رہیں گے اور جو عشق و محبت کے اسباق سکھانے کے ماہر ہیں۔

اللہ کے ولی بہشتِ بریں کے باغوں کے مکین ہیں۔ وہ ان باغوں کے خوبصورت پھول ہیں۔ ان کے نام مختلف ہو سکتے ہیں، ان کی صورتیں الگ ہو سکتی ہیں۔ لیکن وہ سب ایک ہی ہیں۔ اور ان کا کام ایک ہی ہے۔ ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اللہ کی دلکشی و خوشبو کو اپنے اطراف پھیلائیں اور اس دنیا کو رہنے والی ایک آرام دہ جگہ بنائیں۔

ہو سکتا ہے کہ یہ ولی مختلف زبانیں بولتے ہوں یا وہ الگ الگ زمانوں میں پیدا ہوئے ہوں۔ یا وہ مختلف سرِ آلاپ رہے ہوں، لیکن ان کا لغز ہمیشہ محبت کا نغمہ ہے۔ ان کی شاعری میں ہمیشہ محبت کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اور ان کے رقصوں میں محبت کی تال ہوتی ہے۔ رقص عاشق کے دل کا خوبصورت اظہار ہے۔ اگر آپ

کے پاس ایک عاشق کی آنکھیں ہیں تو آپ آسانی سے
دیکھ سکتے ہیں کہ پوری کائنات ایک مسلسل تال میں
جھوم رہی ہے، یعنی ہمیشہ رقص میں۔

کیا آپ نے کبھی دیکھا ہے کہ ہوا کس طرح پتوں
اور درختوں کو ہلاتی ہے؟ اس میں شائبہ نہیں کہ ان
کے ہلکے جھومنے میں ایک تال ہے؟ کیا آپ نے کبھی
کسی شہد کی مکھی کو ایک پھول پر منڈلاتے دیکھا ہے؟
رقص کرتے اور اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کسی مور کو
فخر سے اپنے محبوب کے گرد ناچتے اور اپنی محبت کے حسن
کی نمائش کرتے دیکھا ہے؟ یا کسی پتنگے کو شمع کے گرد دیوانہ
وار چکر لگاتے دیکھا ہے؟ جو کہ اپنے محبوب کی محبت میں
جان نثار کرنے کو تیار ہوں۔ چکر لگانے کے اس عمل
میں بھی ایک تال ہے۔ ایک رقص ہے۔

ہر چیز ایک مسلسل حرکت میں ہے۔ ایک متواتر
رقص میں ہے۔ حتیٰ کہ زمین بھی سورج کے گرد دیوانہ
وار چکر لگا رہی ہے۔ اور سورج عالم مستی میں کہکشاں
کے گرد اور کہکشاں کائنات کے گرد گھوم رہی ہیں۔ وہ
سب لوگ جو محبت کے بارے میں جانتے ہیں اور جنہیں

محبت کا تجربہ ہوا ہے، وہ اس کو جانتے ہیں اور اس رقص کی لذت سے آشنا ہیں۔ اللہ کے عاشق رقص سے بخوبی آگاہ ہیں۔

رقص ایک حرکت ہے۔ اور حرکت صرف وہی کر سکتے ہیں جو زندہ ہیں۔ بھلا مردہ کس طرح حرکت کر سکتے ہیں؛ تو اس لئے جو دل زندہ ہیں وہ رقص کو جانتے ہیں۔ اور جو دل مردہ ہیں وہ اس سے محروم ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ دل زندہ ہے کیا؛ اور کیا چیز دل کو مار دیتی ہے؛ ایک زندہ دل وہ ہے جس میں اپنے محبوب کے لئے تڑپ موجود ہو۔ جو یادِ محبوب میں ہر وقت غلطاں ہو۔ جو ہجرِ یار میں سُسرُٹتا اور وصالِ یار میں کٹنا دہ ہو۔ جو ہر وقت حرکت میں ہو۔ تیر رہا ہو اور رقص میں ہو۔ جو اپنی توانائی اور غذا تصویرِ جاناں سے حاصل کرتا ہو۔ جو زندہ صرف اس لئے ہے کہ اس کا ایک محبوب ہے۔ اور جو جانتا ہے کہ محبوب کی خدمت میں اپنا نذرانہ کس طرح پیش کرے۔

یہی چیز دل کو پور زندگی عطا کرتی ہے۔ لیکن وہ دل جو اپنے آپ میں ہی مگن ہیں، جو اپنی ہی ذات

میں مست ہیں۔ وہ حرکت نہیں کر سکتے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دل عموماً لبِ دریا پر بیٹھتے ہیں۔ اور پانی میں صرف اپنا عکس دیکھتے ہیں ان کے سر اس طرح جھکے ہیں کہ ان کی آنکھیں سوائے اپنے چہرے کے کسی اور چیز کو دیکھ نہیں سکتیں۔ یہ ان کی اپنے آپ سے محبت ہے۔ ان کی محبت فقط ان کی واحد ذات ہے، ان کی انا ہے، ان کی ”میں“ ہے۔ ایسے دل کسی حرکت کا تجربہ نہیں کر سکتے۔ یہ حرکت کے لئے بہت ہی بے حس و بے جان ہیں اور رقص کے لئے بہت مردہ۔ رقص زندگی ہے۔ اور ایک زندگی جو محبت کے تجربے سے گزری ہو وہ رقص ہے۔ اور اگر وہ رقص دھمال ہے۔ اس محبت کے رنگ زیادہ گہرے زیادہ سُدر اور زیادہ نشہ آور ہو جاتے ہیں۔ دھمال بے خودی ہے۔ اور یہ لذتِ جاوداں ہے۔ اور یہ عشقِ شدید ہے، محبوب کے لئے شدید احساس ہے۔

یہ دل میں موجود تال سے شروع ہوتا ہے اور محبوب سے وصال ہونے پر ختم ہوتا ہے۔ دھمال وہ رقص ہے جو دنیا کے آگے شہزادہ سہون حضرت لعل

شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا۔ جو عشق حقیقی کے
سمندر میں غرق تھے اور کبھی کبھی اس سے باہر نہ آئے۔

راجہ، بہ رضا عشق خریدہ ام و مستم
رقصم و بانازنیں کہ براہِ حق ایم!
راجہ ہم نے خود اپنی خوشی اور رضا سے عشق
خریدا ہے، اور ہم اس میں مست ہیں۔ ہم ناز و
ادا کے ساتھ رقصم ہیں۔ کہ ہم اس راہ پر استقامت
کے ساتھ قائم ہیں۔

حضرت عثمان مروندی لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ
علیہ سال ۵۳۷ ہجری کو افغانستان کے مقام مروند میں
پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت سید کبیر بھی ایک ولی
کامل تھے۔ جو یہ چاہتے تھے کہ شادی کئے بنا ہی اپنے
ساری زندگی اللہ کے لئے وقف کر دیں۔

ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک
ایسی جگہ میں ہیں جو جمال الہی سے بھرپور ہے۔ سرسبز درختوں
اور مسحور کن پھولوں سے مالا مال۔ وہاں پھل وار درخت
اور خوبصورت پرندے تھے۔ جو اللہ کی حمد و ثناء میں

مشغول تھے۔ اور قریب ہی بہتا ہوا دریا تھا۔

حضرت کبیر رحمۃ اللہ علیہ مشغول زنگا ہوں سے یہ
نظارہ دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے سُرخ
پہرے والا بچہ نمودار ہوا۔ اور آپ سے کہنے لگا کہ اللہ مجھے
یہاں سے باہر نکالے۔ مگر حضرت کبیر رحمۃ اللہ علیہ مسکرا
دیئے۔ اور فرمایا: جنت میں رہنا باہر آنے سے افضل
ہے۔ جس کا مطلب تھا کہ جنت میں رہیں یہ بہتر ہے۔
جیسے ہی حضرت کبیر رحمۃ اللہ نے یہ الفاظ کہے بچہ غائب
ہوا اور آپ جاگ اُٹھے۔

کچھ دنوں بعد آپ نے پھر ویسا ہی خواب دیکھا۔
وہی لال چہرے والا بچہ کہہ رہا تھا، اسے بزرگوار اللہ مجھے
اس جگہ سے باہر لے جائیے۔ حضرت کبیر رحمۃ اللہ علیہ
نے اسی طریقے سے جواب دیا کہ: جنت میں رہنا باہر
آنے سے افضل ہے۔ لیکن اس بار بچہ خاموش نہ رہا بلکہ
جواب میں کہا: ”دنیا میں ظاہر ہونا بھی اچھا ہے۔ یہ سن
کر حضرت سید کبیر رحمۃ اللہ علیہ پھر جاگ اُٹھے۔

اس بار آپ پریشان ہوئے اور اس خواب کی تعبیر
جاننے کے لئے ایک بزرگ کے پاس تشریف لے گئے۔

آپ کو بتایا گیا کہ آپ کو شادی کر لینی چاہیے کیوں کہ یہ
آپ کا ہی بچہ ہے جو اس دنیا میں آنا چاہتا ہے۔

حضرت سید کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے شادی کے بارے
میں اپنا خیال بدل دیا اور جب ہرات کے بادشاہ کو
معلوم ہوا کہ یہ ولی شادی کرنا چاہتے ہیں، تو اس نے
اپنی بیٹی ان کے عقد میں دینے کی پیشکش کی جسے حضرت
کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے قبول کیا۔ اور اس طرح حضرت
لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔

آپ کا نصب حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ
علیہ سے جا ملتا ہے۔ آپ نے حضرت بابا ابراہیم کے
ہاتھ پر بیعت کی اور انہی کے زیر سایہ رہے۔ انہوں نے
لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو قلندری سلسلے میں داخل
کیا۔

وہ اللہ کے خوبصورت جوان جیسے کہ حضرت بابا
فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جلال الدین بخاری
جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مخدوم ذکریہ
ملتانى رحمۃ اللہ علیہ کے دوست تھے، جو ان کے کئی
سفروں میں ان کے ساتھ رہے۔

آپ کے لعل شہباز کہلانے کے بارے میں کئی روایتیں مشہور ہیں۔ آپ کو لعل اس لئے کہا جاتا ہے کہ لعل کے معنی سُرخ اور لعل ایک قیمتی پتھر کا بھی نام ہے۔ بے شک آپ اللہ کے جواہر میں سے ایک تھے۔ آپ کا پسندیدہ رنگ لعل تھا۔ اور آپ کی آنکھیں بھی سُرخ تھیں۔ ہمیشہ خمار اورستی میں لعل، شہباز آپ کے مُرشد کا عطا کردہ ایک لقب تھا۔ کیوں کہ انہوں نے اس شہباز میں محبت کی چھپی ہوئی بلندیاں دیکھتی تھی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے تین دوستوں کے ہمراہ سفر میں تھے کہ آپ کو اپنے ایک مُرید کی پُکار سُنائی دی۔ اس وقت وہ مُرید ایک عجیب مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔ اسے ایک جھوٹے الزام کے باعث موت کی سزا دینے کے لئے گھسیٹ کر لے جایا جا رہا تھا۔ اس نے بے بسی کے عالم میں مدد کے لئے اپنے مُرشد کو پُکارا۔ جب حضرت لعل شہباز قلندر نے یہ منظر اپنی رُو عانی آنکھوں سے دیکھا تو آپ نے اپنے دوستوں سے کہا، یعنی حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حبلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مخدوم بہاؤ الدین

ذکر یا ملتا فی رحمۃ اللہ علیہ، کہ وہ سفر جاری رکھیں جبکہ وہ ان سے کچھ دیر بعد ملیں گے۔

اس کے بعد آپ نے ہوا میں شہباز کی طرح ایک چھلانگ لگائی اور غائب ہو گئے۔ پھر اس جگہ ایک عجیب واقعہ ہوا، جس جگہ وہ مرید موجود تھا۔ نامعلوم سمت سے کالی آندھی نے سارے علاقے کو اپنے گھیرے میں لپیٹ لیا اور زبردست تاریکی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد جب آندھی رُکی تو وہ سپاہی جو مرید کو سزائے موت دینے کے لئے لے جا رہے تھے۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ قیدی کہیں نہیں تھا۔

دوسری جانب شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے دوستوں نے دیکھا کہ آپ ان کی طرف ایک اجنبی کے ساتھ آرہے ہیں۔ آپ دراصل اپنے مرید کو سپاہیوں سے چھڑا کر واپس لائے تھے۔

جب تینوں دوستوں کو پورے واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے بڑے پیار سے آپ کو شہباز پکارا۔ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ علیہ کافی عرصہ تک حضرت سید جمال شاہ مجیدؒ کی خدمت میں رہے جنہوں نے آپ

کی روحانی تربیت کی۔

اس کے بعد سہون کے ولی نے کئی سفر کئے اور کئی سال تک سخت ریاضت اور مجاہدے میں رہے۔ ساتویں صدی میں آپ سہون میں تشریف لائے جو حیدرآباد کے قریب ایک تاریخی جگہ تھی۔ یہ راجہ جرجی کا دور تھا جس میں ہر طرف ظلم و ناانصافی تھی۔ لوگ کئی قسم کی بدیوں میں مبتلا تھے اور کئی جھوٹے خداؤں کے پجاری تھے۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اس شہر میں دو وجوہات کی بنا پر داخل ہوئے تھے۔ ظاہری وجہ یہ تھی کہ آپ کے ایک مُرید کو بنا کسی خطا کے قید میں ڈالا گیا تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ اللہ کی مرضی تھی کہ آپ اس ظلمت و تاریکی میں جا کر دعوتِ حق کا فریضہ انجام دیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ حق دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے گا۔ حضرت لعل شہباز قلندر اور آپ کے درویش مُرید شہر کے اس حصے میں ٹھہرے جہاں دراصل طوائفوں کا محلہ تھا۔ یہ اس عظیم ولی کی روحانی کرامت تھی کہ ایک دن میں ہی یہ جگہ بغیر ظاہری سبب کے خالی ہو گئی۔

وہ لوگ جو اس سے پہلے اس علاقے میں بے
 فکری سے آتے جاتے تھے، خوف زدہ ہونے لگے حالانکہ
 وہ اس خوف کی وجہ نہیں جانتے تھے۔ جلد ہی راجہ کو
 اس عجیب واقعہ کا علم ہو گیا۔ اور اس نے اپنے سپاہیوں
 کو اس کی کھوج کے لئے وہاں بھیجا۔ عجیب تر بات یہ
 ہوئی کہ سپاہی ان درویشوں کے آگے ایک قدم بھی نہ اٹھا
 سکے اور مکمل بے بسی کے عالم میں واپس لوٹ آئے۔
 راجہ نے پھر اپنے وزیروں اور نجومیوں کو بلا یا تاکہ
 وہ اصل حقیقت کے بارے میں انہیں بتائیں، اس کی
 مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی، جب انہوں نے اس کو بتایا
 کہ یہ مسلمان درویش وہی ہیں جو اس کی حکومت کو
 واقعی تباہ کریں گے۔

راجہ نے ان درویشوں کے دل جیتنے کی بہت
 کوشش کی۔ سونے اور چاندی کی رشوت دے کر لیکن
 اللہ کے ان عاشقوں کے آگے جن کے پاس دولت حقیقی
 ہے۔ دنیا کی دولت سونے اور چاندی کی کیا حیثیت ہے۔
 اللہ کے مسرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً حکم
 دیا کہ اس سونے اور چاندی کو آگ میں ڈالا جائے، تاکہ

وہ جل کر خاکستر ہو جائے۔ جب باطل کے پاس حق کے آگے کھڑے ہونے کی کوئی امید نہیں ہوتی تو وہ ہمیشہ چالاک اور مکاری پر اتر آتا ہے۔

یہی بات نجومی نے راجہ کو کرنے کے لئے بتائی انہوں نے راجہ کو صلاح دی کہ اس اللہ کے عاشق پر فتح پانے کے لئے انہیں ایک ایسی چیز پیش کی جائے جس میں حرام ملا ہو۔ کیوں کہ روحانیت کے زور کو صرف حرام ہی توڑ سکتا ہے۔ تو اس لئے راجہ نے حرام جانور کا گوشت پکانے کا حکم دیا۔ یہ گوشت بڑے تھالوں میں سجا کر درویشوں کے آگے پیش کیا گیا۔ کیسا احمق تھا جو وہ سمجھتا تھا کہ جن کے پاس اللہ کی طاقت ہے انہیں ایسی بزدلانہ حرکتوں سے زیر کیا جا سکتا ہے۔

لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ بصیرت نے ایک لمحہ بھر میں ہی ان کی چال کو بھانپ لیا اور غصے میں آکر ان بڑے تھالوں کو گراتے ہوئے فرمایا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ کافی علمی نشانیاں دیکھ کر ایمان لائے گا مگر جس کی تقدیر میں ہلاکت اور بربادی لکھی ہے، اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں ٹال سکتا ہے۔

جیسے ہی تھاں فرش پر گرے زمین ہلنے اور لرزنے لگی، اور پورا سہون ایک ہلاکت خیز زلزلے کی زد میں آ گیا۔ جس نے جھوٹے خداؤں کی سلطنت ملیا میٹ کر دی۔

حضرت لعل شہباز رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے قلندر تھے۔ قلندر ایک رازِ دل ہے۔ ایک دل جو ہر وقت عشق کے شعلوں میں روشن ہے۔ شدید کرب اور شدید بے خودی میں مبتلا ایک رُوح۔ اور جیسے جیسے یہ شدت بڑھتی ہے۔ ویسے ویسے دھمال میں ایک قلندر کے پیروں کی رفتار بڑھتی ہے۔

”عشقِ دوست ہر ساعت درونِ ناریِ رقص
 گہے بر خاکِ می غلطم، گہے بر خارِ می رقصم!“
 ”دوست کے عشق میں میرے شب و روز کا ہر لمحہ اس طرح گزرتا ہے کہ میں آگ کے اندر رقص کرتا ہوں۔ میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ میں کبھی راکھ میں لوٹتا ہوں اور کبھی کانٹوں پر رقص کرتا ہوں!“
 یہ ہے اللہ کا قلندر، ایک پیکرِ حسن، خزانہ معرفت میں مالا مال، شب و حدت میں ڈوبا ہوا۔ اور جو ایک

مسلسل رقص کی حالت میں ہے۔ جب دھمال شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے دل جامِ عشق پیتا ہے۔ جب یہ جامِ عشق رُوح میں داخل ہوتا ہے تو یہ نشہ کو مکمل کیف وستی میں بدل دیتا ہے۔ اور جب رُوح مست ہو جاتی ہے، تو پاؤں ہلنا شروع کرتے ہیں۔ پوری دنیا کو اپنے تھاپوں کے نیچے کر کے۔

جب دنیا نیست و نابود ہو جاتی ہے تو پھر رُوح اٹھنا شروع ہوتی ہے۔ ہاتھوں کو اوپر آسمان کی طرف کھینچتی ہوئی۔ اس طرح جیسے کہ محبوب سے نیچے آنے کی درخواست کر رہی ہو۔

اور جب تصویرِ جاناں آنکھوں میں اُتر آتی ہے تو سرِ مستی میں جھومنا شروع ہوتا ہے۔ دنیا کو یہ بتاتے ہوئے کہ محبوب کے سوا کوئی بھی نہیں۔ اور جب نفی اثبات بدن کو سلامت کرتی ہے، تو پورا بدن دائرے میں گھومنا شروع کرتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، جب آپ کا مطلوب آپ کے سامنے ہو، جب پانی پیاسے کے آگے ہو جب حسنِ عاشق کے آگے ہو۔ جب قاتل مقتول کے سامنے ہو، جب خنجرِ جان سرِ خم کے سامنے ہو تو پھر عاشق کیوں

نہ رقص میں گھومے، تو پھر ساری دنیا کیوں نہ اس کے
ساتھ گھومے، تو پھر رقص کیوں نہ ہو۔ رقصِ بسمل جو
عاشقوں کا رقصِ انتہا ہے۔

بیا جاناں تماشا کن کہ درانبوہ جاں بازاں
بصد سامانِ رسوائی من سہر بازار می رقصم!
اے پیارے دلبر آجا، جانثاروں کا ہجوم موجود
ہے آ اور تماشا کر (اپنا دیدار کرام) میں رسوائی اور
بدنامی کے سیکڑوں سامان کے ساتھ سہر بازار ناچتا ہوں۔
تپش چوں حالت می آرد بروئی شعلہ می غلطم
خلش چوں لذتی بخش نہ نوک خاری رقصم
”تپش جو حالت مجھ پر وار کرتی ہے۔ میں اس
سے اور بھی شعلوں کی طرح تڑپتا اور مچلتا ہوں۔ اور خلش اور
چمبھن جب مجھے لذت بخش دیتی ہے تو میں تو کانٹوں
کی نوک کے نیچے بھی ناچتا ہوں۔“

جب تجلی آنکھوں کے سامنے ہو، جب شمشیر
برسنہ دل کو چاک چاک کر رہی ہو۔ جب ابدی سنگیت
اپنے خوبصورت مدھر سُر چھیڑ رہی ہو، تو پھر اللہ کا قلند
کس طرح بے حرکت رہ سکتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ

وہ خوشی اور مستی میں نہ آئے۔

اے امتِ محمدی! یہ رقص سیکھ لو، رقصِ قلندری، رقصِ شہبازی، رقصِ الہی۔ میری دعا ہے کہ پوری دنیا یہ رقص سیکھ لے۔ اس لئے کہ اس سے بڑھ کر کیا چیز زیادہ خوبصورت ہو سکتی ہے۔

بیابانِ مطرب و ساقی سماع و ذوقِ رادردہ
کہ من از شادئی وصلش قلندر واری رقصم
در آمطرب و ساقی آسماع و ذوق سے
مجھے نہال کر دے، میں اب اس کے
وصال کی خوشی میں قلندر کی مانند قلندرانہ
رقص کرتا ہوں؛



۱۳ اگست ۲۰۱۰ء

باب (۱۲۹)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو سلطان العلماءین
ہے، جو دیان ہے۔ اور جب دیتا ہے تو اس کی کوئی حد
نہیں۔ جس نے یہ زمین و فلک اور جو کچھ ان کے درمیان
ہے ان سب کو نور محمدی سے پیدا کیا۔ بے شک جو وہ
چاہے کر سکتا ہے۔

درود و سلام اللہ کے نور پر، اس کے محبوب رسول
پر، خاتم الانبیاء پر، وہ جو اپنے اللہ کے نور میں ملفون
ہیں، اپنے اللہ کی محبت میں۔ اس وقت سے جب
انہیں پہلی بار پیدا کیا گیا تھا۔ اور یہ نور آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کے ساتھ ابد تک رہے گا۔

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور
آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اس محفل میں
موجود ان تمام دلوں پر جو اپنے اللہ اور اس کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار ہیں۔

وعدے وفا کرنے چاہئیں، چاہے کتنا بھی وقت

گزر جائے۔ اللہ اپنی محبت کے وعدے کو کبھی نہیں

بھولے گا۔ کیا آپ کا اللہ اپنا کہا ہوا بھول سکتا ہے؟

جب وہ کہتا ہے ”میں تم سب سے پیار کرتا ہوں“ تو

کیا وہ سچ نہیں بول رہا ہوتا؟

قلم ٹوٹ سکتے ہیں، کاغذ ختم ہو سکتے ہیں، زبانوں

کا وجود ختم ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کے اللہ کا وعدہ کبھی

نہیں ٹوٹ سکتا، جب وہ کہتا ہے کہ ”میں تم سے

محبت کرتا ہوں“ تو پھر یہ الفاظ ابد تک قائم رہیں

گے۔

انسان اسی زمین پر اللہ کے نائب ہیں۔ انہیں

ایسی کثیر نعمتیں عطا کی گئی ہیں جو اس زمین پر موجود کسی

دوسری مخلوقات کے نصیب میں نہیں ہیں۔ انہیں

سوچنے والا ایک ذہن، ابلاغ کے لئے ایک زبان،

دوسروں کے دکھ درد کو محسوس کرنے کے لئے ایک دل،

اور سب سے بڑھ کر انہیں عرفان عطا کیا گیا ہے۔

عرفان یعنی اپنے اللہ کو جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت۔

لیکن انسانوں نے ان تمام نعمتوں کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اصل میں ان کے ذہن میں تخریب و تباہی کے خیالات سمائے ہوئے ہیں۔ ان کی زبانیں جھوٹ اور بد نیتی پر مبنی فضول باتوں کا ملعوبہ ہیں۔ ان کے دل صرف اپنی کو خوش کرنے کے لئے ہیں۔ اور وہ اللہ کے وجود کو فقط اس وقت تسلیم کرتے ہیں جب ان پر کوئی تباہی آتی ہے۔ یعنی اُسے صرف مصیبتوں سے نجات کے لئے ہی پکارتے ہیں۔

انسانوں نے اللہ کی نعمتوں کا اس انداز میں غلط استعمال کیا ہے۔ ہر دوسری مخلوق اپنے اللہ کی رحمت سے پوری طرح آگاہ ہیں اور وہ اس کی تعظیم کرتی ہیں۔ اور اس کا شکر ادا کرتی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جب وہ اس دنیا میں ہیں تو ان کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں۔ نکلنے سے پرندے جب انہیں اپنے حصے کی غذا ملتی ہے تو وہ اپنی چھپاٹوں سے اپنے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب وہ اپنی غذا تلاش کرنے کے لئے زمین پر چونچ مارتے ہیں تو وہ زمین کو قابل کاشت بناتے ہیں۔ یہ ان کا کام

ہے اور اس دنیا کے لئے ان کی ذمہ داری ہے۔

اسی طرح جو مال مویشی بہری گھاس چرتی ہیں وہ بھی بے شک اپنے اللہ کے سب سے زیادہ شکر گزار ہیں۔ وہ ان نعمتوں کے شکر میں دو دو دیتے اور بھاری وزن اٹھاتے ہوئے ادا کرتی ہیں۔

حتیٰ کہ پودے اور درخت جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے نوازا ہے، وہ بھی خود کو دنیا کے حوالے کرتے ہیں۔ یعنی پوری دنیا انہی سے پیدا ہونے والی غذا کو کھاتی ہے اور ان کے سائے میں بیٹھ کر ان کی ٹھنڈک اور خوشبو کے مزے لیتی ہے۔

ذرا اپنے اطراف تو نظر ڈالئے، کیا آپ کو کوئی بھی مخلوق ناشکری یا اپنی ذمہ داریوں سے گریز کرتی دکھائی دیتی ہے؟ یہ تو فقط بد نصیب انسان ہے، جسے دن رات نعمتیں عطا ہوتی ہیں۔ لیکن کیا کبھی اس نے سچے دل سے کہا ہے کہ ”یا اللہ تیرا شکر ہے“ یا کیا اس نے اس زمین پر نائب ہونے کے ناطے اپنی ذمہ داریاں پوری کی ہیں؟“

باقی تمام مخلوقات کو صرف ایک بار کہا جاتا ہے

اور وہ اپنا کام زندگی بھر یاد رکھتی ہیں۔ انسان کو بار بار کہا گیا ہے، لیکن انہیں مشکل سے یاد رہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انسانوں کے خیال میں انہوں نے یہ سب کچھ اپنی کوششوں سے حاصل کیا ہے۔ اسی لئے انہیں کسی کے شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں۔

وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی غذا خود حاصل کی ہے۔ ان کی اپنی ذہانت نے انہیں ساری آسائشیں دی ہیں۔ ان کے مضبوط اعضاء نے انہیں روزگار کمانے میں مدد دی ہے۔ تو اس طرح جب وہ یہ سوچتے ہیں کہ ان کی آرام دہ زندگی ان کی سخت محنت کا نتیجہ ہے۔ ان کے محل ناما مکانات ان کی کوششوں کا ثمر ہیں۔ اور ان کے سونے چاندی کے ذخیرے ان کے اعلیٰ ذہن کا نتیجہ ہیں تو پھر کھلا وہ کیوں اللہ کے شکر گزار ہوں۔

ہاں وہ اللہ کو اس وقت یاد کرتے ہیں، جب ان کی کوئی آسائش واپس لی جاتی ہے۔ یا جب وہ کسی بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یا جب ان کا کوئی پیارا مر جاتا ہے۔ پھر وہ اس کا الزام اللہ پر ڈالتے ہیں اور اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے یہ کیوں

کیا؛ ہم نے تیرا کیا گارٹا تھا؛

یہ ہے انسانوں کی حالت۔ تمام اچھی چیزیں جو انہیں میسر ہیں، وہ ان کی اپنی ذہانت کے باعث ہیں۔ اور وہ تمام بُرے حادثات جو انہیں پیش آتے ہیں وہ اللہ کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

اللہ سے ”شکر“ کہنا بھی ایک نعمت ہے اور یہ فقط انہیں عطا ہوتی ہے جو اپنے اللہ کو ہر وقت یاد کرتے ہیں۔ اچھے دلوں میں بھی اور بُرے دلوں میں بھی، جو اپنی ذمے داریاں خوش دلی سے نبھاتے ہیں۔

اصل ذمے داری جو اللہ نے انسان کو سونپی ہے وہ ہے اس کی محبت کو پھیلانا۔ جنہیں اللہ کی محبت کو سمجھنا ہے، تو پہلے انہیں اللہ سے محبت کرنا چاہیے۔ جب وہ اس ہستی سے محبت کرنا سیکھیں گے جس نے محبت کو پیدا کیا ہے، تو پھر انہیں اُس کی تخلیقات سے محبت کرنی چاہیے۔ زمین سے، درختوں سے، پودوں سے، حیوانات سے اور تمام دوسرے انسانوں سے خلوص دل سے محبت کریں۔

انسانوں کو ایک اور بھی بہت اہم ذمے داری

دی گئی ہے کہ وہ ہر اس باطل شے کے آگے ڈٹ جائیں
جو غلط ہو اور جس کی نسبت شیطان سے ہو۔ یہ سب
کچھ کرنے میں آخر ایسی کیا مشکل ہے؟

اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ سب کے لئے نیت اچھی
رکھیں۔ اگر کسی نے آپ کو تکلیف بھی پہنچائی ہے تو اسے
معاف کر دیں اور اس کی بھلائی کے لئے دعا کریں۔ اور
اپنی پوری زندگی بہادری سے بسر کریں۔ تاکہ شیطان کی
مصنوعی دنیا اور اس کے دھوکے آپ پر غالب نہ آجائیں۔
یا وہ آپ کو اپنے جال میں جکڑ نہ لے۔

یہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب آپ اپنے
دلوں کو اس دنیا کی آلودگیوں سے پاک رکھیں گے جب
آپ اپنی سب سے قیمتی خزانے کی طرح ان کی حفاظت
کریں گے۔ جب آپ اللہ کے فرمان اور اس کی ہدایت
پر کان دھریں گے۔

اللہ نے آپ کو پیدا کیا ہے۔ لہذا اس سے زیادہ
اور کون جان سکتا ہے کہ کیا شے آپ کے لئے اچھی ہے۔
اور کیا چیز آپ کو نقصان پہنچائے گی۔ اس صورت حال
کو یاد کیجئے، جس میں ایک بچے کی دیکھ بھال اس کے

والدین کر رہے ہوں۔ وہ اسے تمام نقصان دہ چیزوں سے بچاتے ہیں۔ وہ اسے ہر بہترین چیز دیں گے۔

اب اگر یہی بچہ اپنے والدین کا اس وقت کہانہ مانے جب وہ اُسے کہیں کہ آگ کو مت چھونا اور وہ پھر بھی جا کر آگ کو چھو لے۔ یا اگر وہ اسے سڑک پر جانے سے منع کریں اور پھر بھی وہ تیز رفتار گاڑیوں کی طرف دوڑے۔ یا اگر وہ اسے کہیں کہ وہ یہ باسی کھانا نہ کھائے لیکن وہ نافرمانی کرتے ہوئے پھر بھی اُسے کھائے تو مجھے بتائیے کہ اُس بچے کا کیا حشر ہوگا۔ کیا مکمل تباہی اس کا مقدر نہ ہوگی؟

تو پھر ایسا کیوں ہے کہ جب آپ کا اللہ آپ کو واضح ہدایتیں دیتا ہے کہ اس دنیا میں کس طرح جیا جائے، مگر پھر بھی آپ میں سے اکثر اپنی نافرمانی کے باعث اس کا بالکل الٹ کرتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ غریبوں کی مدد کرو۔ لیکن آپ ہیں کہ ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ان کو کمتر سمجھتے ہیں اور ان کی بے عزتی کرتے ہیں۔ یہ آپ ہی ہیں جو ان کے پاس جو کچھ ہے اُسے چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا ہے کہ لالچ مت کرو، لیکن آپ ہیں کہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے میں دن رات بٹھتے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے پیاروں کے عوض یا اپنی صحت کو داؤ پر لگاتے ہوئے اللہ فرماتا ہے کہ تکبر اور حسد مت کرو، لیکن یہ آپ ہی ہیں جو اپنے تکبر کی وجہ سے دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں جن کے پاس آپ سے زیادہ ہے۔

ذرا اس پیکر کا تصور کیجئے جسے مٹی سے بنایا گیا ہو، جن کا ایک ایک سانس اللہ کی عطا ہے اور جو اپنی اُنکلی تک نہیں ہلا سکتا اگر اللہ نہ ہلانا چاہے۔ جو اس قدر کمزور اور بے بس ہے، لیکن پھر بھی وہ اس خوش فہمی میں ہے کہ وہ اس دنیا کو چلا رہا ہے، اس طرح گویا یہ اسی نے بنائی ہے۔ گویا اس نے اپنا رزق خود ہی پیدا کیا ہے۔ گویا یہی سب کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والا ہے۔

ذرا اس کے تکبر اور غرور کو تو دیکھیں۔ اس کا یہی تکبر ہے جس نے انسان کو اس مقام کے قریب پہنچا دیا ہے۔ جو درد و غم کا ایک گہرا گڑھا ہے۔ جس میں دن رات آگ بھڑکتی رہتی ہے جو ان بدنصیبوں کے نام پکار رہا

ہے۔ جو بہت جلد اس آگ کا ایندھن بننے والے ہیں۔
 کتنے بدشعبہ ہیں وہ لوگ جو اس کے بارے
 میں سب کچھ جانتے ہیں۔ وہ سب جنہیں پہلے ہی دن
 بتایا گیا تھا۔ نہیں بار بار اس کے متعلق تبہیبہ کی گئی تھی
 مگر اس کے باوجود وہ اسی گڑھے کی طرف دوڑ رہے
 ہیں۔ بلا کسی خوف و خطر کے۔

مومن کے گناہ کے قریب نہ جانے کے دو اہم
 وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ اللہ کی ناراضگی کا خوف اور
 دوسری وجہ اللہ کی محبت ہے، جو اُسے ایسے کام کرنے
 سے روکتی ہیں جن سے اس کا رب ناراض ہو۔

وہ مسلسل اپنے قلب پر کڑی نگاہ رکھتا ہے اور
 اُسے اس دنیا کی خرافات سے بچاتا ہے۔ وہ خود کو نہایت
 خوش بخت سمجھتا ہے کیوں کہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ اللہ
 کی مکمل اطاعت میں کس طرح زندگی بسر کی جاتی ہے۔
 یہ اس پر اس کے اللہ کا کرم ہے کہ اس کے پاس ہدایت
 کی کامل کتاب موجود ہے، جس سے وہ ہمہ وقت رجوع
 کر سکتا ہے۔

اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کتاب کے قواعد کو کس

طرح اپنی حقیقی زندگی میں رائج کرے، تو پھر اُسے بس اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یعنی سنت کو بکڑنا چاہیے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے پیار سے اپنی اُمرت کو زندگی کے سلیقے سکھلا دیئے ہیں۔ اس لئے وہ ان کی پیروی کرنے میں زیادہ پرجوش ہے۔

وہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اس کا دین اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھتا ہے، چاہے وہ جسمانی تقاضے ہوں یا روحانی وہ اس سے بھی اچھی طرح واقف ہے کہ اس کے دین کی عبادتیں تقوے اور پرہیزگاری کی بنیاد پر ہیں۔ یہ عبادتیں اس کی زندگی کے لئے اتنی کامل ہیں کہ وہ اگر انہیں خوش اسلوبی سے ادا کرے تو کوئی بھی جسمانی یا روحانی بیماری اس کے قریب بھی نہیں آئے گی۔

وہ اپنی تمام عبادات میں سے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیتا ہے جس طرح کہ ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: زکوٰۃ اس کے دل میں سخاوت کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور اُسے خوشی دیتی ہے کہ

اس کی محنت سے کمائی ہوئی آمدنی سے کسی اور کو بھی خوشی مل رہی ہے۔

روزہ اس کے پورے جسمانی نظام کو تازگی بخشتا ہے، اس سے اُسے نہ صرف جسمانی فائدہ ہوگا بلکہ اُسے کئی روحانی فوائد بھی حاصل ہوں گے۔ رمضان ایک بار پھر آیا ہے۔ اور آپ سب خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے اس نعمت کے مزے لوٹنے کے لئے آپ کو زندگی عطا کی ہے۔

رمضان شریف تحفوں کا مہینہ ہے۔ وہ تحفے جو امت محمدی کو دیئے جاتے ہیں۔ ویسے تو تمام مہینے اللہ کے ہیں۔ لیکن اسے تو اللہ کے رسول نے خاص طور سے اپنی امت کے لئے طلب کیا تھا۔ اور جب محبوب طلب کرتا ہے تو آپ کا رب کیسے انکار کر سکتا ہے؟ تو اس طرح امت کو یہ ماہ مبارک عطا ہوا۔ ایک ایسے خاص وقت کے طور سے کہ جب وہ اللہ کی رحمتوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

روزہ ایک سخت ضابطہ کی رو سے رکھا جاتا ہے، آپ کو ایک مقررہ وقت پر نیند سے اٹھ کر، اذان سے

پہلے کھانا پینا پڑتا ہے۔ آپ کو اپنے کھانے کی خواہش کو قابو رکھنا پڑتا ہے۔ پیٹ، جسے اس سے پہلے کئی بار بھرا جاتا تھا، اسے اب آرام کرنے کو کہا جائے۔ دن بھر کھانا پینا بند کرنے سے کھانے کی اُن غلط عادتوں کا تدارک ہوتا ہے، جن کا متعلقہ شخص سال کے دوران عادی ہو چکا ہوتا ہے۔

یہ روزہ دار میں صبر اور شکر بھی پیدا کرتا ہے۔ اور اس سے وہ اللہ کی ان نعمتوں کا ادراک کرتا ہے، جو اُسے غذا کی صورت میں ملتی رہی ہیں، جس کے لئے اس نے مشکل سے اپنے رب سے ”شکریہ“ کہا ہوگا۔

روزہ دل کو بھی نرم بناتا ہے۔ اس سے یہ احساس پیدا ہونا شروع ہوتا ہے کہ وہ غریب کس طرح گزارہ کرتا ہے جس کے پاس ایک وقت کے کھانے کا پیسہ نہیں۔ اس سے اُسے کم از کم بھوک کے اس درد کا احساس تو ہوتا ہے جس کا سامنا اُن غریبوں کو سال بھر رہنا ہے۔

جب ایک شخص یہ مشقت کرتا ہے کہ اُٹھ کر سحری کھانے اور پھر دن بھر اپنے نفس کو قابو میں رکھے، تو پھر وہ اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لئے مزید کچھ کرنا چاہے گا۔

وہ جانتا ہے کہ بس اپنی زبان کو قابو میں رکھ کر، یا اپنے غصہ کو ضبط کر کے، یا اپنے ہم جنس انسانوں سے مہربانی کے ساتھ پیش آنے سے، اور اپنا بیشتر وقت عبادت میں گزارنے سے وہ یقیناً اپنے اللہ کو راضی کر سکتا ہے۔ ایک شخص اپنی محنت اور مزدوری کا انعام اپنے مالکِ دو جہاں سے محبت سے بڑھ کر اور کیا طلب کر سکتا ہے؟ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو یہ سکھایا تھا کہ رمضان بے شک صبر کا مہینہ ہے اور اس کا صلہ جنت ہے۔

مسلمان کے ہر عمل میں نیکی ہے اور اس ماہِ مبارک میں یہ نیکی دوسرے مہینوں کے ستر فرض کے برابر ہے۔ اس ماہِ مبارک میں مومن کی روزی میں اصناف ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایک گھونٹ پانی یا دو دھکسی دوسرے کو دیتا ہے، تو اسے بھی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

اس ماہِ مبارک کا پہلا حصہ رحمت ہے درمیانہ حصہ مغفرت اور آخری حصہ دوزخ سے نجات کا ہے۔ ہر ایک کو چار کام کرنے چاہئیں۔ پہلا: اپنے اللہ کو راضی کرے، دوسرا، جس کے بغیر کوئی رہ نہیں سکتا۔ پہلے

دو ہیں کہ کہو (۱) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور (۲) اللہ سے معافی طلب کریں۔

اور دو چیزیں جو آپ کے لئے بہت ضروری ہیں وہ یہ ہیں: (۱) اللہ سے جنت طلب کریں، اور (۲) دوزخ کی آگ سے پناہ مانگیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں مزید فرمایا کہ: رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس کی تین راتوں کے درمیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ سے صحیفے عطا ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت ملی۔ (رمضان کی جمعہ کی راتوں میں) حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کا زبور ملا۔ (رمضان کی انیسویں شب میں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا ہوئی۔ (۵ رمضان میں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک رمضان کی چودہ کو نازل ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ رمضان کے استقبال کے لئے پورا سال جنت کو سجایا جاتا ہے۔ اور جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے، تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جسے مسراح کہتے ہیں۔ یہ ہوا جنت

کے درختوں اور ان کے پتوں کو چھوٹی ہے۔ اور یہ اُن سے
زنجیروں کو بھی چھوٹی ہے جو وہاں قبضوں پر لٹکی ہیں جس
سے یہ کھلتے ہیں۔

جب یہ ہوا چھو لیتی ہے تو اُن سے ایسی خوبصورت
آواز پیدا ہوتی ہے جو اس سے پہلے کسی نے نہیں سنی
ہے، حتیٰ کہ وہ بھی جنہوں نے بہت سی خوبصورت
آوازیں پہلے سنی ہیں۔ پھر حوریں تیار ہو جاتی ہیں۔ اور
جنت کے جھروکوں پر آکر کھڑی ہو کر صدا لگاتی ہیں کہ
”ہے کوئی جو اپنے اللہ سے ہماری طلب کرے اور اللہ
ہمیں اُس کے نکاح میں دے دے“۔

پھر وہ جنت کے دروغہ رضوان سے پوچھیں
گی ”آج کی رات کون سی رات ہے؟“ وہ جواب دیں
گے۔ ”اے بے مثال حسینو! یہ ماہِ رمضان کی پہلی
رات ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ”محمد صلی اللہ
علیہ وسلم، کی اُمت میں سے روزے داروں کے لئے
جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ اے دروغہ
دوزخ! اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کی طرف دوزخ
کے دروازے بند کر دو“۔ اے حیریل! (علیہ السلام)

زمین پر جاؤ اور شیاطین کو متقید کر دو۔ اُن کو زنجیروں سے جکڑ دو، اُن کو سمندروں کی گہرائیوں میں پھینک دو۔ تاکہ میرے حبیبِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمرت کا روزہ خراب نہ کریں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”ماہِ رمضان میں اللہ تعالیٰ تین مرتبہ فرماتا ہے کہ ”ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اس کا سوال پورا کروں، کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں۔ کیا کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ میں اس کو بخش دوں، کوئی ہے جو اس غنی کو قرض دے جو نادار نہیں ہے اور پورا بدلہ دینے والا ہے اور وہ کسی کی حق تلفی کرنے والا نہیں ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”ماہِ رمضان میں روزانہ افطار کے بعد ہزاروں دوزخی دوزخ سے آزاد کر دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور جب جمعہ کا دن اور جمعہ کی شب آتی ہے تو لاکھوں دوزخی دوزخ سے آزاد ہو جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک عذاب کا سزاوار ہے۔ رمضان کا آخری دن جب آتا ہے، تو اول تاریخ سے آخری

تاریخ تک مجموعی طور پر جتنے افراد روزِ خ سے آزادی پا چکے ہیں، ان کی تعداد کے برابر اس آخری روزِ آزاد کئے جاتے ہیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے ارشاد فرمایا کہ: ”روزے دار کی نیند ایک عبادت اور خاموشی تسبیح ہے۔ اس کی دعا مقبول اور اس کا عمل دگنا ہے، جب میری اُمت کا کوئی شخص ایک واحد نیکی کرتا ہے، تو پھر بھی اس کا اجر ۱۰ فیصد سے ۱۰۰ فیصد تک ہو سکتا ہے۔ سوائے روزہ کے اجر سے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ”روزہ میرے لئے رکھا جاتا ہے، اس لئے اس کا جزا دینے والا بھی میں ہی ہوں۔ روزے دار میرے لئے کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔“

روزہ جہنم اور گناہوں سے بچاؤ کے لئے ایک ڈھال ہے۔ روزے دار کے لئے دو مزے ہیں۔ ایک خوشی افطار کی، اور دوسری خوشی اُسے اس وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ اپنے رب کا دیدار کرتا ہے۔

ایسی کئی دوسری اُمّتیں بھی ہیں جنہیں روزے کا انمول تحفہ دیا گیا تھا۔ لیکن وہ اس تحفے کے لئے شکر گزار

نہیں ہوئیں۔ اور اس کو چھوڑ دیا۔ جو کوئی بھی اللہ کے نعمتوں کو اس وجہ سے چھوڑتا ہے کہ وہ ان کے بغیر بھی رہ سکتا ہے، تو اللہ بھی ایسے شخص کو چھوڑ دیتا ہے۔

اے اُمّتِ محمدی! اس ماہِ مبارک کی آمد پر بہت ہی شکر گزار رہو۔ اس مہینے کو شکر کا مہینہ بناؤ۔ اور پھر آپ اللہ کی رحمتوں کو اپنے اوپر برستے دیکھنا شروع کریں گے۔ اس کی رحمت کی بارش اور اس کی مغفرت کی کثرت کو برستے دیکھنا شروع کریں گے۔ اپنے اللہ کا انتہائی تابعدار بندہ بنو اور اپنے اطراف والوں کو بھی ایسا ہی ہونے کو کہیں۔

میری دُعا ہے کہ اللہ کی رضا آپ میں سے ہر ایک کے شامل حال رہے۔

آمین!



۲۰ اگست ۲۰۱۰ء

باب (۱۳۰)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے، جس کی رحمتیں
آسمان سے اس طرح برستی ہیں جیسے کہ بارش۔ اور
بے شک یہ رحمتیں ان سب کے لئے ہیں جو صاحب
ایمان ہیں۔ جس کی مغفرت سے عاصیوں کے گناہ دھل
جاتے ہیں۔ اور جس کی بخشش سے بے شمار لوگوں کو
دوزخ کی آگ سے نجات ملتی ہے۔

درود و سلام ان پر جو اپنی اُمرت کے لئے نذیر
اور بشیر ہیں۔ جو اپنے اللہ کے بے حد برگزیدہ عبد ہیں۔
اور جو اپنے اللہ کی تجلی اور رحمت سے مکمل طور سے
مشفوف ہیں۔

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور
آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ان سب کے لئے
جنہوں نے سچائی کو چکھ لیا۔ اور جو اب تک تاریکی میں

کبھی واپس نہیں جائیں گے۔

آپ نے یقیناً سوچا ہوگا کہ ان دنوں یہ خونی سیلاب کیوں برپا ہے۔ اتنے سارے لوگ کیوں ڈوب گئے ہیں۔ اور کیوں اتنے خاندان اور گھراڑ گئے ہیں؛ یہ انسانی اعمال ہیں جو سیلاب میں بہہ رہے ہیں۔ مجھے بتائیے کہ کیا واقعی اتنے بڑے پیمانے پر ہونے والی تباہی کا ذمے دار اللہ ہے؟

اگر اللہ نہیں تو کبھی قدرتی توازن کو بگاڑنے کا ذمہ دار کون ہے؟ وہ کون تھے جو اپنے سروں پر منڈلانے والے اتنے بڑے خطرے سے آنکھیں چیرا رہے تھے؛ وہ کون تھے جو دوسروں کا مال لوٹنے میں مصروف تھے؛ دوسروں کو بے عزت و بدنام کر رہے تھے، اور وہ کون تھے جو بڑی بے دردی سے اپنے ہی بھائیوں کا خون بہا رہے تھے؟

سالہا سال سے آپ سب زمین، پانی اور دولت کے لئے آپس میں لڑتے آرہے ہیں۔ دنیاوی خواہشات نے آپ کو کمزور کر دیا ہے۔ آپ کا ایمان کمزور ہے۔ آپ کی عبادات کمزور ہیں، اور آپ کی ہمت کمزور ہے۔

ابھی چند ہی دن پہلے آپ نے اپنی آزادی کا
 چونسٹھواں جشن منایا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ
 گزشتہ چونسٹھ سال سے آپ کسی اور کے غلام نہیں
 تھے۔ آپ کو مکمل آزادی تھی کہ آپ جو کچھ چاہتے کر
 سکتے تھے۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے لئے ۶۴
 سال ایک لمبی مدت ہوتی ہے۔ اپنی غلطیوں سے سبق
 سیکھنے اور اپنی اصلاح کے لئے یہ ایک طویل عرصہ ہے۔
 لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ ۶۴ سال آپ نے صرف
 اپنے ذاتی مفادات کے حصول میں ضائع کر دیئے۔
 فقط لوٹ مار اور دھوکہ دہی میں۔ آپ تو ”پاک“
 لوگوں کی ایک قوم تھے، پاک دل لوگوں کی۔ تو پھر آپ
 یہ سب کچھ بھول کیوں گئے۔ یا پھر کیا آپ کی ”پاکی“ کے
 معنی اب بددیانتی، بدعنوانی اور حرص ہے؟
 پاکوں کا یہ وطن اللہ کے نام کے لئے حاصل کیا
 گیا تھا، کیوں کہ کئی خداؤں کے ماننے والوں کے ساتھ
 رہتے ہوئے آپ کے باپ دادا سخت جہت میں مبتلا
 تھے۔ نور آخر تاریکی کے ساتھ کیسے رہ سکتا تھا؛ حق آخر
 کیسے باطل کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ اس وقت کے مسلمان

ظلم و تم اور نفرت کا شکار تھے۔ مسلمانوں کی غیرت بھلا
 اس طرح کا سلوک کس طرح برداشت کر سکتی تھی۔
 یہ وہ وقت تھا کہ جب بہت سے لوگ تو یہ
 جانتے بھی نہ تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ یہ تھی ان کے
 بے بسی کی سطح۔ لیکن انہی میں بہت سے اللہ کے ایسے
 حسین عاشق بھی تھے جو یہ جانتے تھے کہ اگر مسلمان اسی
 طرح ہندوؤں کے ساتھ رہتے رہے، تو بہت جلد ان
 کا مذہب متاثر ہوگا۔ ان کے بچے تاریکی کو جذب کرنا
 شروع کر دیں گے۔ اور بُرائی کو کوئی بُرائی نہیں سمجھیں
 گے۔

اس لئے انہوں نے اللہ سے دُعا کی، اپنے دل
 کی گہرائیوں سے دُعا کی۔ انہوں نے دن رات دُعا مانگی۔
 اس وقت تک مانگی جب تک کہ اللہ نے اُن کی سُنی۔
 اس نے مسلمانوں کو ایک لیڈر عطا فرمایا۔ جس کا دل اللہ
 کے عاشقوں کے دلوں کی طرح پاک تھا۔

یہ ایک ایماندار شخص تھے۔ اعلیٰ اخلاق و کردار
 والے، جنہیں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیحد
 پیار تھا۔ اُن کے پیارے نبی نے ہر قدم پر اُن کی رہنمائی

فرمائی۔ اس طرح انہیں پوری قوم کے لئے قوت کا باعث بنا دیا۔ آپ کے اس لیڈرنے بڑی قربانیاں دیں انہوں نے اپنا گھر، اپنا گھرانہ اور اپنا آرام سب اس قوم کے لئے قربان کر دیا۔

مجھے یہ بتائیے کہ کیا یہ کسی کے لئے آسان ہے کہ وہ اپنے پیاروں کو چھوڑے، اپنی پیاری بیوی کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا دیکھے۔ اپنی واحد اولاد کو خود سے علیحدہ کرتے دیکھے؟ انہوں نے یہ سارا دکھ اپنے دل پر جھیلایا اور اپنا ہر لمحہ نہر لحظہ فقط پاکستان کی تعمیر کی نذر کر دیا۔ یعنی پاک لوگوں کی سرزمین جو اللہ کے نام پر حاصل کی گئی تھی۔

ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے کئی لوگوں نے اپنے آنکھوں سے دیکھا ہو۔ یا اس کے بارے میں سنا ہو۔ وہ خون کا ایک سیلاب تھا جو انڈیا سے پاکستان کی جانب آیا تھا۔ یہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کا پہلا نذرانہ تھا جو لاکھوں مسلمانوں نے پیش کیا۔

یہ لوگ جانتے تھے کہ پتا نہیں وہ اپنے نئے وطن تک پہنچیں گے یا نہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں

نے ہر طرح کے خطرات مول لئے۔ اپنی زندگی بھر کے اتناٹے چھوڑے اور اپنے نئے وطن کی طرف ہجرت کرنے کی کوشش کی۔

کون یہ کہہ سکتا ہے کہ ”مجھے اپنے گھر سے محبت نہیں ہے“؛ حتیٰ کہ ایک چھوٹا سا پرزورہ بھی اپنے آشیانہ کی ہر قیمت پر حفاظت کرتا ہے۔ تو اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اُن مسلمانوں نے اپنا اتنا لہو کیوں بہایا۔ اپنے بے شمار پیاروں کی قربانی کیوں پیش کی اپنا سب کچھ کیوں قربان کیا؟

انہوں نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ وہ اپنے بچوں کو ایک ایسی جگہ دے سکیں جو اُن کا اپنا ہو۔ جس میں ہر ایک اللہ کا نام لیتا ہو۔ جہاں اذان کی سُری آواز سب تک پہنچتی ہو۔ جہاں کوئی آپ کو صرف اس وجہ سے نفرت و حقارت سے نہ دیکھے کہ آپ کہتے ہیں ”لا الہ الا اللہ“ یا اس لئے کہ آپ کسی باطل دین کو قبول نہیں کرتے۔

یہ ہے مقصد پاکستان کے وجود میں آنے کا، یعنی خالص اسلام کی خاطر، اللہ کی محبت کی خاطر۔ اُس کے

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ملک سے محبت ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ملک ان کا ہے جو ان سے سچی محبت کرتے ہیں۔ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں، اپنا جان مال نثار کر سکتے ہیں، اور ایسا کرتے وقت وہ اپنی آنکھیں بھی نہیں جھپکتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سچے دل پائے جاسکتے ہیں۔ وہ دل جو ہر وقت جاہم عشق رسول میں ڈوبے رہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت کو اس وقت بھی اچھی طرح جانتے تھے اور اُسے اب بھی بخوبی جانتے ہیں۔ جیسے کہ ہمیشہ ہوتا ہے، جب سمجھی بھی کوئی کہے، کہ اُسے اللہ، میں تم سے محبت کرتا ہوں، تو پھر اس شخص کو ابلیس مردود کے حملوں کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیطان دائیں بائیں اوپر نیچے، ہر طرف سے اس پر یلغار کرے گا تا کہ وہ اپنے کہے ہوئے الفاظ پر قائم نہ رہ سکے۔

کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ آپ کے ملک کے

ساتھ بھی یہی ہوا، آپ کے پیارے پاک وطن کے ساتھ۔
 وقت بڑی تیزی سے بدلا اور اسی طرح قدریں بھی۔
 پہلے لوگ معصوم تھے اور وہ اپنی سادہ زندگی سے خوش
 تھے۔ ان کی دوستی کا معیار خلوص تھا۔ وہ اپنے دوستوں
 کے ساتھ پُر خلوص تھے، اپنے گھرانوں سے مخلص اور اپنے
 ملک کے لئے سچے تھے۔

وہ محنت محنت کے قائل تھے اور نتیجہ اللہ پہ
 چھوڑتے تھے۔ جب ان کے تھکے ہوئے جسم بستروں پر
 دراز ہوتے، تو اللہ انہیں انعام کے طور پر سکون و اطمینان
 والی نیند عطا کرتا تھا۔ اگرچہ اس زمانے میں بھی ملک
 میں ہنگامے ہوتے تھے۔ کبھی خراب سیاست اور کبھی
 بُرے حکمران ہوتے۔ لیکن عام طور پر ایک اوسط آدمی
 کے گھر میں محبت اور ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔

پھر دھیرے دھیرے اور نہایت آہستگی سے
 پاک سرزمین کے لوگوں میں تبدیلی آنی شروع ہوئی۔ ان
 کی زندگیاں بدل گئیں۔ کیوں کہ انہوں نے دیکھا کہ جو
 ابلیس کے راستے پر ہیں وہ تو سیر ہو کر سوتے ہیں۔ اور
 محل نما گھروں میں رہتے ہیں۔ دیانت داری کا معیار کم

سے کم ہونا شروع ہوا۔

پہلے وہ پیسہ جو سخت محنت سے کمایا جاتا تھا
اُسے آمدنی کہا جاتا تھا۔ پھر چھوٹے تحفے اس آمدنی میں
شامل کئے جانے لگے، جو کسی کنٹریکٹ کے دستخط ہونے
پر، یا کسی ٹینڈر میں رعایت کرنے پر پیش کئے جاتے
تھے۔ آسانی سے آنے والے اس پیسے نے ان کی زندگیوں
کو آسان بنا دیا۔

وہ ایسے آسانی سے آنے والے پیسے کے لئے
زیادہ مواقع تلاش کرنے لگے۔ جب آپ اپنی ایمانداری
اور دیانت داری کے معیار کو نیچے گرانے ہیں، تو پھر
یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ اسے کس حد تک گرا دے۔
جلد ہی یہ چھوٹے چھوٹے تحفے رشوت کی بڑی رقوم
اور کالے دھن میں تبدیل ہو گئے۔ مجھے بتائیے کہ کیا ہوتا
ہے جب ایک شیر پہلی بار انسانی خون کو چکھ لیتا ہے؛
پھر وہ اپنی بقیہ زندگی میں رات دن اسی ذائقہ کی تلاش
میں رہتا ہے۔

بالکل یہی ہوتا ہے جب کوئی شخص پہلی بار حرام
پیسے کا مزہ چکھ لیتا ہے۔ پہلے پہل ہو سکتا ہے کہ اُسے

پسینہ آئے، اللہ سے معافی مانگے، یا خود سے وعدہ بھی کر لے کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ لیکن حرام پیسہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی درندہ خون چکھ لے! اس کی خوشبودن رات اس کا پیچھا کرتی رہتی ہے۔

آج یہ ایک چھوٹے سے کنٹریکٹ کے دستخط کے لئے ایک چھوٹی سی رقم ہے۔ کل یہ لاکھوں روپے کے کنٹریکٹ کے لئے لاکھوں روپے کی رشوت ہوگی۔ پہلے ان خفیہ کاموں میں ایک یا دو افراد ملوث تھے۔ پھر ایک دو سے بڑھ کر ان کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی۔ پھر سینکڑوں سے ہزاروں تک، اور اب کون ان کی تعداد گن سکتا ہے؟

بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ کس طرح حرص نے ان آنکھوں کی چمک کو مائل کر دیا، ان آنکھوں کی جو اپنی محنت کی چمک پر فخر کیا کرتی تھیں، اب حرص و طمع سے چمکتی ہیں۔ وہ ہاتھ جو زیادہ محنت کے باعث سخت اور کھردرے ہو کر تھے، اب آرام و زندگی کے باعث نرم اور ڈھیلے ہوتے ہیں۔

وہ دل جو کبھی نرم اور محبت کرنے والے ہو کرتے

تھے، اب ان کے جسموں میں داخل ہونے والے حرام کے باعث سخت اور بے حس ہو چکے ہیں۔ بس چند ہی سالوں میں ہر چیز میں زبردست تبدیلی آگئی۔ تعلقات اور رشتے تبدیل ہو گئے۔ اب واحد رشتہ پیسے کا رہ گیا ہے۔

دوستیاں بھی تبدیل ہو گئی ہیں۔ اب واحد دوست پیسہ ہے۔ قدریں بدل گئیں۔ اب جو واحد قدر رہ گئی ہے وہ قدر ہے جو بینک اکاؤنٹ میں رکھی جاسکتی ہے، باقی سب مر گئیں، دوسری قدریں بس ختم ہو گئیں۔

اے اُمتِ محمدی! کیا اسی لئے پاکستان بنایا گیا تھا۔ کیا اسی کے لئے لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں اور خون کی ندیاں بہانی گئیں؟ کیا اسی لئے، تاکہ پاک سرزمینِ میل جانے کے بعد آپ دوسروں کو دیکھ پہنچا سکیں۔ قتل کر سکیں اور دھوکہ دے سکیں؟

وہ ملک جو اللہ کے نام کے لئے قائم کیا گیا تھا، اب اس نے بدعنوانی، بے ایمانی اور دھوکہ دہی کے میدان میں دوسرے تمام ملکوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین زمین اور بہترین دماغ عطا نہیں کئے تھے؟ تو پھر آپ کے دلوں کو کیا ہو گیا؟ آپ

کی آنکھوں کو کیا ہو گیا؟ آپ نے اپنے ایمان کیوں گنوا دیئے؟
 کیا اللہ کا پیغام آپ پر واضح نہیں تھا؟
 کیا اللہ کے اسی دین کے لئے ہی آپ کے آبا و اجداد
 نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش نہیں کیا تھا؟ کیا آپ کی
 نظر میں آپ کے ملک کی کوئی اہمیت ہے؟ جب
 آپ نے دیکھا کہ دوسرے ملکوں میں ڈالر کمانا کتنا
 آسان ہے، تو آپ نے اپنا وطن چھوڑ دیا اور مغربی
 اقوام کی ڈالر بنانے والی مشین کا حصہ بن گئے۔

آپ نے ان کی نقل کرنا شروع کی۔ آپ نے ان
 کی پیروی شروع کی اور اس عمل میں خود کو مبھول
 گئے۔ حالانکہ ان دوسری اقوام کو بھی اپنے ملکوں پر ناز
 ہے۔ وہ ان سے مخلص ہیں۔ وہ تمام خطرات کے خلاف
 لڑتے ہیں۔ یہ ممالک محض قومیں ہیں۔ ان میں سے کوئی
 بھی ان کے مذہب کے نام سے قائم نہیں ہوئے ہیں۔
 مگر آپ کو ایک سرزمین اسلام کے نام سے عطا
 کی گئی تھی اس کے باوجود بھی یہ آپ کو متحد نہ رکھ سکا آپ
 نے خود کو مختلف ٹکڑوں اور قومیت میں تقسیم کر دیا اور پھر
 آپس میں لڑ پڑے، اور آپ پاگلوں کی طرح لڑے اور

آپ کے اس بے شرم رویے سے دوسروں نے فائدہ اٹھایا، انہوں نے آپ کو کمزور کر دیا، انہوں نے آپ کو تقسیم کر دیا، اور اب وہ چاہتے ہیں کہ آپ دوبارہ غلام بن جائیں، اسی طرح کے غلام جو آپ ۶۴ سال سے پہلے تھے۔

بڑے افسوس کی بات ہے! جی ہاں یہاں سیلاب ہے، تباہی ہے۔ جیسا کہ چند سال پہلے ہوئی تھی، لیکن کیا اس سے کوئی تبدیلی آئی؟ کیا آپ کو احساس ہوا کہ یہ اللہ کی نشانی ہے، اور کیا اس سے آپ نے اپنے طور طریقے بدلے؟

جی نہیں! ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ چاہے پوری قوم اس سیلاب میں بہ بھی جائے تو اس کے باوجود بھی وہ آنکھیں جن میں حرص کی چمک ہے وہ اس میں بھی ایسا طریقہ اختیار کریں گی کہ جن سے وہ اس تباہی میں بھی اپنی جیبیں بھر سکیں، اپنے پیٹ بھر سکیں۔ اور اپنے لئے محدود بینک اکاؤنٹس کے منہ بھر سکیں۔

اے امتِ محمدی! یہ بد نصیب لوگ کیوں نہیں

سمجھتے ہیں کہ اُن کو کوئی دیکھ رہا ہے۔ یہ ایسا سوچتے ہیں کہ انہوں نے کبھی مرنا نہیں ہے۔ اور یہ کیوں سوچتے ہیں کہ کوئی قبر یا کوئی حشر نہیں ہے؟ بے شک انہیں اپنے رب کا وعدہ اس وقت دکھائی دے گا جب اُن کی آنکھیں بند ہو جائیں گی۔ اور پھر ان کے عزیز انہیں تنگ و تاریک قبروں میں ڈال جائیں گے، جو دنیا میں اس کے علاوہ ان کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔

اس کے بجائے انہیں دراصل دوزخ کے دہکتے ہوئے شعلوں میں جھونک دیا جائے گا۔ پھر وہیں نظر آئے گی اُن کی پیاری دولت، جو قبر میں ان کے لئے سانپ بن جائے گی۔ اور کس طرح انہیں یاد دلائے جائیں گے وہ لمحات جو انہوں نے ان سانپوں کو جمع کرنے میں گزارے ہوں گے۔

یہ دیکھ کر افسوس اور دکھ ہوتا ہے کہ کس طرح اُن کی کوششیں اور زندگیاں ضائع ہوئیں۔

اے اُمّتِ محمدی! پاکستان ۲۷ رمضان المبارک کو وجود میں آیا۔ کیا یہی سب سے بڑی نشانی نہیں ہے کہ یہ ملک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کے عاشقوں کے لئے بنایا گیا تھا؛

اب بھی تھوڑا وقت باقی ہے توبہ کرنے کے لئے۔

یہ توبہ صرف ان لوگوں کے لئے ہوگی جو اپنے رب کے ساتھ

سچے ہیں۔ انہوں نے اس کو کئی سالوں سے دیکھا ہے۔

اور اسے اب بھی دیکھ رہے ہیں کہ یہ ان کے اعمال ہیں

جو اس سیلاب میں بہ رہے ہیں۔

اپنے آپ کو بدل ڈالئے اور توبہ کیجئے! سچے

دل سے توبہ کیجئے۔ اللہ سے معافی مانگئے اور ایک نئے

زندگی کے آغاز کا وعدہ کیجئے، ایک پاک زندگی کا۔

جو ایک پاک سر زمین کے لائق ہو۔

کہا جا رہا ہے کہ اس سیلاب کو اور اس

تباہی کو کوئی روک نہیں سکتا، لیکن اس کے روکنے کا

ایک حیرت انگیز طریقہ ہے۔ صرف سچی آنکھوں سے

بہتے ہوئے اشکوں کے چند قطرے اور دکھی دل سے

نکلا ہوا معافی کا ایک لفظ اور پھر اپنے وطن کی تعمیر

نو کے لئے ایک سچا عزم اور اسے مکمل پاک اور کامل

صاف کرنے کا عزم۔

پھر آپ دیکھیں کہ کس طرح اللہ اس ملک کو

اپنے کرم سے نوازتا ہے، اس ملک کو جو اس کے نام
 کے لئے وجود میں لایا گیا تھا اور جس سے ہمارے پیارے
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت پیار کرتے ہیں۔
 ہر ایک کو ۵۰ مرتبہ آیتِ کریمہ کا ورد کرنا چاہیے
 اور ”صلوٰۃ التوبہ“ پڑھنی چاہیے۔ بے شک اللہ نہایت
 مہربان اور بخشنے والا ہے۔

میری دعا ہے کہ: اے اللہ ہمیں اپنی ہدایت
 سے سرفراز فرما۔ تیری قدسی نصرت ہمارے ساتھ ہو۔
 ہماری خطاؤں کو نہ دیکھ بلکہ ہمیں اپنے بے پناہ کرم
 سے نواز دے۔ ہمیں اپنا محبوب سوئپ دے۔ ہمیں
 سچی توبہ کی توفیق عطا کر، ہماری قابلِ مذمت عادتوں
 کو اچھے اخلاق اور تعریف کے قابل خوبیوں سے بدل
 دے۔ ہمیں اپنا تابعدار بندہ بنا، لیکن اطاعت پر
 ہمیں غرور نہ کرنے دے۔ ہماری آخرت بخیر کر، ہمیں
 ایمان کی سلامتی کے ساتھ موت سے ہمکنار فرما۔ ہمارے ملک
 پاکستان کی آزادی و سلامتی کو اپنی پناہ میں رکھنا۔ ہم اس
 قابل نہیں۔ معافی کے طلبگار ہیں۔
 آمین

۲۶ اگست ۲۰۱۰ء

باب (۱۳۱)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو الرحمن الرحیم ہے۔ جو جسموں میں جان ڈالتا ہے اور جب چاہے اُنے جانوں کو نکال بھی لیتا ہے۔ یہی پوری کائنات کا مختارِ کل ہے۔

درود و سلام اُن پر جو نرم ترین دل کے مالک ہیں۔ اور پھر بھی اپنے ارادے اور ایمان میں مضبوط ترین ہیں۔ اور بے شک جو اپنے رب دو جہاں کا جمال ہیں۔ سلام، رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی اُن سب صائم (روزہ دار) پر جو اس ماہ مبارک کی برکتوں کو جانتے ہیں اور جنہوں نے صبر و شکر کے سبق اچھی طرح سیکھ لئے ہیں۔

اس زمین نے اپنی حیات کے دوران بہت کچھ دیکھا ہے۔ اس نے اپنے سینے پر اچھی اور بُری چیزیں ہوتے

دیکھی ہیں۔ اس نے کبھی خوشیاں اور کبھی غم دیکھے ہیں۔
 کبھی انصاف اور کبھی نا انصافی دیکھی ہے۔ کبھی عاجزی
 اور کبھی عزور دیکھا ہے۔ بے شمار کہانیاں ہیں۔ کچھ کہی اور
 کچھ ان کہی۔ جو اس زمین کے سینے میں پوشیدہ ہیں۔
 زمانے گزر گئے اور اب زمین بہت بوڑھی ہو چکی
 ہے۔ اس کے تمام بال سفید ہو گئے ہیں۔ اور چہرہ بھریوں
 سے بھر گیا ہے۔ اس کی سانسیں دھیمی پڑ گئی ہیں۔ اور
 آپ کے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اب یہ کب مر
 جائے گی۔

زندگی کا حال یہی ہے۔ جو چیز پیدا کی گئی ہے،
 وہ جلد اپنے انجام کو پہنچے گی۔ کچھ کی عمریں طویل اور کچھ
 کی مختصر۔ مگر جہاں بھی زندگی خاتمے کے قریب پہنچتی
 ہے، وہاں تبدیلیاں آتی ہیں۔ چاہے کسی کو بے وقت
 موت آئے تو تب بھی اسے پہلے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ
 کچھ تبدیلی آنے والی ہے۔

کیا آپ نے اپنے اطراف چیزوں کو تبدیل
 ہوتے نہیں دیکھا ہے؟ شروع میں یہ تبدیلی دھیمی
 اور غیر محتاط تھی۔ کچھ نے اسے دیکھا اور کچھ نے نہیں

دیکھا۔ لیکن اب ہر چیز بالکل ظاہر اور واضح ہو چکی ہے۔
اتنی واضح کہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

زمان (وقت) کے خاتمے کی تمام علامات تقریباً
ظاہر ہیں۔ جب کوئی مرنے کے قریب ہو تو کیا ہوتا ہے۔
فرض کیجئے کہ آپ ٹرین پر کہیں جا رہے ہیں اور چانک
اعلان ہوتا ہے کہ چند لمحوں میں آپ اپنی منزل پر پہنچنے
والے ہیں۔ بلاشبہ آپ فوراً اپنا سامان پیک کرنا شروع
کرتے ہیں اور منزل کے قریب آنے کی تیاری شروع
کرتے ہیں۔

جب کسی شخص کو دوسرے شہر کے تباہ لے کا خط
ملتا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ آئندہ کے انتظامات کے
لئے تیاری شروع کرتا ہے۔ لیکن جب اللہ دنیا والوں
کو بتاتا ہے کہ آپ کی یہ دنیا ختم ہونے والی ہے، بس
صوراً سرافیل کے پھونکے جانے میں کم وقت رہ گیا ہے۔
تو اس پر ہر ایک کا ردِ عمل کیسا ہے۔ اس پیغام پر
ان کے کان پھرے ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں
ان واضح نشانیوں کو دیکھنے کے قابل نہیں رہتیں، جو
اب اتنی نمایاں ہیں، جی ہاں! فضاؤں میں تبدیلی کے

آثار نمایاں ہیں۔

یہ تبدیلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری کے ساتھ ہی شروع ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قریب قیامت کی سب سے پہلی نشانی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نشانیوں کے بارے میں اپنی امت کو بار بار آگاہ کیا، باقی تمام انبیاء سے بہت زیادہ۔

زمان کے خاتمے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کا مطالعہ کریں، تو آپ دیکھیں گے کہ تقریباً وہ تمام نشانیاں موجود ہیں۔

یوم حشر کے بارے میں کسی کو علم نہیں۔ سورۃ العراف (۱۸۶: ۷) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وہ آپ سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کو ٹھہری ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے۔ اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں، تم پر نہ آئے گی مگر اچانک۔“ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے

پوچھا: ”وہ گھڑی کب آئے گی اسے اللہ کے رسول“۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”تم نے اس کی کیا
 تیاری کی ہے؟“ ”نماز روزہ اور زکوٰۃ کے حوالے سے تو
 کچھ زیادہ نہیں لیکن میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ
 علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔“

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”تم ان ہی کے
 ساتھ ہو گے جن سے تمہیں محبت ہے“ ایسے ہوتے تھے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے لوگ۔ ہر وقت اس
 بات سے خوف زدہ کہ انجام فریب ہے۔ اور بلاشبہ
 اسی خوف کے باعث وہ پرہیزگاری کی زندگی گزارتے
 تھے۔

وہ اپنی زندگی کے ہر ایک عمل سے اپنے اللہ کو
 راضی کرنے کے لئے مشتاق تھے۔ وہ اپنے اللہ سے راضی
 تھے، اور اللہ ان سے راضی تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا
 قربِ قیامت کی نشانیاں زیادہ واضح ہوتی گئیں لیکن
 بدقسمتی سے دنیا اس کی پرواہ کم سے کم کرنے لگی۔ لوگ
 اپنے طور طریقوں میں بے پرواہ ہو گئے۔ اس دنیا کی محبت
 نے ان کو اندھا کر دیا اور شیطان نے ان کے دلوں میں

یہ خیال ڈال دیا کہ قیامت (انجام) ابھی دُور ہے۔
 صُورِ اسرافیل کے پھونکے جانے کو تو ابھی سینکڑوں
 سال باقی ہیں، ابھی سے پریشانی کس لئے؟ آج دن تک
 لوگ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ وہ وقت کے خاتمے
 سے کئی سال دُور ہیں۔ اور یہ کہ اس وقت کا سامنا شاید
 آئندہ نسلیں کریں گی۔

اگر آپ سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے سے آنکھیں
 بند کرتے ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خطرہ
 ٹل جائے گا۔ فرض کیجئے کہ آپ ایک راستہ پر چل رہے
 ہیں۔ اور اچانک کوئی آپ کو خبردار کرتا ہے کہ اس راہ
 کے آخر میں ایک ریت کا بھنور ہے۔ قدرتی بات ہے
 کہ اس کے بعد آپ ہر قدم احتیاط سے اٹھائیں گے۔
 اور اس خطرے کے آثار پر نگاہ رکھیں گے، تاکہ آپ
 اس میں نہ پھنسیں۔

زمان (وقت) کے خاتمے کے قریب آنے کا
 وقت دراصل ایسا ہی ہوگا جیسے آپ کسی دلدل پر چل
 رہے ہوں۔ اگر آپ محتاط ہیں اور اس کی علامتوں سے
 واقف ہیں تو پھر اس کے امکانات ہیں کہ آپ کو اس

پھندے سے بچایا جائے۔ لیکن اگر آپ بھی دنیا کی اکثریت کی طرح ہیں تو پھر اس کا امکان ہے کہ شیطان اپنے غلط خیالات سے آپ کی آنکھوں پر پردہ ڈال دے، اور آپ کو اپنے جال میں اس طرح پھنسلے جیسے مکڑی مکھی کو اپنے جال میں پھانستی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حشر سے پہلے کی چھ بڑی نشانیاں بتائی ہیں۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”حشر سے پہلے چھ نشانیاں گن لیں۔ پہلی میرا وصال، پھر بیت المقدس کا کھلنا، پھر بڑی تعداد میں اموات، جیسے بیٹروں کا طاعون۔ پھر پیسے کی اتنی فراوانی ہوگی کہ اگر کوئی کسی ضرورت مند کو سو (۱۰۰) دینار دے گا تو وہ اس رقم کو حقارت کی نظر سے دیکھے گا۔ پھر ایک بوکھلاہٹ طاری ہوگی جو ہر ایک عرب کے گھر میں داخل ہوگی۔

پھر آپ کے اور غیر مسلموں کے درمیان ایک جنگ بندی ہوگی۔ کیوں کہ وہ آپ کے مقابلے میں بہت ہی طاقت ور ہوں گے۔ وہ آپ کی طرف آئیں گے اسی (۸)

مختلف فوجی گروہوں کے ساتھ، یا ۸۰ مختلف مجبور کرنے والے بہانوں کے ساتھ۔ ہر گروہ کے ساتھ ۱۲۰۰ ہزار فوجی یا وضاحتیں ہوں گی۔“

اگر اس حدیث میں پیش کی گئی مختلف پیش گوئیوں کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ان میں زیادہ تر آج کے دور کے مطابق سچ ہیں۔

یوم آخر کے بارے میں پہلی نشانیوں میں سے ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے پردہ فرمانے سے پوری ہوئی۔ پھر اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد بیت المقدس کے کھلنے والی پیش گوئی پوری ہوئی۔ جو صحابی خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دو خلافت میں ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنی اموات ہوں گی۔ جیسے طاعون سے متاثر جانوروں کی ہوتی ہے۔ اس کا مشاہدہ یورپ میں جانوروں کے فٹ اینڈ ماؤتھ وبا پھوٹنے کی شکل میں ہوا۔ جس میں اکتوبر ۱۹۱۸ء میں 3.9 ملین سے زائد جانور ذبح کئے گئے۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آخری دنوں میں

بے شمار لوگ اسی طرح ہلاک ہو جائیں گے۔ یعنی سالہا سالہ لینے کی نالیوں میں زہریلے مادے کے پھیلنے کی وجہ سے۔ انفلوئنزا کی وبا اسی طرح پھیلتی ہے۔ سارس کا طاعون اس وبا کے پھوٹ پڑنے کی وجہ ایک مثال ہے جس نے ہزاروں افراد کو ہلاک کیا۔

حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ آخری دنوں میں پیسے کی بڑی فراوانی ہوگی۔ آج کل پیسے کی زبردست بھرمار سے معیشت کو عالمگیریت حاصل ہے۔ اور تجارت ناقابل یقین حالت تک بڑھ گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”دنیا میں ہر طرف تجارت اور افراطِ زراعتی زیادہ ہوگی کہ ایک بھکاری کی نظر میں سودینار کی کوئی اہمیت نہ ہوگی۔“ کیوں کہ یہ اتنی بڑی رقم نہ ہوگی جس سے کچھ خریدا جاسکے۔ سرمایہ دارانہ سماج اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے دنیا کی معیشتوں کو غیر متوازن کر کے رکھ دیا ہے۔ اب پیسہ بہت مگر کھانے کو کم ہے۔ ضروریاتِ زندگی اتنی ہنسکی ہو گئی ہیں کہ پیسے کی قوتِ خرید ختم ہو گئی ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم مزید ارشاد فرماتے

ہیں کہ ”تہذیبوں کے درمیان ایک شمشکس ہوگی۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں اور ایک غیر مسلم اتحاد کے درمیان جنگ بندی کا عارضی صلح نامہ ہوگا۔ اس وقت غیر مسلم اس قدر طاقت ور ہوں گے کہ مسلمانوں کو صلح کرنے پر ہی لگی۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ”لوگ بہت جلد ایک دوسرے کو آپ پر حملہ کرنے کی دعوت اس طرح دیں گے جس طرح لوگ اپنے گھر کھانے پر دوسرے کو دعوت دیتے ہیں۔“ کسی نے پوچھا کہ کیا یہ اس لئے ہوگا کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”نہیں آپ اس وقت بہت زیادہ ہوں گے۔ لیکن آپ اس جھاگ کی طرح ہوں گے جسے ایک تیز لہر بہا کر لے جاتی ہے۔“

”آخری دنوں کی ایک اور بھی نشانی ہے، وہ آدمی جو اپنے دین پر دیانتداری سے قائم رہتا ہے، اسے غدار کہا جائے گا اور لوگ اس کو ایسی نظر سے دیکھیں گے، جیسے اس نے اسلام سے دغا کی ہو۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، ”آخری گھڑی کی آمد سے پہلے کئی سال تک فریب ہوگا۔ جس میں دیانت دار کو غدار قرار دیا جائے گا۔ اور غداروں پر اعتبار کیا جائے گا اور بے حیثیت بات کی اہمیت ہوگی۔“

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”ایک بدو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یوم حساب کب واقع ہوگا؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب اعتبار اٹھ جائے تو یوم حساب کا انتظار کرو۔ بدو نے کہا اعتبار کب ختم ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”جب اقتدارنا اہل لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگا۔ تب یوم حساب کا انتظار کرو۔“

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنے کا ذکر فرمایا: ”جو اس زمانے میں آگ کی طرح پھیل رہا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وقت کے خاتمہ کے وقت لوگوں کا ایک گروہ پیدا ہوگا، جو نوجوان ہوں گے۔ جن کے احمقانہ خواب ہوں گے۔ وہ بہترین تخلیق کے انداز میں بات کریں گے یعنی

قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے۔
ایمان ان کے حلقوں سے بھی نیچے نہیں اُترے گا۔ اور وہ
دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیرا پتہ شکار
کے پار نکلتا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن نوجوانوں کا ذکر
کیا ہے، یہ وہ ہیں جن کا ناچُنْتہِ عَمْرٍ میں، میڈیا خطابوں
اور مذہبی نظریات کے ذریعے برین واش کیا جاتا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”ان کے
دیوانے خواب ہوں گے، جس کا مطلب ہے کہ ان کے
ذہن مضطرب ہوں گے، اور ان میں سمجھ کی کمی ہوگی۔ آخری
دور میں ایک ایسا وقت آئے گا جب دُنیا گمراہی میں
ڈوبی ہوگی۔ تو یہ نادان اور بے خبر نوجوان آئیں گے اور
اسلام کے بارے میں بات کریں گے۔ یہ نوجوان قرآن کی
تلاوت کریں گے، اور ثبوت میں حدیث کا حوالہ دیں
گے۔“

لیکن یہ سب کچھ ایک غلط طریقے سے کریں گے،
وہ چیزوں کو اپنی ضرورت کے مطابق گڈمڈ کریں گے۔
وہ قرآن کی ان آیتوں کو پیش کریں گے جو کافروں کے لئے

نازل ہوئی تھیں۔ اور انہیں سیاق و سباق سے الگ کر کے مومنوں پر چسپاں کریں گے۔

یہ ہے خوارج کا ازل سے اب تک کا طریقہ کار۔“
آج کا خارجی وہابی فرقے کا پیروکار ہے۔ جو درحقیقت اپنے عقیدے کے جھوٹ کو ایک بہت بڑی پروپیگنڈے مہم کے ذریعے مسجدوں میں انٹرنیٹ و ویڈیوز اخبارات اور کتابوں کے ساتھ آگے بڑھا رہے ہیں۔

وقت کے خاتمے کے حوالے سے ایک اور اہم حدیث یروشلم میں بیت المقدس کی تعمیر اور یثرب (مدینہ) کی تباہی کے بارے میں ہے۔

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ”آخری دنوں کی نشانیوں میں بیت المقدس کی بجالی، یثرب کی تباہی، قتل و غارت گری، قسطنطنیہ“ کی فتح اور دجال کا ظہور“ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا: ”بے شک یہ اسی طرح سچ ہے جس طرح تم یہاں بیٹھے ہو۔“

اگر آپ اس حدیث کی گہرائی میں جائیں تو...

بیت المقدس کی بحالی کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بیت (گھر) کے ڈھانچے کو صدیوں تک محفوظ رکھیں گے، جو ابھی تک اپنی پرانی صورت میں محفوظ ہے۔ جہاں تک مدینے کی تباہی کا تعلق ہے تو مدینے کی پہلی تباہی اس وقت ہوئی جب محمد ابن عبدالوہاب نے اسلام کے علم کو تباہ کیا۔ دین کی سمجھ کے حوالے سے مسلمانوں کے ذہنوں کو زہر آلود کر کے دوسری تباہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی مقدس عمارت اور یادگاروں کو مسمار کرنا تھا۔ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کو سالہا سال سے محفوظ کر رکھا تھا۔ یہ سب کچھ وہابی فرقے نے تباہ کر دیا اس غلط دلیل پر کہ یہ اسلام نہیں ہے۔ اب تو ان مقدس آثار کے نشان تک نہیں ہیں۔

اسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شدید خون ریز لڑائی اور "قسطنطنیہ" کی فتح کی بھی پیش گوئی کی تھی۔ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا۔

ماضی میں "قسطنطنیہ" پر مسلمان اور روم کے

درمیان جنگ ہوئی تھی۔ اور یہ جنگ، عظیم صحابی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی تھی۔ جس میں مسلمان اس شہر کو فتح کرنے میں ناکام رہے تھے۔ پھر کئی سال بعد عثمانی سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ اور یہ واقعہ ۱۴۵۳ء میں پیش آیا۔ جیسے حدیث میں پیش گوئی کی گئی تھی۔

”تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”یہ دوبارہ فتح ہوگا۔ بڑی جنگ اور زبردست جانی نقصانات کے بعد“ جیسا کہ یہ ایک اور حدیث میں بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”کہ وہ گھڑی اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک دو بہت بڑے گروہ ایک بڑی جنگ میں ایک دوسرے کے مقابل نہ ہوں گے اور ان کا مسئلہ ایک ہے۔“

ان حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑی خون ریز جنگ و عظیم الشان گروہوں کے درمیان لڑی جائے گی۔ جن کا ایک ہی مقصد ہوگا، جس کا انجام ایک بہت بڑی خون ریزی اور جانی نقصان کی صورت میں

سامنے آئے گا۔ اور جس کا اثر قسطنطنیہ پر پڑے گا۔ آخری
 دنوں کی بہت ہی اہم ترین نشانیوں میں سے یہ ایک
 نشانی ہے۔ جو ساری مقدس کتابوں میں آرسکیڈن کے
 نام سے مذکور ہے۔ یہ نشانی دجال کی آمد کے بہت ہی
 قریب کے زمانے کی ہے۔

پہلی حدیث میں بھی لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ران پر ہاتھ مارنے
 ہوئے فرمایا کہ: ”یہ ایسا ہی سچ ہے جیسے تم یہاں بیٹھے ہو۔
 جس کا مطلب ہے کہ یہ ہو کر رہے گا۔ اسے زیادہ حیران
 کن نہ سمجھنا۔“

اب دیکھ سکتے ہیں کہ وہ وقت کتنا قریب ہے۔
 اور یہ کتنی تیزی سے حرکت میں ہے۔ سال اب مہینے بن
 گئے ہیں، مہینے اب ہفتے بن گئے ہیں اور ہفتے اب دن
 کے برابر ہیں۔ دن ایک گھنٹے کے برابر اور گھنٹہ ایک
 بھڑکتے ہوئے شعلے کی طرح ہے۔ وقت کے خاتمے کا
 ہارٹوٹ چمکا ہے، اور یہ اس وقت ٹوٹا تھا جب اس
 دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نظامیہ نوریہ
 وجود میں آیا۔

کیا آپ نے مشاہدہ نہیں کیا کہ قدرتی آفات زیادہ رونما ہو رہی ہیں۔ اور کتنا خون خرابہ ہو رہا ہے۔ قاتل یہ نہیں جانتا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے۔ اور مرنے والا یہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں قتل کیا جا رہا تھا۔ ہر طرف شدید افراتفری، پریشانی اور لاقانونیت ہے۔

ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے دنیا کو ایک بلند تر کھیل کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ وہ وقت تیزی سے آ رہا ہے۔ جب دنیا دیکھ لے گی کہ کس طرح ساری پیش گوئیاں ایک ایک کر کے سچی ثابت ہوں گی۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک لوٹے ہوئے ہار سے دانے ایک ایک کر کے گرتے ہیں۔

جنگِ بدر سال ۲ ہجری کو رمضان کے مہینے میں ہوئی تھی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ نماز کی امامت کے لئے چھوڑا اور خود اپنے ۳۱۳ ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوئے جو پیدل تھے۔

جب یہ لشکر بدر کے مقام پر پہنچا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھجور کی

شاخوں سے ایک سائبان تیار کیا۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ
 علیہ وسلم اپنے لئے تیار کر وہ اس سائبان میں داخل ہوئے
 اور خاک پر سجدے میں گر گئے۔ اور دعا مانگی کہ :
 اے رب کریم ! ہمیں اپنی وہ مسرت عطا
 کر جس کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے۔

کفار کے لشکر سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ
 اور اس کے بیٹے ولید نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو لڑائی
 کے لئے لاکارا۔ اس پر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
 عوف بن حارث رضی اللہ عنہ اور انصار سے معاذ رضی
 اللہ عنہ ان کے مقابلے میں نکل پڑے۔ ان کو دیکھتے
 ہوئے عتبہ نے کہا کہ ہمیں آپ سے کوئی کام نہیں ہماری
 برابری کرنے والوں کو بھیجیں۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی
 بن ابوطالب کرم اللہ وجہہ، عبیدہ بن حارث رضی اللہ
 عنہ اور حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ان کے
 مقابلے کے لئے بھیجا۔

انہوں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا، اور حضرت
 حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو قتل کر دیا، جب کہ حضرت

علیٰ کریم اللہ و جہہ نے ولید کو مار ڈالا، صرف عتبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ پر ایسا وار کیا کہ ان کی ٹانگ الگ ہو گئی۔

حضرت علیٰ کریم اللہ و جہہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان کی مدد کو پہنچے اور عتبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ تمہاری قسمت اچھی ہے عبیدہ، کیوں کہ تم ابھی جنت میں داخل ہونے والے ہو۔ اس کے بعد باقاعدہ جنگ شروع ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے بناٹے گئے سائبان میں داخل ہوئے اور اپنے سر کو زمین پر رکھ کے اپنے اللہ سے دعا مانگی کہ:

اے میرے رب! ہم نے تمہارے وعدے پر بھروسہ کیا، ازراہِ کریم اپنی مدد بھیج دیجئے۔
پھر حضرت جبریل علیہ السلام ہزار (۱۰۰۰) ملائکہ کے ساتھ آسمان سے اترے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اعلان کیا۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام اور فتح عطا

کی ہے۔ پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں :
 ترجمہ : ”جب آپ اپنے رب سے مدد مانگ
 رہے تھے تو مدد کی اس نے اور آپ کو جواب
 دیا کہ! آپکی مدد ہزار ملائک سے کروں گا۔
 جو آپ کے پیچھے سوار یوں پر ہوں گے“

(سورۃ الانفال)

ملائک صف بستہ کھڑے ہو گئے اور ہر ایک کے
 ہاتھ میں ایک تلوار تھی۔ جن سے وہ کفار کے سروں اور
 گردنوں کو اڑا رہے تھے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ”جس وقت
 آپ کا رب ملائک سے فرما رہا تھا، میں
 تمہارے ساتھ ہوں، مومنوں کی مدد کرو،
 میں کفار کے دلوں میں دہشت ڈال دوں
 گا، تو پھر ان کی گردنیں اڑا دو اور ان کی
 اُنکلیاں قلم کر دو“

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
 مٹھی بھر خاک اٹھائی اور اسے کفار کے چہروں کی طرف
 پھینکا۔ اللہ نے اسی وقت تیز ہوا کا ایک جھونکا پیدا

کیا۔ جس نے اس خاک کو کفار کی آنکھوں میں دے مارا۔
 جس سے وہ اسی وقت اندھے ہو گئے اور دیکھ نہیں
 سکتے تھے۔ ملائکہ کی تلوار پڑتے ہی وہ گر کر ڈھیر ہو
 جاتے۔

جب مسلمانوں نے ان کو نظر نہ آنے والی مار سے
 گرتے دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ ان کی اپنی جنگی کوشش
 کے ساتھ ایک اور بھی طاقت برسرِ پیکار ہے۔ جیسا کہ
 قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”آپ نے انہیں قتل نہیں کیا
 بلکہ اللہ نے انہیں مارا۔ جس وقت آپ نے خاک پھینکی،
 وہ آپ نہیں تھے۔ جب کہ اللہ پھینک رہا تھا۔ اور
 وہ مومنوں کو ایک مناسب فائدہ عطا کرے گا۔ بے
 شک اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

جنگِ بدر اس کی واضح مثال ہے۔ کہ جب اللہ
 کی قوت کام شروع کرتی ہے تو کیا ہوتا ہے۔ پھر تعداد
 بے معنی ہو جاتی ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے پیرل
 لشکر کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ جب کہ قریش کے لشکر میں ۱۰۰۰
 آدمی تھے۔ مسلمانوں کے سوار دستے میں دو گھوڑے تھے،
 جب کہ کفار کے لشکر میں ۲۰ گھوڑے تھے مسلمانوں

کے پاس ۷۰۔ اُونٹ تھے۔ بغیر سامان کے۔ جبکہ قریش کے پاس ۷۰۰۔ اُونٹ تھے، کافی ساز و سامان کے ساتھ۔ اے اُمّتِ محمدی! آپ دیکھ سکتے ہیں کہ مسلمان کفار کے ایک چھوٹے سے حصے کے برابر تھے۔ لیکن اس قلیل تعداد کے باوجود اللہ نے فتح دی۔

یہی تناسب ہوگا مسلم فوج اور کفار اور غیر مسلم فوجوں کی آرمیڈن کی جنگ میں۔ یعنی ۳۱۳ بمقابلہ ۱۰۰۰۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ جنگ میں صرف یہی تناسب رہے گا۔

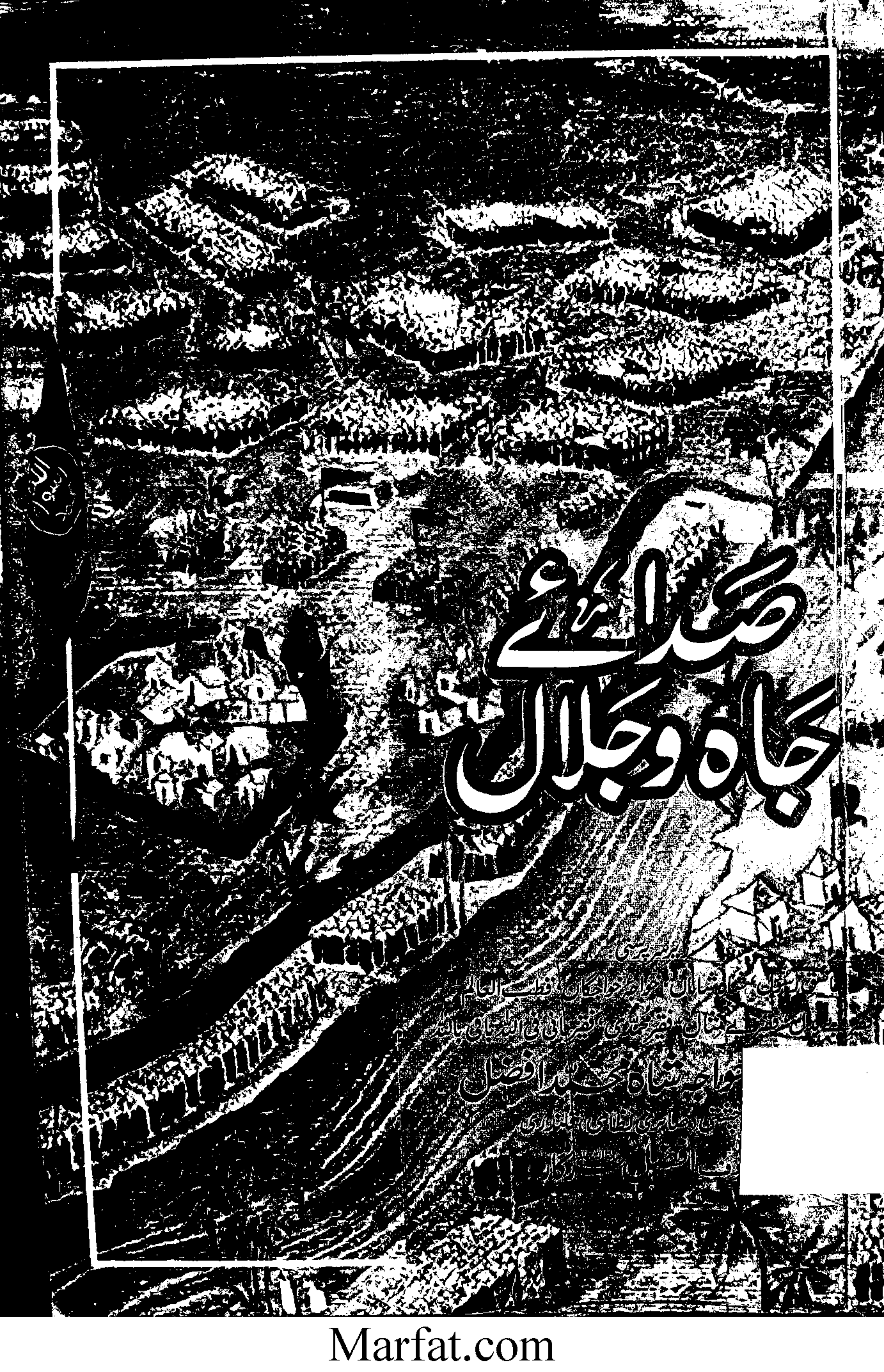
جب اللہ مدد فراہم کرتا ہے تو توازن تبدیل ہوتے ہیں۔ مستقبل کے بدر میں توازن پھر تبدیل ہوگا۔ یعنی وقت کے خاتمے کا۔ جب اللہ کے سپاہی نہ فقط میدان میں لڑ رہے ہوں گے لیکن ہزاروں کے ہزار سپاہی آسمان سے نیچے آئیں گے۔ جی ہاں! یہ ہوگا طریقہ کار آرمیڈن والی جنگ کا۔ یعنی وقت کے خاتمے کی جنگ۔ وہ جنگ جو حق اور باطل کے درمیان لڑی جائے گی۔ وہ جنگ جسے جنگِ بدر ثانی کہا جائے گا، وہ جنگ جو دنیا کو بتائے گی کہ فتح کے بارے میں اللہ کا وعدہ

ہمیشہ ان لوگوں سے پرہیز کرو۔۔۔
سچے ہیں۔

اللہ بدر کے شہداء کو ابدی آرام نصیب فرمائے۔
یقیناً اللہ کی رحمتیں ان پر سایہ فگن ہیں۔ سلامتی اُن سے
سب پر کبھی جو جنگِ بدر ثنائی میں شریک ہوں گے۔
یقیناً اللہ کی رحمتیں ان کے ساتھ بھی ہوں گی۔

آمین!





۱۹۹۰

گیاہ و جلال

پروفیسر
اس وقت کے وزیر اعلیٰ اور خواتین کے وزیر
پروفیسر بی بی عثمان بی بی عثمانی
خواجہ شاہ محمد افضل
پروفیسر عثمانی عثمانی
پروفیسر عثمانی عثمانی